''تیرا گھر برکتوں سے بھرے گا اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا اور خواتین مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا۔'' (تذکرہ صفحہ ۱۴۳)

# سیرۃ وسوانح

## خاتون مبارکہ

## حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ

(احمدی خواتین کی تعلیم وتربیت کیلئے)

مصنفہ ومرتبہ پروفیسر سیدہ نسیم سعید

یکے از مطبوعات لجنہ اماء اللہ لاہور

باب روحانیت کا وہ روشن ورق
جس میں تابندہ تاریخ محفوظ تھی
جس نے ہر سو بکھیرے تھے در عدن
اس نے خاموشیوں کی ردا اوڑھ لی

اس کی شب زندہ داری کی برکات سے
کتنے غمگیں دلوں کو سکوں مل گیا
وہ مبشر بھی تھی وہ مبارک بھی تھی
عمر بھر اس کا فیضان جاری رہا

(صاحبزادی امتہ القدوس بیگم صاحبہ)
(مصباح دسمبر ۷۷ جنوری ۷۸ صفحہ ۸)

# فہرست مضامین

نام کتاب : سیرت و سوانح حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ

اشاعت : طبع اول ایک ہزار

اشاعت : طبع دوم ایک ہزار

اشاعت : طبع سوم ایک ہزار

پبلشرز : شیخ خالد محمود پانی پتی

شائع کردہ: شیخ طارق محمود پانی پتی

بلیک ایرو پرنٹرز ۔ لاہور

# پیش لفظ طبع ثالث

اس سے پہلے سیرت و سوانح حضرت نواب مبارکہ بیگم کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اور جیسے ہی آئے ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ اور مسلسل نئ ڈیمانڈ آتی رہی۔ شعبہ اشاعت لجنہ اماء اللہ لاہور کی طرف سے بھی اسکی مقبولیت کے پیشِ نظر بار بار اسرار ہوتا رہا کہ طبع ثالث کا انتظام کیا جائے۔ لیکن ہر بار میں رکتی رہی۔ کیونکہ میرے پیش نظر اوّلین ترجیح حضرت اماں جانؓ کی اشاعت تھی۔ بیگم نسیم سعید کی ناسازی طبع کی وجہ سے یہ کام التواء میں پڑتا رہا۔ اورمیں اس دوران ان پر طبع ثالث میں جو اضافے کروانا چاہتی تھی ان کا بوجھ ڈالنا مناسب نہ سمجھا۔ بہر حال جب انکو میری اس خواہش کا علم ہوا تو آپ نے اپنا انتہائی قیمتی وقت نکال کر ضروری اضافے مہیا کر دیے۔ اور اب اس کا تیسرا ایڈیشن حاضر ہے۔

اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ نہ صرف پاکستان سے بلکہ ساری دُنیا سے اسکے لئے ڈیمانڈ آ رہی ہے۔

کینڈا اور امریکہ میں میرے ذاتی سفروں کے دوران بے شمار لوگوں نے اسکو وہاں مہیا کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ جرمنی سے بھی مجھے فون آئے کہ اسکی صورت وہاں پہنچانے کا انتظام کیا جائے۔ انشاء اللہ عنقریب اسکا بھی انتظام ہو جائیگا۔

ہماری اپنی تربیتی ورکشاپس میں کثرت سے ممبرات اور بچیاں اس سے استفادہ کر رہی ہیں۔ اکثر ممبرات بچیوں کو شادی سے پہلے یہ کتاب پڑھا رہی ہیں۔

اور جہیز میں بھی رکھّی جا رہی ہے۔ کچھ ممبرات نے ذکر کیا کہ وہ اپنی بہوؤں کو بھی یہ کتاب پڑھنے کو دیتی ہیں تا کہ عائلی زندگی کی خوبصورت نصائح اور نمونے سے وہ بھی اپنے گھروں کو جنت نظیر بنا سکیں۔

مجھے امید ہے کہ طبع ثالث ہمارے بیشتر قارئین کی ضروریات کو پورا کریگا۔ اور مزید گھرانے اس سے مستفید ہونگے۔

فوزیہ شمیم

صدر لجنہ اماء اللہ لاہور

# بچیوں کو جہیز میں دینے کا بہترین تحفہ
# سیرت وسوانح حضرت نواب سیدہ مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
## ہدایت اللہ ہادی

جو لوگ مامور من اللہ ہوتے ہیں ان کی زندگی کا ہر لمحہ مجسم رحمت و برکت ہوتا ہے۔ چنانچہ آخری زمانے کے موعود کے لئے نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے مبارک ارشادات بلکہ قدیم صحیفوں میں بھی عظیم الشان پیشگوئیوں کا ذکر ملتا ہے۔ ان الٰہی پیشگوئیوں کے نتیجہ میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے امام آخر الزماں حضرت امام مہدی و مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام مبعوث ہوئے اور آپ کو مبارک ذریت سے نوازا گیا۔ آپ کی تمام اولاد خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت، بشارت اور الہامات کے نتیجہ میں پیدا ہوئی۔ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں اللہ تعالیٰ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام کو فرماتا ہے۔

”تیرا گھر برکتوں سے بھرے گا اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا اور خواتین مبارکہ سے جن میں سے بعض کو اس کے بعد پائے گا“۔

(اشتہار 20 فروری 1886ء بحوالہ تذکرہ صفحہ 143)

اسی طرح حضرت سیدہ موصوفہؓ سے متعلق کئی الہامات ہیں اور ہر الہام کی تائید اور سچائی آپ کے پاک وجود سے ثابت ہوتی ہے۔ایسی عظیم الشان اور بابرکت ہستی کی سیرت و سوانح پر قلم اٹھانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ پروفیسر سیدہ نسیم سعید صاحبہ نے غیر معمولی محنت اور کاوش سے سلسلہ عالیہ احمدیہ کا لٹریچر کھنگالا اور حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سیرت اور سوانح پر ایک جامع کتاب مرتب کی۔ سوانح نگار بذات خود علم وفضل ، شرافت و نفاست اور وضع داری کا ایک فقید المثال وجود ہیں۔ علم وفضل ان کے گھر کا اوڑھنا اور بچھونا ہے۔

امرواقع یہ کہ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر یہ پہلی کتاب ہے جو اتنی جامع اور مستند ہے۔ آپ سے تعلق میں جب خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان سے رشتوں کے تعلق میں حسب و نسب کو نہایت عمدہ خوبصورتی سے پرویا ہے جو بڑی جان جوکھوں کا کام ہے۔ ہر نسل کو ان کے آباء واجداد سے ملا کر نہایت عمدہ اور تاریخی کام کیا ہے۔ بڑی محنت و کاوش سے نصب صدی سے زائد عرصہ کے اخبارات و رسائل و جرائد اور کتب کے وسیع مطالعہ کے بعد اس کتاب کو تالیف کیا ہے جس میں بے شمار علوم کا خزانہ ہے اور حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شخصیت کے بے شمار پہلو نمایاں کئے ہیں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ و السلام کے مبارک ارشاد کی تکمیل میں جو حضرت اقدس نے براہین احمدیہ میں تحریر فرمائے ہیں کہ ایک اچھی، اعلیٰ، خوبصورت اور موثر سیرت اور سوانح کی کیا خصوصیات ہیں ان کو مدنظر رکھ کر پروفیسر سیدہ نسیم سعید صاحبہ نے حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سیرت کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس کتاب کے عنوانات قابل توجہ ہیں۔انتخاب مضامین میں غیر معمولی کشش، جدت اور ندرت پائی جاتی ہے۔ حلاوت و ذکاوت اس حد تک ہے

کہ ایک ہی نشست میں ساری کتاب پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔

اس کتاب کے بارہ میں بعض علمائے سلسلہ کی آراء بھی درج ذیل ہیں جو قارئین کرام کے لئے افادہ کا باعث ہوں گی۔

مکرم مولانا حنیف احمد محمود، مربی سلسلہ، جماعت احمدیہ اسلام آباد اپنے ایک مکتوب مورخہ 15 اپریل 2001ء میں محترمہ صاجزادی بی بی نواب فوزیہ شمیم صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ لاہور کو تحریر فرماتے ہیں:۔

''آپ کے دور میں لجنہ اماء اللہ لاہور نے جہاں اور بہت سے میدانوں میں نمایاں کام کرنے کی سعادت پائی ہے۔ وہاں احباب جماعت، خصوصی طور پر ممبرات کی تعلیم و تربیت اور ان کا علمی ذوق بڑھانے کے لیے کتب کی اشاعت میں نمایاں خدمت قابلِ ذکر ہے۔

اس وقت میرے ہاتھ میں حضرت سیدہ نواب بیگم صاحبہؓ کی سیرۃ وسوانح ہے جسے محترمہ سیدہ نسیم سعید صاحبہ نے مرتب کیا ہے اور اس کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس کے عناوین اور ان کی ترتیب میں ایسا حُسن اور آپس میں ایک ربط ہے کہ اس کا ایک عنوان قاری کو تا اختتام کتاب دوسرے عُنوان کے پڑھنے پر مجبور کرتا چلا جاتا ہے۔ میں نے تو پہلے اس کا سرسری مطالعہ کیا تھا۔ اِسے اصلاح احوال کے لئے بہت مفید پایا۔ مگر اب جلسہ اسلام آباد میں اپنی تقریر بعنوان ''تعلیم و تربیت وقت کا اہم ترین تقاضا'' کی تیاری کا سلسلہ میں اس کا بالاستیعاب دوبارہ مطالعہ کیا تو اِسے آج کے دور کے تقاضوں کے مطابق احباب جماعت خصوصی طور پر نوجوان بچیوں اور بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے بہت ضروری اور مفید پایا۔ انسانی زندگی کے تمام رشتوں کو باحسن طریق نبھانے کا طریق اس میں موجود ہے۔

باپ، ماں، خاوند، بہن ، بھائی، بہو، ساس، اور داماد کے ساتھ اچھا تعلق اور

ان سے حسنِ سلوک غرض حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ کی سیرت کے حوالہ سے کون سا رشتہ ہے جس کا ذکر کرنا ضروری تھا اور محترمہ مصنفہ موصوفہ نے اِسے چھوڑ دیا ہو۔ آج ہماری بچیاں، حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ کی سیرت کو اپنا لیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی اُن نصائح کو حرز جان بنا لیں جو اپنی بیٹی کو رخصتی کے موقعہ پر کی تھیں تو ہر گھرانہ جنت نظیر بن سکتا ہے۔

کتاب کی ایک اور خوبی جس کو مصنفہ نے مرتب کرتے وقت مدنظر رکھا وہ ''درّعدن'' کے اشعار کی ترتیب ہے۔ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ کے اشعار کو کئی دفعہ پڑھا ہے مگر اس کتاب میں درج اشعار کو پڑھ کر ایک نئی حلاوت نصیب ہوئی ہے۔ کیونکہ عشق الٰہی، عشق رسولﷺ، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام سے عشق اور خلفاء سے عقیدت کے عناوین کے تحت مصنفہ سیدہ نسیم سعید صاحبہ نے اشعار کو الگ الگ کر دیا ہے جو اس کتاب کا ایک حُسن ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنفہ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ کے بارہ میں آپ کی یادیں اور آپ کے تاثرات بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔

کتاب کی ظاہری بناوٹ کا ذکر بھی ضروری ہے۔ بہت دیدہ زیب، کاغذ بہت عمدہ، جلد بہت نفیس اور قیمت بہت مناسب ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ لجنہ اماء اللہ کو اس جیسی بے شمار مفید اور احباب جماعت کے ایمان کو بڑھانے والی کتب مہیا کرنے کی توفیق سے نوازتا چلا جائے''۔

سلسلہ عالیہ احمدیہ کے جید عالم، متبحر مناظر اور دعا گو بزرگ مکرم مولانا سید احمد علی شاہ صاحب فاضل سیالکوٹی، سابق نائب ناظر اصلاح و ارشاد، صدر انجمن احمدیہ ربوہ اپنے ایک مکتوب میں مورخہ 14 اپریل 2001ء میں محترمہ صاحبزادی بی بی نواب فوزیہ شمیم صاحبہ لجنہ اماء اللہ لاہور کر تحریر فرماتے ہیں۔

"میں محترمہ مکرمہ حضرت صاحبزادی فوزیہ شمیم صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ لاہور کے لئے دعا گو ہوں کہ جن کی نظر انتخاب مکرمہ سیدہ نسیم سعید صاحبہ پر پڑی کہ وہ ان لعل و جواہر کی مالا کو ترتیب دیں اور حق یہ ہے کہ ان کی نظرِ انتخاب جس پر پڑی انہوں نے بھی اس کا پورا حق ادا کیا ہے چنانچہ محترمہ سیدہ نسیم سعید صاحبہ نے ایسے بعض امور اُجاگر اور نمایاں کئے ہیں جو اس سے قبل کھل کر سامنے نہ آئے تھے اور جو اولاد کی تربیت کا بہترین ذریعہ ہیں۔ اس میں مندرجہ نصائح اور ہدایات دراصل قرآن کریم و حدیث نبویہ اور حضرت امام آخرالزمان مسیح موعود علیہ الصلوۃ و السلام کی تعلیم کا خلاصہ ہیں اور کئی باتیں ایسی واضح کی گئی ہیں کہ جو ہر احمدی مرد و زن کے لئے اس کتاب کا مطالعہ کرنا اور شادی سے پہلے اپنی بیٹیوں کو پڑھوانا اور شادی پر بطور جہیز دینا ضروری ہے۔ تا کہ ہر احمدی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ و السلام کے خاندان کا عملی نمونہ اپنے پیش نظر رکھے۔ اس میں حضرت اماّں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بعض نصائح بیان کی گئی ہیں جیسے:۔

1 بڑے بچہ کی تربیت پر بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے اگر وہ ٹھیک راہ پر چلے گا تو آئندہ زیادہ محنت کی ضرورت نہیں، چھوٹے خود ہی بڑے کے نقش قدم پر چلنے لگیں گے۔

2 بچوں کو شروع سے کہنا ماننے کی عادت ڈال دو۔

3 بچوں کی چھ، سات سال کی عمر میں اپنے نصیب بہتر ہونے اور نیک جوڑے کے حصول کی دو نفل پڑھ کر دعا نصیحت کرنا۔

4 بچہ کی بلوغت کے بعد تیرہ، چودہ سال کی عمر میں اس کی شادی کی فکر کرنا۔

5 اگر بچے کمرہ میں کھیلیں تو اندر سے دروازہ بند نہ کریں۔

6 بچوں کو سمجھا دیں کہ جس بات کو تم اپنے والدین اور بزرگوں کے سامنے نہ

کہہ سکو وہ گناہ ہے وہ زہر ہے۔

7 اگر کوئی لڑکی یہ کہے کہ یہ بات کسی کو نہ بتانا تو سمجھ لو کہ وہ بری بات ہے۔

علیٰ ھذا القیاس ایسی بہت سی نصائح ہیں کہ وہ سمجھتا ہوں کہ ہر احمدی اپنی بچی کو شادی سے پہلے یہ کتاب اور خصوصاً یہ ہدایات پڑھوا دے اور شادی کے موقع پر یہ کتاب بطور جہیز اسے دے۔ کیونکہ یہ کتاب گھر کو جنت بنانے اور خاندان کو متحد رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کتاب میں مندرجہ نصائح پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرما دے اور محترمہ بہن سیدہ نسیم سعید صاحبہ مرتبہ کتاب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ ’’آمین‘‘

یہ کتاب نہ صرف حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جامع سیرت کا بہترین مرقع ہے بلکہ احمدی خواتین کی تعلیم و تربیت کا بہترین زیور ہے۔ ہمیں امید ہے کہ قارئین کرام کے لئے رشد و ہدایت، ازدیاد علم اور روح کی تروتازگی کا باعث ہوگی۔

# عرض حال

حضرت مسیح موعود کی بڑی صاحبزادی حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے حالات سیرۃ وسوانح مرتب کرنا وقت کا ایک اہم تقاضہ ہے جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے کچھ رفقاء کی وفات پر فرمایا ''یہ لوگ حضرت مسیح موعود کے ہزاروں نشانوں کا چلتا پھرتا ریکارڈ تھے نہ معلوم لوگوں نے ان ریکارڈوں کو کس حد تک محفوظ کیا---- پس ایک رفیق جو فوت ہوتا ہے وہ ہمارے ریکارڈ کا ایک رجسٹر ہوتا ہے جسے ہم زمین میں دفن کر دیتے ہیں اگر ہم نے ان رجسٹروں کی نقلیں کر لی ہیں تو یہ ہمارے لئے ایک خوشی کا مقام ہے---- ان کے نقشِ قدم پر چلو اور اس بات کو اچھی طرح یاد رکھو کہ فلسفیانہ ایمان انسان کے کام نہیں آتا- وہی ایمان کام آ سکتا ہے جو مشاہدے پر مبنی ہو اور مشاہدہ بغیر عشق نہیں ہوسکتا----'' اسی خطاب میں آپ آگے فرماتے ہیں''خدا کا نبی ہی، اس کا نبی ہوتا ہے- مگر اس سے تعلق رکھنے والے اس کی بیویاں اور بچے- اس کی لڑکیاں اور اس کے دوست اور اس کے رشتہ دار سب انسان برکات سے کچھ نہ کچھ حصہ لے گئے جو اس پر نازل ہوتی تھیں-

(الفضل ۱۹۴۵-۱۰-۱۰)

حضرت مسیح موعود کو اللہ تعالیٰ نے بشارت دی کہ ''بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے (تذکرہ صفحہ ۹) کپڑے تو کچھ عرصہ جسم کو چھو کر بابرکت ہو گئے لیکن وہ مبارک وجود، جو آپ کے جگر گوشے تھے اور ہر وقت اس ماحول میں رہتے تھے جس پر رحمت باری اور انوار الٰہی کا ہمہ وقت نزول ہوتا تھا- حضور کے ہزاروں نشانوں کا صبح شام مشاہدہ کرکے وہ چلتے پھرتے رجسٹر بن چکے تھے جن کو محفوظ کرنا جن کے

نمونے پر چلنا افراد جماعت خصوصاً نوجوان نسل کیلئے نہایت ضروری ہے- ان ہی بابرکت وجودوں میں حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ ہیں- جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کو فرماتا ہے- ''تیرا گھر برکتوں سے بھرے گا اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا اور خواتین مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا-''

(اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء، تذکرہ ۱۴۳)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہٖ العزیز نے اس بات کی اہمیت اور تقاضے کے پیش نظر اس دائرے کو اور وسیع کر دیا چنانچہ آپ فرماتے ہیں-

''گزشتہ چند سالوں میں میں نے جماعتوں کو بار بار نصیحت کی کہ وہ سارے خاندان جن کے آباؤ و اجداد میں کوئی رفیق یا تابعی تھے ان کو چاہیئے کہ اپنے خاندان کے بزرگوں کا ذکر خیر اپنی آئندہ نسلوں میں جاری کریں-''

(خطبہ جمعہ ۳۰ اپریل ۱۹۹۳ء)

چنانچہ واضح ہوا کہ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی سیرۃ و سوانح مرتب کرنا کتنا ضروری تھا- صاحبزادی فوزیہ شمیم صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ لاہور کی تحریک پر خدا تعالیٰ کے فضل سے اس کتاب کو مرتب کرنے کی عاجزہ کو توفیق ملی الحمدللہ-

آپ کی سیرۃ و سوانح پر کام کرتے ہوئے انکشاف ہوا کہ مصباح کے خاص نمبر (جو آپ کی وفات پر شائع ہوا) میں چند دوسرے مضامین کے علاوہ خاندان کی خواتین میں سے صرف صاحبزادی آپا ناصرہ بیگم صاحبہ کا ایک صفحہ کا صاحبزادی امتہ الباسط صاحبہ کا پانچ صفحے کا اور صاحبزادی آپا محمودہ بیگم صاحبہ کا پندرہ صفحے کا مضمون ہے- چنانچہ آپ کی بیٹیوں، بھانجیوں، بھتیجیوں بہو اور بہت سی عزیزوں سے لاہور اور ربوہ جا کر انٹرویو لئے- اگرچہ شروع میں سب نے کہا، لکھنا مشکل ہے لیکن میرے سوالات کے جوابات دیتے دیتے سب کی پرانی یادیں تازہ ہوگئیں اور سب نے ہی قلمی تعاون کیا- مزید حالات اکھٹے کرنے کیلئے سلسلہ کے لٹریچر کا وسیع مطالعہ کیا اور تحقیق

سے آپ کی زندگی کے نئے حقائق سامنے لانے کی کوشش کی- درج ذیل کتب سے علمی و تحقیقی استفادہ کیا گیا-

''سوانح فضل عمر'' جلد اول مصنفہ و مرتبہ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب (سن اشاعت دسمبر ۱۹۷۵ء) حضرت خلیفتہ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہٖ العزیز-''

''اصحاب احمد'' جلد دوم مصنفہ و مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم اے قادیان (پہلا ایڈیشن)

تاریخ لجنہ جلد اول، دوم، سوم، چہارم طابع و ناشر لجنہ اماء اللہ پاکستان

مصباح کا خاص نمبر دسمبر ۷۷ جنوری ۷۸- مصباح کے مختلف شمارے اور الفضل کے مختلف شمارے-

تاریخ احمدیت جلد دوم اور جلد ۱۶ مولانا دوست محمد شاہد صاحب

آپ کی صاحبزادیوں آپا محمودہ بیگم صاحبہ آپا آصفہ مسعودہ صاحبہ (بے بی) آپ کی بہو آپا طیبہ صدیقہ صاحبہ آپ کی بھانجیاں آپا طاہرہ صدیقہ صاحبہ، بی بی فوزیہ شمیم صاحبہ آپ کی بھتیجیاں آپا ناصرہ بیگم صاحبہ، آپا امتہ الباسط صاحبہ، آپا امتہ النصیر صاحبہ آپا امتہ العزیز بیگم صاحبہ آپ کی نواسیاں بی بی امتہ الشکور صاحبہ بی بی امتہ الحسیب صاحبہ بی بی زبدہ ہمایوں (زوبی) صاحبہ سب نے ہی بھرپور تعاون کیا- خدا تعالیٰ سب کو جزائے دارین عطا فرمائے آمین-

چونکہ کچھ سوالات سب سے کئے گئے تھے ہر ایک نے اپنے اپنے انداز اور سوچ سے اس کا جواب دیا ہے اگرچہ تکرار معلوم ہوتی ہے مگر اپنی محبوب ہستی کے بارے میں اس تکرار میں بھی حسن ہے- سیرۃ و سوانح کے بارے میں حضرت مسیح موعود کے ارشاد کی روشنی میں حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی سیرۃ کے عنوانات، میں نے، محبت الٰہی عشق رسول ﷺ اور شفقت علی خلق اللہ کے زاویوں سے بنائے ہیں کیونکہ

تینوں عنوانات ایک احمدی کے دین کا خلاصہ ہیں۔منبع حیات یعنی ذات باری تعالیٰ کے ساتھ گہرا پیوند ہو۔ پیغام الٰہی لانے والے رسول ﷺ کی محبت، روح کی غذا ہو۔ اور مخلوق خدا کی ہمدردی کا جذبہ دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہو۔ اور امام الزماں مہدی دوراں کی بیٹی کو اپنے مقدس باپ سے یہ ورثہ خوب ملا۔ میں نے بھرپور محنت سے حضرت سیدہ بیگم صاحبہ پر ہر چھوٹی سے بڑی تحریر اور یادداشت اکٹھی کرکے اس کتاب کو آپ پر انسائیکلوپیڈیا بنانے کی کوشش کی ہے تاکہ قاری کو آپ کے بارے میں وسیع معلومات حاصل ہوسکیں اور آئندہ لکھنے والوں کو اس کتاب سے بہت کچھ مل سکے۔

اس کتاب کو لکھنے کیلئے بزرگان سلسلہ کی لکھی ہوئی سیرۃ کی کتب کا مطالعہ کیا گیا اور دیکھا کہ بیشتر سیرۃ کے پہلوؤں کو مزید اجاگر کرنے اور مختلف زاویوں سے ان پر روشنی ڈالنے سے اس شخصیت کے اکثر پہلو بڑے نمایاں ہوکر قارئین کے سامنے آ جاتے ہیں لیکن بات طول پکڑ جاتی ہے اور اکثر قاری طوالت کے متحمل نہیں ہوتے حضرت سیدہ کی سیرۃ، جیسی مشاہدہ کرنے والوں نے دیکھی ویسے ہی میں نے لکھ دی سوائے ایک دو مقامات کے جہاں میرا قلم میرے بس میں نہیں رہا۔ میں نے آپ کی سیرۃ کے بارے میں دوسروں کے مشاہدوں کے علاوہ مختلف عنوانات کے تحت، حضرت سیدہ کی دلی کیفیات درعدن سے شامل کی ہیں۔ کیونکہ دوسروں کے مشاہدے میں کمی اور خطا ہوسکتی ہے۔لیکن جس بات کا اظہار وہ خود کر رہی ہیں وہ سو فیصد سے بھی زیادہ درست اور قطعی ہے۔

ممکن ہے محسوس ہو کہ اس کتاب میں کچھ غیر ضروری باتیں شامل کی گئی ہیں لیکن بار بار کے غور وفکر اور مطالعہ سے صرف نہایت ضروری مضامین، آپ کی سیرۃ اور سوانح کے بیان میں شامل کئے گئے ہیں اس کتاب سے لطف اندوز ہونے کیلئے پیش لفظ عرض حال۔ اور آرا سب ہی پڑھنی ضروری ہیں۔

اس کتاب کو لکھنے میں سب سے زیادہ دعا کا عنصر شامل ہے جو کتاب لکھنے سے

پہلے، دوران اور اختتام تک جاری ہے- میں ہر روز اس کتاب کو حضرت موسیٰؑ کی دعا میں ''وقلمی'' کے اضافے کے ساتھ رب شرح لی صدری ٥ ویسرلی امری٥ واحلل عقدۃ من لسانی (وقلمی) یفقھوا قولی (سورہ طٰہٰ آیت ۲۶ تا ۲۹) پڑھ کر لکھتی ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ مولا کریم میری صلاحیتوں سے بڑھ کر، میری دعاؤں اور تمنا سے فزوں تر مجھے اس مقدس عظیم باپ کی ''مبارک، بیٹی کی سیرۃ مرتب کرنے کی بہترین توفیق دینا کہ مرزا غالب کی طرح میں بھی کہوں کہ اے صاحب قلم میرے مولا ؂ ----

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے

اے میرے پیارے خدا مجھے خود ہی مضامین سکھا خود ہی انداز بتا خود ہی الفاظ دے اور سب سے بڑھ کر اس کتاب کے مضامین میں وہ جذب واثر پیدا کر کہ یہ کتاب ہماری خواتین کیلئے نور کی ایسی مشعل بن جائے جس کی روشنی گھروں سے ناچاقی و ناراضگی، لڑائی جھگڑوں کے اندھیروں کو دور کر دے- اور احمدی گھرانوں کو بیمثال پیار محبت اتفاق و اتحاد کی جنتِ ارضی میں تبدیل کر دے جیسے کہ حضرت خلیفہ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہٖ العزیز گھروں کو جنت نظیر بنانے کے لیے فرماتے ہیں ''آپ گھروں کی تعمیرِ نو کی کوشش کریں- اپنے گھروں کو جنت نشان بنائیں اپنے تعلقات میں انکسار اور محبت پیدا کریں- ہر اس بات سے احتراز کریں جس کے نتیجے میں رشتے ٹوٹتے ہوں، اور نفرتیں پیدا ہوتی ہوں- آج دنیا کو سب سے زیادہ گھر کی ضرورت ہے اس کو یاد رکھیں اور یہ گھر احمدیوں نے دنیا کو مہیا نہ کیا تو دنیا کا کوئی معاشرہ بنی نوع انسان کو گھر مہیا نہیں کرسکتا اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے آمین-''

(بحوالہ حوا کی بیٹیاں اور جنت نظیر معاشرہ، صفحہ ۶۱، لندن ۲۸، جولائی ۱۹۹۰ء)

دعاؤں کے ساتھ ابھی اس کتاب کے مسودے پر کام کرتے ہوئے ایک ماہ ہی

گزرا تھا کہ صاحبزادی فوزیہ شمیم صاحب نے مجھے ٹیلیفون پر صادقہ فضل صاحبہ کا خواب سنایا کہ میں (یعنی بی بی فوزیہ) حضرت سیدہ اماں جان حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اور اپنی امی حضرت سیدہ امتہ الحفیظ بیگم صاحب کی تصاویر کو صاف کر رہی ہوں (یہ خواب آگے درج کیا جا رہا ہے) میں نے انہیں جواب دیا بی بی آپ نے یہ کام شروع تو کر دیا ہے انشاء اللہ حضرت سیدہ بیگم صاحبہ کی سیرۃ ان کے تصور اور تصویر کو نمایاں کرنے کا باعث بنے گی- فرمانے لگیں حضرت اماں جان اور امی جان پر بھی آپ نئے سرے سے لکھیں-

اس کتاب کے بارے میں میری یہ دعا بھی ہوتی ہے مولیٰ کریم میری اس کوشش کو قبول فرمانا اور اس کتاب کو قبولیت عامہ بھی عطا کرنا- سوشکر ہے صاحبزادی کو اس بارے میں بھی خوشخبری مل گئی آپ نے ۱۲ ستمبر کو مجھے فون کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے ''میں اپنی بیٹی سمیرا کے گھر ہوں- اس کے گھر دوکاروں میں ''خواتین مبارکہ'' تشریف لاتی ہیں سب بہت خوش خوش ہیں اور حضرت بڑی امی جان بھی خوش وخرم، تندرست وتوانا عمدہ لباس اور پوشاک میں ہیں میں ان سے کہتی ہوں کہ میں آپ پر کتاب لکھ رہی ہوں تو آپ نے خوش ہوکر میرا منہ چوم لیا-'' (یہ خواب پیش لفظ میں ہے) میں نے کہا الحمدللہ یہ خوشخبری ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے آمین-

میں ان سب کی دلی ممنون ومشکور ہوں جنہوں نے اس کتاب کے سلسلے میں مجھ سے کسی قسم کا بھی تعاون کیا- خاص کر اپنے شوہر محمد سعید احمد صاحب کی جن کا بھرپور تعاون مجھے ہمیشہ ہی حاصل رہا جو اپنے وسیع علم اور ذہن رسا سے خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک انسائیکلوپیڈیا ہیں- اہم حوالہ جات اور معلومات مجھے دیتے رہے-

قارئین میرے لئے دعا کریں خدا تعالیٰ میری صلاحیتوں کو مزید جلا دیتے ہوئے مجھے حضرت سیدہ اماں جان اور تمام خواتین مبارکہ کی سیرۃ مرتب کرنے کی احسن توفیق دے آمین- اور مجھے ہر نوع کی اعلیٰ خدمات دینیہ بجا لانے کی مقبول توفیق دے

میرا انجام بخیر کرے، راضیۃ مرضیّہ اپنے پاس بلائے آمین۔

سیدہ نسیم سعید

۱۵-۹-۹۹

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں میں نے یہ مسودہ ستمبر ۱۹۹۹ء کے آخر میں بھیجا حضور نے دعا کرتے ہوئے تحریر فرمایا ''جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء اللہ تعالیٰ آپ کی علمی ادبی خدمات کو قبول فرمائے اور اپنے فضلوں سے نوازے۔''

۲۹-۱۰-۹۹

ضروری نوٹ: میں مکرم ومحترم سید عبدالحی صاحب ناظر اشاعت

مکرم مولانا دوست محمد شاہد صاحب مؤرخ احمدیت

مکرم حافظ مظفر احمد صاحب ایڈیشنل ناظر اصلاح و ارشاد کی دلی مشکور ہوں جنہوں نے اپنی نہایت درجہ مصروفیات کے باوجود کتاب کا مسودہ لفظاً لفظاً پڑھا اور ضروری ترامیم و اصلاح کیں اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ ان کے تبصرے شامل اشاعت کئے جا رہے ہیں۔

سیدہ نسیم سعید

۱۰-۵-۲۰۰۰

# عرضِ حال طبعِ ثانی

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا فضل وکرم اور احسان ہے کہ اس کتاب کو اس نے ہماری دعاؤں اور توقعات سے بڑھ کر قبولیت عطا فرمائی الحمدللہ- خواتین، خاندانِ مسیح موعود نے تو خصوصی طور پر پسندیدگی کا اظہار کیا کیونکہ وہ سب تو حضرت بیگم صاحبہ کو بہت قریب سے جانتی تھیں انہوں نے فرمایا اس کتاب نے ان کی صحیح تصویر کشی کی بعض نے کہا کتنی ہی باتیں ہمارے لئے بھی نئی تھیں- نوجوان نسل نے کہا یہ کتاب پڑھ کر محسوس ہوا کہ ہماری ملاقات بھی بیگم صاحبہ سے ہوگئی ہے- بڑی عمر کی خواتین کی یادیں تازہ ہو گئیں- گھر کی خواتین اورلڑکیوں کی تربیت کے لئے سب ہی خود بخود یہ کتاب دوسروں کوتحفتً دینے لگے اور بیرونِ ملک بھیجنے لگے چنانچہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے چند ماہ میں ایک ہزار کتاب ختم ہوگئی الحمدللہ-

کتاب کے اس سرعت سے ختم ہونے اور مزید کی طلب کی بڑی وجہ دراصل خود حضرت مسیح موعود کی حد درجہ دعائیں ہیں جنہوں نے حضرت سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی ذاتِ بابرکت کو مبارک بنا دیاہے- آپ کا نام ''مبارکہ'' آپ کا درجہ و مقام مبارک، یہ آپ کی عظمت کی دلیل ہے کہ دلوں میں اس کتاب کے لئے طلب بڑھی اور خدا تعالیٰ نے دوسرے ایڈیشن کے لئے ایک اور بابرکت خاتونِ مبارکہ کی تحریر سے مزید معلومات عنایت فرما دیں- ذالک فضل اللہ-

حضرت سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ (چھوٹی آپا) حضرت سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ پر کتاب لکھ رہی تھیں جو نامکمل رہ گئی- یہ نامکمل مسودہ آپ کی صاحبزادی امتہ المتین صاحبہ بیگم میر محمود احمد صاحب ناصر نے کاغذات میں سے

تلاش کر کے ۱۳ جنوری ۲۰۰۱ء کو عاجزہ کو دیا یہ مسودہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ میری کتاب کی فہرست مضامین تقریباً حضرت سیدہ کی فہرست مضامین کے مطابق ہے۔ اگرچہ مسودہ نامکمل رہ گیا۔ اس مسودے کا اکثر طبع شدہ مواد تو پہلے ہی کتاب میں آ چکا تھا۔ حضرت چھوٹی آپا صاحبہ کے مسودے میں سے نیا مواد اب دوسرے ایڈیشن میں شامل کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں خواتین مبارکہ پر اپنی بیشمار رحمتیں برکتیں نازل فرمائے۔ جنت الفردوس میں اعلیٰ ترین مقامات اپنے پیاروں کے پاس عطا فرمائے آمین۔ علاوہ ازیں آپ کی مزید بھتیجی بھانجیوں کے مضامین بھی شامل کئے جا رہے ہیں۔

سیدہ نسیم سعید

۲۳-۱-۲۰۰۱

# چند آراء

مکرم سید عبدالحی صاحب ناظر اشاعت تحریر فرماتے ہیں

پروفیسر سیدہ نسیم سعید صاحبہ نے حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی سیرۃ و سوانح پر ماشااللہء بہت محنت سے مجموعہ مرتب کیا ہے۔

۲۶-۱-۲۰۰۰

مکرم دوست محمد شاہد صاحب مورخ احمدیت تحریر فرماتے ہیں۔

ماشااللہء نہایت درجہ محنت و کاوش کے ساتھ سیرۃ و سوانح حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا مسودہ مرتب ہوا ہے۔ خاکسار بہت محظوظ ہوا۔ ترتیب بھی نہایت عمدہ ہے اور معلومات بھی جامع ہیں۔

۲۴-۱۱-۱۹۹۹

مکرم حافظ مظفر احمد صاحب ایڈیشنل ناظر اصلاح و ارشاد تحریر فرماتے ہیں۔

آپ کا مقالہ سیرت و سوانح حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ بالاستیعاب دیکھنے کا موقع ملا۔ ماشاء اللہ بہت عمدہ مفید اور قیمتی مواد اس میں اکھٹا ہو گیا ہے جو آئندہ نہ صرف تاریخی لحاظ سے عمدہ ریکارڈ متصور ہو گا بلکہ سیرت کے مضمون پر ایک اہم دستاویز ہو گی جس سے تربیتی لحاظ سے بہت استفادہ ہو سکے گا۔ خواتین کے لئے ایسی کتاب کی حیثیت زیور یا گہنے کی سی ہے۔ اللہ آپ کو جزا دے۔

۲-۲-۲۰۰۰

# کتاب کے بارے میں ایک خواب

صادقہ فضل تحریر کرتی ہیں۔

مئی ۱۹۹۹ء کے شروع میں ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ میں عزیزہ صاحبزادی فوزیہ شمیم صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ لاہور کے ہاں گئی ہوں گھر کے اندر داخل ہوئی تو آپ کے بارے میں دریافت کرنے پر کہ آپ اس وقت کہاں ہیں معلوم ہوا کہ اندر کمرے میں کام میں مصروف ہیں اس پر معاً میرے دل میں خیال آیا کہ آپ دراصل اس وقت حضرت اماں جان نصرت جہاں بیگم صاحبہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اور حضرت نواب امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کے فوٹو (تصاویر) Renew کر رہی ہیں ساتھ ہی ذہن میں آتا ہے کہ بلیک اینڈ وائٹ کلر میں تیار کر رہی ہیں اور اس کا آج کل دوبارہ رواج بھی ہو رہا ہے اس خواب کا ذکر اگلے ہی روز میں نے محترمہ صاحبزادی صاحبہ سے فون پر کیا (واللہ اعلم بالصواب) اس وقت طبیعت پر اس خواب کا نہائیت خوشکن اثر غالب رہا۔

فقط صادقہ فضل

۲۸-۹-۹۹

نوٹ: صادقہ فضل صاحبہ کو تفہیم ہوئی۔ کہ تصاویر بلیک اینڈ وائٹ کر رہی ہیں' جبکہ انگریزی میں بلیک اینڈ وائٹ کا فقرہ کسی چیز کو تحریر میں لانے کیلئے بولا جاتا ہے۔ صادقہ فضل صاحبہ کو خواب سے پہلے علم نہیں تھا کہ نسیم سعید صاحبزادی فوزیہ شمیم صاحبہ کے ارشاد پر حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی سیرۃ وسوانح لکھ رہی ہیں۔

# پیش لفظ

مدتوں سے اک آرزو سینے میں پل رہی تھی کہ حضرت بڑی امی حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے حالات زندگی اور سیرت پر ایک کتاب لکھی جائے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز سے بھی دخت کرام کی اشاعت کے بعد ایک خط میں، میں نے اس خواہش کا اظہار کیا۔ اس خط کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود ہی سامان پیدا کر دیئے اور بیگم نسیم سعید کا نام اس کام کے لئے ذہن میں ابھرا۔ ان کا تعلق ایک علمی ادبی اور تحقیقی خاندان سے ہے۔ آپ کی زندگی کا اکثر حصہ درس و تدریس۔ تصنیف و تالیف میں گزرا ہے۔ تحریر و تقریر میں آپ کے اندازِ بیان کے اپنے پرائے سب معترف ہیں۔ لجنہ لاہور لمبے عرصے سے سیرت کے جلسوں پر آپ کی تقاریر سے فیض یاب ہو رہی ہے۔ تصنیف میں بھی متعدد مضامین اور کتب لکھنے کی آپ کو توفیق ملی جو بہت مقبول ہوئیں۔ حضور کے بقول ’’جب آپ بیان پر آتی ہیں تو فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیتی ہیں اور جب بولتی ہیں تو اسی طرح فصاحت کی موجیں اپنا جوش دکھاتی ہیں۔‘‘ چنانچہ آپ کی صلاحیتوں کو پہچانتے ہوئے حضرت چھوٹی آپا کی نظر انتخاب لجنہ

اماء اللہ مرکزیہ کے جشن پچاس سالہ اور جماعت کے جشن صد سالہ پر خاص مجلوں کی تیاری کیلئے بھی ان پر ہی پڑی- چنانچہ خدا تعالےٰ کے فضل سے یہ دنوں مجلّے تیار کرنے کی توفیق بیگم نسیم سعید کے حصے میں آئی-

میں بیگم نسیم سعید کی تہہ دل سے مشکور ہوں کہ انہوں نے اس گراں قدر شخصیت کے سوانح لکھنے پر فوری آمادگی کا اظہار کیا- چنانچہ ان کی محنت آج آپ کے سامنے ہے- نہ صرف یہ کہ جماعت کے لٹریچر میں جہاں بھی آپ کے متعلق مواد تھا وہ اکٹھا کیا بلکہ ہمارے گھر میں تمام بزرگوں سے ذاتی طور پر مل کر انٹرویوز لئے باقاعدہ سوالات تیار کرکے ان کو دئے اور ماضی کے بند دریچوں کو کھلوا کر تمام یادیں باہر نکلوائیں- حضرت بڑی امی پر آئندہ بھی بہت کچھ لکھا جائے گا لیکن میں وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ ہر آنے والے مصنف کے لئے یہ سوانح ایک انسائیکلوپیڈیا کا کام دیگی-

اس کتاب کے لکھنے کے دوران ہماری کئی بار فون پر گفتگو رہی بیگم نسیم سعید کے لئے اثنائے گفتگو ایک اشارہ بھی کافی ہوتا تھا- یہ فوراً بات کی تہہ تک پہنچ جاتی تھیں- حضرت اماں جان سے قرابت داری کی وجہ سے بھی وہ ہمارے تمدن کو خوب سمجھتی ہیں- ہمارے گھر کا ماحول ان کا شناسا ہے- ان کی نکتہ رس طبیعت نے بڑی امی کے فطرتی حسن کو پہچان کر ان کی سیرت کے خاص پہلو اور نقوش ابھارے ہیں- اس کتاب کو پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے گویا کیمرہ نے ماضی کے نظارے سامنے رکھ دیئے- وہی مبارک صحبتیں- دلربا مجالس پاکیزہ نصائح پھر تازہ ہوگئیں- ان کے مطالعہ اور گہری تحقیق نے بڑی امی کے بارے میں تمام معلومات یکجا کر دیں- بیگم نسیم سعید کو اللہ تعالےٰ جزا دے- ان کی یہ خدمت رہتی دنیا تک یاد رہے گی انہوں نے جاتے وقت کو تھام لیا- ایسی بزرگ ہستیوں سے بڑی امی کے لئے انٹرویوز لیے جو ان کے بہت قریب تھیں-

اس کتاب کو پڑھ کر انشا اللہ بہت سے گھرانے فائدہ اٹھائیں گے- جو کہ معمولی رنجشوں سے گھر کا سکون برباد کر لیتے ہیں- حضرت بڑی امی نے کم عمری کے

باوجود جس طرح سوتیلے رشتوں سے نباہ کیا۔ صرف نباہ نہیں بلکہ ان میں خوبصورت رنگ بھرے آنے والی نسلوں کو تعلقات کے نئے زاویے دئے اور محبت سے سرد مہری والے رشتوں کو بھی گرما دیا۔ ان کا یہ نمونہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے خدا کرے ہماری نئی پود اس کتاب سے کماحقہ فائدہ اٹھا سکے چھوٹی چھوٹی دلنشین گھریلو نصائح ہماری عائلی زندگی کے حسن کو بڑھانے کا باعث بنیں۔

حضرت بڑی امی کے مجھ پر خاص احسان ہیں اور آج ان کی سیرت کے کچھ پہلوؤں پر اپنے ذاتی تجربات بیان کرکے یوں محسوس ہو رہا ہے۔ گویا جانے والی اس عظیم ہستی کے ذکرِ خیر میں حصہ لیکر کچھ حقیر سی خدمت کا حق ادا کرنے کی سعادت میرے بھی حصہ میں آ گئی۔ خدا تعالیٰ قبول فرمائے۔ مجھے یقین ہے کہ بڑی امی کی روح بھی خوش ہے۔ کچھ دن ہوئے خواب میں دیکھا کہ میں اپنی بچی سمیرا کے گھر ہوں دو کاروں میں ہمارے گھر کے کچھ افراد آتے ہیں۔ پہلی کار ایک سپورٹس کار کی طرح ہے اس کو ہماری پھپھی آصفہ (بے بی) چلا رہی ہیں۔ اور دوسری کار میں حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ بڑی امی اور میری والدہ سیدہ امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ ہیں۔ آپ دونوں نہایت خوش اور صحت کی حالت میں ہیں۔ میں حضرت بڑی امی کو بتاتی ہوں کہ میں آج کل آپ کی سیرت پر لکھ رہی ہوں۔ حضرت بڑی امی کے چہرے پر یہ سن کر بہت بشاشت اور لاڈ کے جذبات طاری ہوتے ہیں اور آپ آگے بڑھ کر میرا منہ چوم لیتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں حصہ ڈالا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

فوزیہ شمیم

صدر لجنہ اماء اللہ لاہور

۲۱-۵-۲۰۰۰

صاحبزادی فوزیہ شمیم صاحبہ نے مسودے کو دوسری مرتبہ پڑھنے کے بعد ۲۰۰۰-۵-۲۳ کو ٹیلی فون پر باتیں کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا ''اپنے خواب پر غور کرتے ہوئے اس کی تعبیر میری سمجھ میں آئی کہ آپا نسیم، مسودے کی تیاری کیلئے آپ کی دعائیں خدا تعالیٰ نے سنیں کیونکہ میری بیٹی سمیرا کا نام امتہ السمیع سمیرا ہے- اور سپورٹس کار کی طرح کی کار ہماری پھپھی آصفہ مسعودہ (بے بی) چلا رہی ہیں- سپورٹس کار تیز رفتاری کی علامت ہے- اور آپا نسیم دعاؤں کی قبولیت کے نتیجے میں خدا تعالیٰ نے آپ کی شبانہ روز محنت میں برکت ڈالی اور لمبے تحقیقی کام کو آپ نے آٹھ ماہ میں مکمل کرنے کی توفیق پائی- دوسری کار میں میری امی اور بڑی امی ہیں اور وہ تمام خواتین جو دو کاروں میں آئیں ان کے نام ذہن سے نکل گئے- وہ سب ''خواتین مبارکہ'' ہیں جن کی سیرۃ پر آپ کام شروع کر چکی ہیں-''

کار آپا آصفہ مسعودہ چلا رہی ہیں یہ وہی خاتون ہیں جنہوں نے مجھے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ مواد اپنی امی جان پر دیا-

سیدہ نسیم سعید
۲۵-۵-۲۰۰۰

# کچھ رشتوں کا تعارف

خاندان مسیح موعود کی جن خواتین کی روایات اس کتاب میں شامل ہیں ان کا تعارف نئی نسل کیلئے دیا جا رہا ہے۔

| نام | بنت | زوجہ |
|---|---|---|
| حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم، حضرت اماں جان | حضرت میر ناصر نواب صاحب | حضرت مسیح موعود |
| حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ | حضرت مسیح موعود اور حضرت اماں جان | حضرت نواب محمد علی خاں صاحب |
| حضرت سیدہ امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ | // | حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحب ابن نواب محمد علی خاں صاحب |
| حضرت سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ | حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب ابن حضرت میر ناصر نواب صاحب | حضرت مصلح موعود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی |
| حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ | حضرت نواب محمد علی خاں صاحب اور حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ | حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب، خلیفۃ المسیح الثالث ابن حضرت مصلح موعود اور ام ناصر صاحبہ |

| نام | بنت | زوجہ |
|---|---|---|
| صاحبزادی محمودہ بیگم صاحبہ | // | صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب ابن حضرت مصلح موعود اور ام ناصر صاحبہ |
| صاحبزادی آصفہ مسعودہ بیگم صاحبہ | // | صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب ابن حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب |
| صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ | حضرت مصلح موعود اور حضرت ام ناصر صاحبہ | صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب، ابن حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب |
| صاحبزادی امتہ العزیز بیگم صاحبہ | // | صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب ابن حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب |
| صاحبزادی امتہ الباسط بیگم صاحبہ | حضرت مصلح موعود اور حضرت ام طاہر صاحبہ | حضرت میر داؤد احمد صاحب ابن حضرت میر محمد اسحٰق احمد صاحب |
| صاحبزادی امتہ النصیر بیگم صاحبہ | حضرت مصلح موعود اور حضرت سارہ بیگم صاحبہ | پیر معین الدین صاحب |
| صاحبزادی امتہ المتین بیگم صاحبہ | حضرت مصلح موعود اور حضرت مریم صدیقہ صاحبہ | میر محمود احمد ناصر صاحب ابن حضرت میر محمد اسحٰق احمد صاحب |

| نام | بنت | زوجہ |
|---|---|---|
| صاحبزادی طاہرہ صدیقہ صاحبہ | حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب اور حضرت سیدہ امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ | صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب ابن حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب |
| صاحبزادی ذکیہ بیگم صاحبہ | // | صاحبزادہ مرزا داؤد احمد صاحب ابن حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب |
| صاحبزادی قدسیہ بیگم صاحبہ | // | صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب ابن صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب |
| صاحبزادی شاہدہ بیگم صاحبہ | // | صاحبزادہ مرزا نسیم احمد صاحب ابن صاحبزادہ مرزا رشید احمد صاحب ابن صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب ابن حضرت مسیح موعود |
| صاحبزادی فوزیہ شمیم صاحبہ | // | صاحبزادہ مرزا شمیم احمد صاحب ابن صاحبزادہ مرزا رشید احمد صاحب ابن صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب ابن حضرت مسیح موعود |
| سیدہ طیبہ صدیقہ صاحبہ | حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب | نواب مسعود احمد خاں صاحب، ابن نواب محمد علی خاں صاحب اور حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ |

| نام | بنت | زوجہ |
|---|---|---|
| بی بی امت الشکور صاحبہ (شکری) | حضرت خلیفہ المسیح الثالث اور حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ | ڈاکٹر مرزا لئیق احمد صاحب ابن مرزا حفیظ احمد صاحب ابن مصلح موعود |
| بی بی امۃ الحلیم صاحبہ | حضرت خلیفۃ المسیح الثالث اور حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ | صاحبزادہ مرزا مجیب احمد صاحب ابن حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب ابن حضرت مصلح موعود |
| بی بی امۃ الحسیب صاحبہ (حسبی) | صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب اور صاحبزادی طاہرہ صدیقہ صاحبہ | صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب، ابن حضرت خلیفۃ المسیح الثالث |
| بی بی زبدہ صاحبہ (زوبی) | صاحبزادہ مرزا مبشر احمد صاحب و آصفہ مسعودہ صاحبہ | سید ہمایوں ظفر صاحب ابن سید محمد احمد صاحب ابن حضرت میر محمد اسماعیل صاحب |
| بے بی ناصر صاحبہ | نواب مسعود احمد خاں صاحب اور طیبہ صدیقہ صاحبہ | ظہیر احمد خان صاحب |
| بی بی امۃ الرؤف صاحبہ | صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ابن حضرت مصلح موعود اور امۃ القدوس بیگم صاحبہ بنت حضرت میر محمد اسماعیل صاحب | سید ابراہیم منیب احمد صاحب ابن میر محمود احمد ناصر صاحب |

# کچھ سیرۃ وسوانح کے بارے میں

سب سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود سیرۃ وسوانح کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

''یہ بات ظاہر ہے کہ جب تک کسی شخص کے سوانح کا پورا نقشہ کھینچ کر نہ دکھلایا جائے تب تک چند سطریں جو اجمالی طور ہوں کچھ بھی فائدہ پبلک کو نہیں پہنچا سکتیں اور ان کے لکھنے سے کوئی نتیجہ معتد بہ پیدا نہیں ہوتا- سوانح نویسی سے اصل مطلب تو یہ ہے کہ تا اس زمانے کے لوگ یا آنے والی نسلیں ان لوگوں کے واقعات زندگی پر غور کر کے کچھ نمونہ ان کے اخلاق یا ہمت یا زہد وتقویٰ یا علم ومعرفت یا تائید دین یا ہمدردی نوع انسان یا کسی اور قسم کی قابل تعریف ترقی کا اپنے لیے حاصل کریں- اور کم سے کم یہ کہ قوم کے اولوالعزم لوگوں کے حالات معلوم کر کے اس شوکت اور شان کے قائل ہو جائیں جو اسلام کے عمائد میں ہمیشہ سے پائی جاتی رہی ہے اس کو حمایت قوم میں مخالفین کے سامنے پیش کر سکیں اور یا یہ کہ ان لوگوں کے مرتبت یا صدق اور کذب کی نسبت کچھ رائے قائم کر سکیں اور ظاہر ہے کہ ایسے امور کے لئے کسی قدر مفصل واقعات کے جاننے کی ہر ایک کو ضرورت ہوتی ہے- اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک نامور انسان کے واقعات پڑھنے کے وقت نہایت شوق سے اس شخص کے سوانح کو پڑھنا شروع کرتا ہے اور دل میں جوش رکھتا ہے کہ اس کے کامل حالات پر اطلاع پا کر اس سے کچھ فائدہ اٹھائے- تب اگر ایسا اتفاق ہو کہ سوانح نویس نے نہایت اجمال پر کفایت کی ہو اور لائف کے نقشہ کو صفائی سے نہ دکھلایا ہو تو یہ شخص نہایت ملول خاطر اور منقبض ہو جاتا ہے اور بسا اوقات اپنے دل میں ایسے سوانح نویس پر اعتراض بھی کرتا

ہے اور درحقیقت وہ اس اعتراض کا حق بھی رکھتا ہے کیونکہ اس وقت نہایت اشتیاق کی وجہ سے اس کی مثال ایسی ہوتی ہے کہ جیسے ایک بھوکے کے آگے خوان نعمت رکھا جائے اور معاً ایک لقمہ اٹھانے کے ساتھ ہی اس خوان کو اٹھا لیا جائے۔ اس لئے ان بزرگوں کا یہ فرض ہے جو سوانح نویسی کیلئے قلم اٹھاویں کہ اپنی کتاب کو مفید عام اور ہر دل عزیز اور مقبول انام بنانے کیلئے نامور انسانوں کے سوانح کو صبر اور فراخ حوصلگی کے ساتھ اس قدر بسط سے لکھیں اور ان کی لائف کو ایسے طور سے مکمل کر کے دکھلاویں کہ اس کا پڑھنا ان کی ملاقات کا قائم مقام ہو جائے تا اگر ایسی خوش بیانی سے کسی کا وقت خوش ہو تو اس سوانح نویس کی دنیا اور آخرت کی بہبودی کے لئے دعا بھی کرے اور صفحات تاریخ پر نظر ڈالنے والے خوب جانتے ہیں کہ جن بزرگ محققوں نے نیک نیتی اور افادہ عام کے لئے قوم کے ممتاز شخصوں کے تذکرے لکھے ہیں انہوں نے ایسا ہی کیا ہے۔''

(روحانی خزائن جلد ۱۳ کتاب البریہ حاشیہ صفحہ ۱۵۹ تا ۱۶۲)

پس جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے فرمایا کہ ''سوانح نویس کو چاہیئے کہ سوانح کو صبر اور فراخ حوصلگی کے ساتھ اس قدر بسط سے لکھیں اور ان کی لائف کو ایسے طور پر مکمل کر کے دکھلاویں کہ اس کا پڑھنا ان کی ملاقات کا قائم مقام ہو جائے۔'' حضور کے ارشاد کی روشنی میں کوشش کی گئی ہے کہ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی سیرۃ کو پڑھنے کے بعد قاری کو محسوس ہو کہ گویا آپ سے ملاقات کر لی ہے اور اب ہم خوب واقف حال ہیں۔

# حضرت سیدہ کی پیدائش بموجب بشارت الٰہی

حضرت مسیح موعود نے اسلام کی ترقی کیلئے ہوشیار پور میں جنوری ۱۸۸۶ء کو چلہ کشی کی۔ رات دن حد درجہ گریہ و زاری سے اسلام کے عالمگیر غلبے اور اپنی صداقت کے نشان کیلئے دعائیں کیں۔ خدا تعالیٰ نے ان دعاؤں کو قبول کرتے ہوئے ایک پرشوکت پیشگوئی کی جس کو حضور نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو سبز اشتہار کے نام سے شائع کیا جس میں ایک عظیم فرزند کی پیشگوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے۔

''تیرا گھر برکتوں سے بھرے گا اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا اور خواتین مبارکہ میں سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا۔ تیری نسل بہت ہو گی۔''

(تذکرہ ۱۴۳)

اس الہام کی ایک مظہر حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ بھی تھیں۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ جو الہام الٰہی میں 'میری خدیجہ' کہلائیں کی صاحبزادی اور آپ کی ساتویں اولاد تھیں۔

آپ ۲ مارچ ۱۸۹۷ء قمری لحاظ سے رمضان المبارک کی ستائیسویں شب منگل سے پہلی رات کے نصف اول میں پیدا ہوئیں آپ فرماتی ہیں کہ'' حضرت اماں جان نے کئی بار مجھے بتایا کہ حضرت مسیح موعود فرماتے تھے رات بھر میں نے بہت دعائیں کی تھیں۔ بوندیں پڑنے لگیں تو میں نے خیال کیا کہ لیلۃ القدر کی خاص قبولیت دعا کا وقت ہے اور بہت دعا کی۔''

(تقریر ذکر حبیب مصباح دسمبر ۱۹۷۲ صفحہ ۱۷)

آپ کی پیدائش سے پہلے حساب کی کوئی غلطی ہو گئی چنانچہ حضرت مسیح موعود تحریر فرماتے ہیں ''جب میری لڑکی مبارکہ والدہ کے پیٹ میں تھی تو حساب کی غلطی سے سے فکر دامنگیر ہوا اور اس کا غم حد سے بڑھ گیا کہ شاید کوئی اور مرض ہو- تب میں نے جناب الٰہی میں دعا کی تو (بشارت ہوئی) کہ ''آید آں روزے کہ مستخلص شوذ''- اور مجھے تفہیم ہوئی کہ لڑکی پیدا ہو گی- چنانچہ اس کے مطابق ۲۷ رمضان ۱۳۱۴ھ لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام مبارکہ رکھا گیا-''

(نزول مسیح صفحہ ۲۰۲)

علاوہ ازیں آپ کے بارے میں حضرت مسیح موعود کو کئی (بشارتیں) ہوئیں جو درج ذیل ہیں- اس کو نشان قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں ''سینتیسواں نشان یہ ہے کہ بعد اس کے حمل کے ایام میں ایک لڑکی کی بشارت دی اور اس کی نسبت فرمایا تننشاء فی الحلیۃ یعنی زیور میں نشو ونما پائے گی- نہ خورد سالی میں فوت ہو گی اور نہ تنگی دیکھے گی- چنانچہ بعد اس کے لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام مبارکہ بیگم رکھا گیا-اس کی پیدائش سے جب سات روز گزرے تو عین عقیقہ کے دن یہ خبر آئی کہ پنڈت لیکھرام پیشگوئی کے مطابق کسی کے ہاتھ سے مارا گیا تب ایک ہی وقت میں دو نشان پورے ہوئے-''

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۱۷)

پھر ۱۹۰۱ میں آپ کو اس دختر نیک اختر کے بارے میں الہام ہوا کہ ''نواب مبارکہ بیگم-''

(الحکم جلد ۵ نمبر ۴۴ صفحہ ۳ -۳۰ نومبر ۱۹۰۱ء)

حضرت سیدہ مریم صدیقہ چھوٹی آپا صاحبہ فرماتی ہیں کہ

''حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے عاجزہ سے ذکر فرمایا کہ

''پیر منظور محمد صاحب نے ایک دفعہ مجھے کہا کہ تمہارا نام نواب مبارکہ بیگم آسمان پر ستاروں سے لکھا ہوا دِکھایا گیا تھا- نہ معلوم پیر صاحب کا اپنا خواب ہو گا یا

حضرت مسیح موعود سے کسی کا خواب سنا ہو گا- واللہ اعلم- مگر انہوں نے یہ خاص طور پر مجھے بتایا تھا-''

حضور نے خواب میں دیکھا کہ ''مبارکہ پنجابی میں بول رہی ہے کہ ''مینوں کوئی نہیں کہہ سکدا کہ ایسی آئی جس نے ایہہ مصیبت پائی-''

(الحکم ۱۰ جون ۱۹۰۳ صفحہ ۲)

یعنی آپ کا وجود نہایت خیر و برکت کا موجب ہو گا-

اسی طرح حضرت مسیح موعود ان کے بارے میں فرماتے ہیں ؎

ہوا اک خواب میں مجھ پر یہ اظہر
کہ اس کو بھی ملے گا بخت برتر
لقب عزت کا پاوے وہ مقرر
یہی روز ازل سے ہے مقدر
خدا نے چار لڑکے اور یہ دختر
عطا کی پس یہ احساں ہے سراسر

المختصر آپ حضرت مسیح موعود کی مبشر اولاد تھیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ حضور کو پہلے سے سب کچھ بتا رہا تھا کہ وہ لمبی عمر پائیں گی- خوش بخت ہوں گی- زیورات میں پلیں بڑھیں گی نواب کے لقب سے موسوم ہونگی- دین کے ساتھ دنیا کی نعمتیں بھی فراخی سے انہیں ملیں گی-

# آپ کی تعلیم

آپ مبشر اولاد تھیں نہایت ذہین وفہیم تھوڑے ہی عرصہ میں ناظرہ قرآن کریم روانی سے پڑھنے لگیں چنانچہ حضرت مسیح موعود نظم ''محمود کی آمین'' میں فرماتے ہیں۔

اور ان کے ساتھ کی ہے ایک دختر
ہے کچھ کم پانچ کی وہ نیک اختر
کلام اللہ کو پڑھتی ہے فرفر
خدا کا فضل اور رحمت سراسر

آپ اپنی تعلیم کے بارے میں تحریر کرتی ہیں۔

میں نے کسی اسکول میں تعلیم نہیں پائی نہ کوئی ڈگری ہے۔ پیر منظور محمد صاحب کی اہلیہ محترمہ محمدی بیگم صاحبہ مرحومہ نے حضرت اماں جان سے ذکر کیا کہ پیر جی کہتے ہیں ایک نئے طریق سے صالحہ کو پڑھانا شروع کروں گا (صالحہ بیگم جن کی شادی میرے چھوٹے ماموں حضرت میر محمد اسحٰق صاحب سے ہوئی) حضرت اماں جان نے فرمایا کہ کہہ دو مبارکہ کو بھی پڑھا دیا کریں۔ میری عمر بمشکل شاید تین سال کی ہو گی کہ محمدی بیگم صاحبہ نے آ کر حضرت اماں جان سے کہا کہ اب وہ پڑھانا شروع کر دینا چاہتے ہیں۔ حضرت اماں جان مجھے وہاں لے گئیں اور یہ سلسلہ شروع ہوا۔ لکڑی کے بلاک تھے ان پر الف ، ب وغیرہ لکھی ہوئی تھی اس طرح انگلش سکولوں کی نرسری کے طریق پر انہوں نے پڑھانا شروع کیا مختلف ورقوں پر پھیکے حروف سے لکھتے۔ اس پر لکھواتے بھی اور پڑھاتے بھی اسی مجموعہ سے پھر یسرنا القرآن چھاپا گیا۔

غرض میں نے ساڑھے چار سال کی عمر میں قرآن شریف ختم بھی کیا اور دہرا

بھی لیا تھا- چھوٹے بھائی صاحب حضرت مرزا شریف احمد جو سکول یا کسی استاد سے پڑھتے تھے ان کا ابھی ختم نہیں ہوا تھا اس لئے آمین چند ماہ دیر سے ہوئی- اردو حضرت پیر منظور صاحب نے ساتھ ہی پڑھائی تھی- پھر یہی حساب وغیرہ بھی سکھاتے مگر مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہ ہوئی- فارسی کی بھی ایک دو کتابیں پڑھائی تھیں اور ایک دو انگریزی کا قاعدہ اور کتاب-

میں نے ایک دن خود ہی کہا کہ مجھے شعر کہنا بھی سکھا دیں انہوں نے کہا جو اس کے وزن مجھے یاد ہیں وہ بتا دیتا ہوں ایک وزن انہوں نے بتایا- فاعلات، فاعلات، فاعلات میں نے جلدی سے مصرعہ کہہ دیا'' ایک لڑکی جس کا زینب نام تھا-'' بہت خوش ہوئے-

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے بھی بہت توجہ سے پڑھایا اور جب وہ بیمار ہوئے تو ان سے پڑھنا مجبوراً چھٹا- ان کی علالت نے سب گھر کو اور خود حضرت مسیح موعود کو سخت پریشان کر رکھا تھا- سخت کرب میں یہ وقت گزرا- ان سے میں صرف تین سیپارے اور چند ورق چوتھے سیپارے کے پڑھ سکی- ان کی وفات کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کے پاس بھیجا کہ وہ قرآن شریف کا ترجمہ پڑھائیں وہ بھی ہم سے بہت پیار کرنے والے تھے- بہت پیار اور توجہ سے پڑھاتے لفظ لفظ کا ترجمہ وغیرہ سمجھاتے- تجرید بخاری وغیرہ اور چھوٹے مجموعے احادیث کے میں نے خود ہی شروع کر دیئے- جو لفظ خاص سمجھ میں نہ آتے وہ حضرت بڑے بھائی صاحب (خلیفۃ المسیح الثانی) یا حضرت منجھلے بھائی صاحب (حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب) سے پوچھ لیا کرتی تھی- پیر صاحب سے پڑھائی کا سلسلہ بھی جاری تھا- مگر جب ان کی اہلیہ مرحومہ بیمار ہوئیں تو حضرت مسیح موعود نے کہا اب ادھر نہ جانا- ادھر وہ دار البرکات میں اس وقت تھے- صحن قریب ہے- صحن میں صالحہ سے مل لیا کرو- کمروں میں بیمار ہے وہاں نہ جانا- اب اردو تمہاری اچھی ہوگئی ہے- فارسی میں خود پڑھا دیا کروں گا- غرض یہ شرف

بھی مجھے حاصل ہے کہ چند روز خود حضرت مسیح موعود نے مجھے فارسی پڑھائی گلستان (سعدی) پھر آپ نے فرمایا ایک دن، کہ مجھے کام بہت ہوتا ہے- میں نہیں چاہتا کہ تمہاری تعلیم میں ناغہ ہو-مولوی صاحب (یعنی حضرت خلیفہ اول) سے کہو فارسی بھی پڑھا دیا کریں- میں نے حکم جا کر سنا دیا اور کتابیں لے گئی گلستان اور بوستان- کہنے لگے حکم ہے ضرور پڑھاؤں گا- مگر میرا دل تو صرف قرآن شریف پڑھانے میں خوش رہتا ہے-

میں آپ سے (حضرت خلیفہ اوّل) سے برابر لاہور کے سفر (لاہور کے آخری قیام) تک پڑھتی رہی- پھر بعد وصال حضرت مسیح موعود، ہاں بعد خلافت بھی (حضرت خلیفہ اول) برابر پڑھاتے رہے- مجھے کہتے تھے (حضرت خلیفہ اوّل) ہمیشہ کہ یہ خاص سلسلہ درس قرآن کا تمہاری وجہ سے شروع ہوا- اس کا ثواب تم کو (یعنی سلسلہ درس خواتین) ہمیشہ ملتا رہے گا- پھر اور بھی چند لڑکیاں خود میری بھاوجیں بھی دونوں شریک درس ہو گئی تھیں- شادی کے بعد جب بھی میں قادیان ہوتی تو ضرور جا کر درس قرآن میں شریک ہوتی اور حضرت اماں جان بھی درس میں تشریف لے جاتی تھیں-

اب عربی کی سنیئے میں نے چھوٹے بھائی حضرت مرزا شریف احمد صاحب سے کہا مجھے عربی پڑھا دیا کریں مجھے علم تھا کہ ان کو عربی بہت اچھی آتی ہے اور طریق تعلیم بھی اچھا ہے وہ پڑھاتے رہے- صرف ونحو وغیرہ سب سکھایا- حتی کہ میں خوب عربی کی کتاب پڑھنے لگی- جب حضرت خلیفہ ثانی نے ایک لڑکیوں کا اسکول گھر میں کھولا اور بیبیاں علم دین- عربی- قرآن شریف وغیرہ پڑھنے لگیں تو مجھے حضرت بڑے بھائی خلیفہ ثانی نے ایک دن کہا کہ تم کیوں نہیں شامل ہوجاتیں- روز صبح گاڑی میں آجایا کرو اور صرف عربی پڑھ جایا کرو- میں نے کہا میں چھوٹے بھائی سے عربی پڑھتی رہی ہوں وہ اب بھی پڑھا دیتے ہیں- کہنے لگے اچھا امتحان لوں؟ میں نے کہا لے لیں- بغیر اعراب کے دو کتب عربی ناول تھے وہ مجھے دیئے کہ پڑھو- میں نے پڑھے بھی اور ترجمہ بھی ساتھ ساتھ بتا دیا- تو بہت خوش ہوئے اور حضرت چھوٹے بھائی کی بہت تعریف کی کہ

واقعی عربی میں انہوں نے کمال حاصل کیا ہے۔

اب انگریزی کی سن لیں۔ بیٹھے بٹھائے شوق اٹھا کہ انگریزی بھی سیکھ لوں۔ ایک استاد تھے بچوں کے، پہلے ان سے پڑھا---- پھر ماسٹر محمد حسن تاج جو (صحیح نام یاد نہیں آ رہا) بزرگ آدمی تھے کالے پانی والے مشہور تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن صاحب مہر سنگھ یہ ان کے داماد تھے۔ انگریزی میں بہت ماہر تھے انگریزوں کو اردو پڑھانے کا کام کرتے تھے۔ ان کو بھی بچوں کے لئے بلوایا گیا تھا۔ میں نے ان سے پڑھنا شروع کیا اور بہت جلد ترقی کی ہر زبان کے محاورے ملتے ہیں اکثر آپس میں۔ جب وہ کوئی مثال یا محاورہ انگریزی کا بتاتے میں ان کو اردو میں اس کے مقابل کا بتا دیتی۔ بہت کچھ کاپیوں پر لکھا ہوا تھا مگر سب قادیان اور مالیر کوٹلہ رہ گئیں۔ میں نے بہت اچھے مصنفوں کی مشہور کتابیں پڑھیں انگریزی پر کافی عبور ہو گیا تھا ہر کتاب پڑھ لیتی تھی مگر اب نہیں پڑھا جاتا۔ نظر پر زور پڑتا ہے تو گھبرا جاتی ہوں۔ غرض جو پڑھا، حاصل کیا، وہ نام نہاد ہی رہا۔ اب تو سب کچھ بھول جاتی ہوں۔ ایک شعر اپنا بہت بچپن کا یاد رہ گیا ہے۔ چار پانچ اشعار تھے کاپی میں لکھے۔ شرم کے مارے حضرت مسیح موعود کو بھی نہ دکھائے۔ کہ بھائی چھیڑیں گے وہ پہلا شعر ارسال ہے مدح حضرت مسیح موعود میں یہ اشعار کہے تھے۔

آج ایسا ہمیں سردار مبارک ہووے
خادم احمد مختار مبارک ہووے

ایسے ہی چار، پانچ اور تھے۔ ایک کاپی پرانی جس پر حضرت مسیح موعود کے ہاتھ کی تحریریں چھوٹی چھوٹی یاد داشتیں وغیرہ تھیں وہ لکھتے تھے وہ میں نے لے لی تھی۔ افسوس کہ قادیان میں رہ گئی۔

والسلام مبارکہ

(ضروری): میں نے باوجود پیر صاحب کی تاکید کے خوشنویسی پر کبھی توجہ نہ کی۔ مگر اتنا خراب بھی خط نہ تھا۔ اب جب ہاتھ کی ہڈی شکستہ ہوئی تھی تو اور خراب ہو گیا۔ اب تو

اور بھی ہاتھ کانپنے لگے ہیں خدا کرے آپ پڑھ سکیں۔ والسلام مبارکہ

(تاریخ لجنہ جلد چہارم صفحہ ۲۸۹ تا ۲۹۲)

حضرت سیدہ چھوٹی آپا صاحبہ تحریر فرماتی ہیں۔

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے سینا پرونا کچھ حضرت اماں جان سے ہی برائے نام سیکھا اور کچھ صالحہ بیگم صاحبہ سے (حضرت سیدہ ام داؤد احمد)

نواب مبارکہ بیگم فرماتی ہیں کہ ایڈیٹر البدر بابو محمد افضل صاحب کی اہلیہ کو حضرت اماں جان نے کہا کہ مبارکہ کو بُننا سکھا دو۔ چنانچہ ان سے کچھ بُننا سیکھا تھا۔

آپ فرماتی ہیں۔

''کہ میرا صرف پڑھنے میں دل لگتا تھا۔ سینے پرونے کے کام سے گھبراتی تھی۔''

کھانا پکانا اپنے گھر میں پکتے ہوئے دیکھ کر سیکھ لیا۔ آپ ایک واقعہ سناتی ہیں کہ اخبار تہذیب نسواں کی طرف سے ایک کتاب کھانا پکانے کی چھپی۔ ان دنوں اس میں سے ترکیب دیکھ کر ایک دن آلو کی کھیر پکائی پر دیگچی ایلومینیم کی تھی کالی ہو گئی۔ بھائی دیر تک چھیڑتے رہے کہ کالی کھیر پکائی ہے۔''

جب آپ نے تقریباً ساڑھے چار سال کی عمر میں قرآن مجید ختم کیا تو حضرت مسیح موعود نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی آمین کی تقریب منعقد فرمائی۔ یہ مبارک تقریب ۳۰ نومبر ۱۹۰۱ء کو منعقد ہوئی تھی۔ جس میں حضور نے بطور شکر ایک پرتکلف دعوت دی اور مساکین اور یتامیٰ کو کھانا کھلایا اور اس موقعہ کے لئے ایک نظم کہی جس میں حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے متعلق اشعار بھی کہے۔

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے چھوٹی آپا صاحبہ سے فرمایا کہ

''اپنی آمین مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ میں نے گوٹے والے کپڑے پہنے ہوئے

تھے۔ میرے ایک طرف منجھلے بھائی (حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب) اور دوسری طرف چھوٹے بھائی (حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب) بیٹھے تھے۔ سامنے آلتی پالتی مار کر میاں عبدالرحمٰن خان بھی آ کر بیٹھ گئے۔ آپ نے بیان فرمایا جب میری شادی ہو گئی تو میاں (حضرت نواب محمد علی خاں صاحب) مذاقاً کہا کرتے تھے۔تمہارا پہلا تعارف میاں عبدالرحمٰن خاں صاحب نے کروایا تھا۔

حضرت مسیح موعود کے سب بچے خدا تعالیٰ کے زندہ نشانات میں سے تھے۔ اس لئے آپ نے ان کی آمین کی تقریب، رسم کے طور پر نہیں بلکہ دنیا کے سامنے ان وجودوں کو بطورِ نشان پیش کرنے کے لیے کی۔

اس تقریب آمین پر حضرت نواب محمد علی خاں صاحب نے ایک سوال کیا کہ حضور یہ آمین کوئی رسم ہے یا کیا ہے؟ چنانچہ حضرت مسیح موعود نے ایک تقریر فرمائی۔

''میں ہمیشہ اسی فکر میں رہتا ہوں اور سوچتا رہتا ہوں کہ کوئی راہ ایسی نکلے جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا اظہار ہو۔ اور لوگوں کو اس پر ایمان پیدا ہو ایسا ایمان جو گناہ سے بچاتا ہے اور نیکیوں کے قریب کرتا ہے۔ میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے مجھ پر لا انتہا فضل اور انعام ہیں ان کی تحدیث مجھ پر فرض ہے پس میں جب کوئی کام کرتا ہوں تو میری غرض اور نیت اللہ تعالیٰ کے جلال کا اظہار ہوتی ہے۔ ایسا ہی اس آمین کی تقریب پر بھی ہوا۔ یہ لڑکے چونکہ اللہ تعالی کا نشان ہیں اور ہر ایک ان میں سے خدا تعالیٰ کی پیشگوئیوں کا زندہ نمونہ ہیں۔ اس لیے میں اللہ تعالیٰ کے ان نشانوں کی قدر کرنی فرض سمجھتا ہوں۔ کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور قرآن کریم کی حقانیت اور خود اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت ہیں۔ اس وقت جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو پڑھ لیا تو مجھے کہا گیا اس تقریب پر چند دعائیہ شعر جن میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا شکریہ ہو لکھ دوں۔ میں نے ابھی کہا ہے اصلاح کی فکر میں رہتا ہوں میں نے اس تقریب کو بہت ہی مبارک سمجھا اور میں نے مناسب جانا کہ اس طرح پر تبلیغ کروں۔

پس یہ میری نیت اور غرض تھی چنانچہ جب میں نے اس کو شروع کیا اور یہ مصرعہ لکھا ۔

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے

تو دوسرا مصرعہ الہام ہوا ۔

اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بھی میرے اس فعل سے راضی ہوا-''

(مسودہ صفحہ 28)

# حضرت مسیح موعود کے انداز تربیت

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نور اللہ مرقدھا کی سیرۃ آئینہ تھی اپنے عظیم المرتبت والد کا جو دنیا کی تربیت کرنے آئے تھے۔ اور عکس تھیں اپنی والدہ کا جو شرافت نجابت اور حسن تربیت میں ایک بلند مقام رکھنے والی اپنے عظیم شوہر کی تربیت یافتہ بیمثال بیوی تھیں۔ سچ تو یہ ہے کہ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی خوبیاں مرقع تھیں مختلف شخصیات کی خوبیوں کا گویا عظیم باپ کی عظیم بیٹی اور مثالی ماں کی مثالی دختر حضرت فضل عمر جیسا بھائی ---- جن کی نگاہ خوبیوں کو اجاگر کرنے والی تھی۔ نواب محمد علی خاں صاحب جیسا شوہر جن کو خدا تعالیٰ نے ''حجتہ اللہ'' کا الہامی خطاب دیا اور جنہوں نے آپ کی بنیادی صلاحیتوں کو مزید صیقل کیا۔

حضرت مسیح موعود کے تربیت اولاد کے سلسلے میں، حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب حضرت خلیفہ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہٖ العزیز کی خلافت سے پہلے کی لکھی گئی معرکتہ آلارا کتاب ''سوانح فضل عمر'' کو بنیاد بنایا گیا ہے، کیونکہ ایک عام قاری ایک واقعہ کو سرسری نظر سے پڑھتا ہے اور آگے گزر جاتا ہے جبکہ فاضل مصنف جیسا عارف باللہ، عالم باعمل دور رس نکتہ نواز اس ہی واقعہ کی تجزیہ نگاری کرکے اس کے بظاہر ہر معمولی پہلو سے نئے سے نئے نکات نکال کر اس واقعہ کے ہر پہلو کو اجاگر کرتا ہے۔ اگرچہ حضرت مسیح موعود حضرت مصلح موعود کی تربیت پر خصوصی توجہ دیتے تھے لیکن اس انداز تربیت سے گھر کے تمام بچے اور افراد متاثر ہوتے تھے۔ کیونکہ اکٹھے رہتے اور اکٹھے پل بڑھ رہے تھے جیسا کہ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ ایک خاص دعا کی تحریک کرتے ہوئے فرماتی ہیں۔

''یہ بھی دعا کریں کہ جیسے ہم پانچ بہن بھائی ایک سایہ میں پلے، ایک گود میں پرورش پائی اور کافی عرصہ تک ایک کمرے میں فرشتوں کے پہرے میں حضرت اقدس حضرت مسیح موعود کے پاس آرام کرتے تھے اسی طرح ہمارا خدا ہمیں اپنی آغوش رحمت میں بے حساب مغفرت فرما کر ہمارے آقا کے قدموں میں ہمارے والدین کے پاس پھر اکٹھا کر دے- اس وقت وہ زمانہ میری نظروں میں پھر رہا ہے- جب گویا ہر دم نور ہی نور برستا رہتا تھا- ایک رحمتوں بھرا سکون دلوں کو حاصل تھا صبح شام تازہ الہام اور بشارتیں کانوں میں پڑتیں اور مسرت بخش غذائے روحانی بن جاتیں- وہ روز و شب جنھوں نے دیکھے گردش لیل و نہار کبھی ان کو ان کے دلوں سے بھلا دینے پر قادر نہ ہوسکی-''

(مصباح مئی ٦٦ صفحہ ٩)

اس دعا میں آپ نے اپنی اس شدید خواہش کا اظہار فرمایا ہے کہ ہم پانچوں بہن بھائی اپنے عظیم والد کے ساتھ ایک کمرے میں فرشتوں کے پہرے میں آرام کرتے تھے- اسی طرح تربیت بھی اکٹھے ہی ہو رہی تھی-

آیئے سوانح فضل عمر کے اوراق پلٹیں (یہ تمام عبارت سوانح فضل عمر جلد اول صفحہ ٧٥ تا ٨٦ سے لی گئی ہے)

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رفیق حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں-

''ایک دفعہ حضرت مسیح موعود لدھیانہ میں قیام فرما تھے- میں بھی وہیں تھا- محمود کوئی تین برس کا ہوگا- گرمی کا موسم تھا مردانہ اور زنانہ میں دیوار حائل تھی آدھی رات کا وقت تھا جو میں جاگا اور مجھے محمود کے رونے کی آواز آئی- حضرت اسے گود میں لیئے پھرتے تھے اور وہ کسی طرح چپ نہیں ہوتا تھا، آخر آپ نے کہا دیکھو محمود! وہ کیسا تارا ہے! بچہ نے نئے مشغلہ کی طرف دیکھا اور ذرا چپ ہوکر پھر وہی رونا اور چلانا اور یہ کہنا شروع کر دیا ''ابا تارے جانا'' (یعنی ابا میں ستارے پر جاؤں گا- (ناقل) کیا مجھے مزا آیا- اور پیارا معلوم ہوا- آپ کا اپنے ساتھ یوں گفتگو کرنا اچھا معلوم ہوا-)

''ہم نے ایک راہ نکالی تھی اس نے اس میں بھی اپنی ضد کی راہ نکال لی-''
آخر بچہ روتا روتا خود ہی جب تھک گیا چپ ہو گیا- مگر اس سارے عرصے میں ایک لفظ بھی سختی کا یا شکایت کا آپ کی زبان سے نہ نکلا-''

''--- اس روایت سے حضرت مرزا صاحب کی طبیعت کے اس پہلو پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ آپ کے دل میں بچوں کے لئے کس قدر شفقت پائی جاتی تھی اور آپ کس درجہ حلیم تھے ایک ایسے مصروف الاوقات شخص کیلئے جس کا بال بال اہم ترین مصروفیات میں بندھا ہوا ہو اور بمشکل رات کو پہلے پہر تھوڑا سا آرام کا وقت میسر آتا ہو ایک روتے ہوئے بچے کو خود گود میں اٹھا کر دلاسا دے کر اس وقت تک پھرتے رہنا جب تک وہ خود ہی تھک کر سو جائے آپ کے اعلیٰ اور حسین اخلاق کی ایک پیاری مثال ہے-''

''ایک اور واقعہ جو اس سے بھی زیادہ صبر آزما تھا لیکن حضرت مرزا صاحب کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی حلم اور صبر کا مادہ عطا فرمایا تھا اور طبیعت میں نرمی اتنی زیادہ تھی کہ بچوں پر ناراض ہونا آپ کیلئے ایک مشکل امر تھا-

دوسری روایت بھی حضرت مولوی عبدالکریم صاحب ہی کی بیان کردہ ہے اور حسب ذیل ہے-

''محمود چار ایک برس کا تھا حضرت معمولاً اندر بیٹھے لکھ رہے تھے- میاں محمود دیا سلائی لے کر وہاں آئے اور آپ کے ساتھ بچوں کا ایک غول تھا پہلے کچھ دیر آپس میں کھیلتے جھگڑتے رہے پھر، جو کچھ دل میں آئی حضرت صاحب کے لکھے ہوئے مسودات کو آگ لگا دی اور آپ لگے خوش ہونے اور تالیاں بجانے اور حضرت لکھنے میں مصروف ہیں سر اٹھا کر دیکھتے بھی نہیں کہ کیا ہو رہا ہے اتنے میں آگ بجھ گئی اور قیمتی مسودات راکھ کا ڈھیر ہو گئے اور بچوں کو کسی اور مشغلے نے اپنی طرف کھینچ لیا- حضرت کو سیاق عبارت ملانے کیلئے کسی گذشتہ کاغذ کے دیکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی اس سے پوچھتے ہیں خاموش دبکا جاتا ہے آخر ایک بچہ بول اٹھا کہ میاں صاحب نے کاغذ جلا

دیئے ہیں- عورتیں اور بچے اور گھر کے سب لوگ انگشت بدنداں- اب کیا ہوگا---- مگر حضرت مسکرا کر فرماتے ہیں خوب ہوا- اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی بڑی مصلحت ہوگی اور اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس سے بہتر مضمون ہمیں سمجھائے-'' (صفحہ ۷۷)

اس حلم اور بردباری کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ نعوذ باللہ حضرت مسیح موعود تربیت اولاد کی حکمت سے ناواقف تھے یا ایسی ماؤں کی طرح جو اپنے حد سے بڑھے ہوئے پیار پر اختیار نہیں رکھتیں- تربیت کے فرض سے بے نیاز ہو کر اپنے بچوں کی محبت سے مغلوب ہو جاتے تھے-

دراصل آپ کی تربیت کا انداز بالکل منفرد اور نہایت لطیف تھا اور جیسا کہ آگے چل کر بیان ہونے والے واقعات سے ظاہر ہوگا- بعض مواقع پر آپ اپنے بچوں سے سختی سے بھی پیش آتے رہے- فرق صرف یہ ہے کہ جہاں تک ایسے امور کا تعلق ہے جن کے اثر کا دائرہ آپ کی ذات تک محدود تھا آپ نے حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب پر کبھی سختی نہیں کی خواہ آپ کے کسی فعل سے آپ کو کیسی ہی تکلیف پہنچی ہو- مگر جہاں تک امور دینیہ کا تعلق ہے یا ایسی غلطیوں کا سوال ہے جن کے نتیجے میں اخلاق پر بُرا اثر پڑنے کا خطرہ ہوسکتا تھا وہاں آپ نے موقع و محل کے مطابق کبھی نرمی سے اور کبھی سختی سے آپ کو اس طرف توجہ ضرور دلائی- یہ فرق بہت اہم ہے اور تربیت کرنے والوں کیلئے اس میں بڑا گہرا سبق ہے کہ حلم کی حدود کہاں جا کر ختم ہوتی ہیں اور سختی کے تقاضے کہاں سے شروع ہوتے ہیں-

(''سوانح فضل عمر'' جلد اول صفحہ ۷۷)

دو چھوٹے چھوٹے واقعات اس فرق کو ظاہر کرنے کیلئے پیش کئے جاتے ہیں:-

اولاً حضرت صاحبزادہ صاحب کا اپنا بیان ہے کہ ایک دفعہ ایک کتا ہمارے دروازے پر آیا میں وہاں کھڑا تھا- اندر کمرے میں صرف حضرت صاحب تھے میں نے اس کتے کو اشارہ کیا اور کہا ''ٹیپو! ٹیپو! ٹیپو!، حضرت صاحب بڑے غصے سے باہر نکلے اور

فرمایا تمہیں شرم نہیں آتی کہ انگریز نے تو دشمنی کی وجہ سے اپنے کتوں کا نام ایک صادق مسلمان کے نام پر ٹیپو رکھ دیا ہے اور تم ان کی نقل کر کے کتے کو ٹیپو کہتے ہو خبردار آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا-'' میری عمر شاید آٹھ نو سال کی تھی- وہ پہلا دن تھا جب سے میرے دل کے اندر سلطان ٹیپو کی محبت قائم ہو گئی''- (صفحہ ۷۸)

''اس واقعہ سے جہاں ایک طرف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بچے کے ہر فعل کو بلا امتیاز برداشت کرنا حلم کی تعریف میں داخل نہیں وہاں حضرت مرزا صاحب کی بے پناہ دینی اور قومی حمیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے وہ بچہ جو آپ کے نہایت محنت سے لکھے ہوئے قیمتی مسودات کو جن پر خدا جانے کتنے گھنٹوں یا راتوں کی محنت آپ نے صرف فرمائی ہو گی آن واحد میں تیلی دکھا کر خاکستر کر دیتا ہے اس کا یہ فعل تو آپ برداشت فرما لیتے ہیں اور اس تکلیف کا کوئی خیال نہیں کرتے جو اس کے نتیجہ میں آپ کو دوبارہ اٹھانی پڑی- لیکن ایک مسلمان سلطان جو قومی حمیت میں شہید ہوا اور جس کے ساتھ آپ کا اسلام کے سوا کوئی اور رشتہ نہ تھا اس کے نام کو ایک بچہ کا لاعلمی کی بنا پر بھی اس رنگ میں لینا جس سے اس کی تحقیر ہوتی ہو آپ سے برداشت نہ ہوا-'' (صفحہ ۷۸)

حضرت مرزا صاحب کی تربیت کا رنگ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے بڑا لطیف تھا اور عموماً نرم و نازک پیار کی باتوں سے اور نیک توقعات کے اظہار کے ذریعے بچوں سے ایسی باتیں منوا لیا کرتے تھے کہ بسا اوقات زبانی یا جسمانی طریق وہاں ناکام رہ جاتے ہیں آپ نے اکثر دیکھا ہو گا کہ کبھی بچہ ایک کھانے کی چیز ضرورت سے زیادہ اٹھا لیتا ہے- ماں باپ اسے جھڑکتے اور خفا ہوتے ہیں چھینا جھپٹی پر بھی اتر آتے ہیں- لیکن بچہ ان کی بات ماننے کی بجائے ضد اور بغاوت میں بڑھتا چلا جاتا ہے حضرت مرزا صاحب کا طریق کار ایسے مواقع پر بالکل مختلف ہوتا تھا اور اس کا نتیجہ بھی بالکل الگ نکلتا- چنانچہ حضرت مرزا صاحب کے ایک مخلص مرید سید فضل شاہ صاحب بیان کرتے ہیں-

''ایک دن حضرت مسیح موعود چوبارے کے صحن میں بیٹھے تھے اور بادام آگے

رکھے تھے- میں بادام توڑ رہا تھا کہ اتنے میں حضرت میاں بشیر الدین محمود احمد جن کی عمر اس وقت چار پانچ سال کی ہوگی تشریف لائے اور سب بادام اٹھا کر جھولی میں ڈال لیئے حضرت اقدس نے یہ دیکھ کر فرمایا ''یہ میاں بہت اچھا ہے زیادہ نہیں لے گا صرف ایک دو لے گا باقی سب ڈال دے گا- جب حضرت صاحب نے یہ فرمایا تو میاں نے جھٹ سب بادام میرے آگے رکھ دیئے اور صرف ایک یا دو بادام لیکر چلے گئے-''

(صفحہ ۸۰-۸۱)

''بچوں کے اخلاق کی خرابی کی ایک بڑی اہم وجہ یہ ہے کہ ماں باپ انہیں نادان سمجھ کر ان سے دیانت اور امانت اور صداقت کا وہ معاملہ نہیں کرتے جن کی ان سے وہ توقع رکھتے ہیں مثلاً ماں باپ دل سے چاہیں بھی کہ بچہ جھوٹ بولنے کا عادی نہ بنے تو بعض دفعہ بہلاوے کی خاطر یا ان سے وقتی طور پر اپنا پیچھا چھڑانے کی نیت سے بچے کے سامنے جھوٹ بول دیتے ہیں- بچوں سے ماں باپ کی کمزوریاں ہرگز چھپی نہیں رہتیں- چنانچہ ایسے ماں باپ کی نصیحتوں کا بچوں پر قطعاً کوئی اثر نہیں پڑتا جن کا عمل ان کے قول سے مختلف ہو- حضرت صاحب سے تو کسی قسم کی اخلاقی کمزوری سرزد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور بچوں کی طبیعت پر آپ کے قول وفعل کی ہم آہنگی اور صداقت کا ازخود اثر پڑتے رہنا ایک لازمی امر تھا- آپ نے اسی پر اکتفا نہ فرمائی بلکہ بچوں کی خاطر اس بارہ میں غیر معمولی احتیاط فرمایا کرتے تھے مثلاً حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی جو حضرت مرزا صاحب کے خاص عشاق رفقامیں سے تھے بیان فرماتے ہیں-

''ایک دفعہ حضرت مسیح موعود لیٹے ہوئے تھے اور سید فضل شاہ صاحب مرحوم حضور کے پیر داب رہے تھے کہ شاہ صاحب نے اشارہ کرکے مجھے کہا کہ یہاں پر جیب میں کوئی سخت چیز پڑی ہے میں نے ہاتھ ڈال کر نکالی تو حضور کی آنکھ کھل گئی آدھی ٹوٹی گھڑے کی ایک چپنی اور دو ایک ٹھیکرے تھے میں پھینکنے لگا تو حضور نے فرمایا ''یہ میاں

محمود نے کھیلتے کھیلتے میری جیب میں ڈال دیئے ہیں- آپ پھینکیں نہیں- میری جیب ہی میں ڈال دیں کیونکہ میاں نے ہمیں امین سمجھ کر اپنے کھیلنے کی چیز رکھی ہے وہ مانگیں گے تو ہم کہاں سے دیں گے-''

یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی لطافت اور حسن سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے لئے سرراہ اچٹتی ہوئی ایک نظر کافی نہیں بلکہ اس کی جاذبیت ہر صاحب ذوق کے قدم روک کر اسے کچھ عرصہ ٹھہرنے پر مجبور کر دیتی ہے- یہ ممکن نہیں کہ کوئی حسن شناس نظر دو گھڑیاں یہاں ٹھہر کر ایک خاص عالم محویت میں اس کا نظارہ کئے بغیر یہاں سے گزر جائے کہتے ہیں کہ پارس پتھر سنگریزوں سے بھی مس کر جائے تو وہ سونا بن جاتے ہیں یہ تو ایک افسانہ ہے لیکن اعلیٰ اخلاقی اقدار کی عینک سے اگر دیکھیں تو وہ آدھی ٹوٹی گھڑے کی چپنی اور ایک دو ٹھیکرے سونے سے کہیں زیادہ بیش قیمت اور چمک دمک میں فائق نظر آئیں گے-''

(صفحہ ۸۱-۸۲ سوانح فضل عمر جلد اول)

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدس کبھی کوئی چھوٹے سے چھوٹا موقعہ بھی ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے- جس کی مدد سے اس بچے کے اخلاق کو ایک نرالی شان کے ساتھ صیقل کیا جا سکے- چنانچہ مرزا محمد اسماعیل بیگ صاحب اسی قسم کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں-

''حضرت مسیح موعود ایک دن کچھ اصحاب کے ساتھ سیر کو تشریف لے گئے راستہ میں ایک کیکر کا درخت گرا ہوا تھا- بعض دوستوں نے اس کی شاخوں سے مسواکیں بنا لیں- صاحبزادہ مرزا محمود احمد بھی ساتھ تھے- چھوٹی عمر تھی ایک مسواک کسی نے ان کو بھی دے دی اور انہوں نے بے تکلفی اور بچپن کی وجہ سے ایک دو دفعہ حضور کو بھی کہا ''ابا مسواک لے لیں-'' مگر حضور نے مسکراتے ہوئے فرمایا ''میاں پہلے ہمیں یہ بتلاؤ کہ کس کی اجازت سے یہ مسواکیں حاصل کی گئیں تھیں یہ بات سنتے ہی سب نے

مسواکیں زمین پر پھینک دیں۔‘‘

یہ واقعہ ایک انوکھا انداز دلکشی لیئے ہوئے ہے اور اس لائق ہے کہ اصول تربیت کے مضمون میں اسے سنہری حروف میں رقم کیا جائے سڑک پر گرے ہوئے کیکر کے درخت سے چند مسواکوں کی ٹہنیاں کاٹ لینا کوئی ایسا اخلاقی جرم نہیں کہ اسے چوری کی حدود میں داخل سمجھا جائے---- بچے کے مکرر سوال کے جواب میں ایک چھوٹا سا سوال کر دیتے ہیں ’’میاں ہمیں یہ تو بتاؤ کس کی اجازت سے یہ مسواکیں حاصل کی گئی ہیں۔ کوئی اپنی نیکی کا عجب نہیں کوئی رعونت نہیں نصیحت میں کوئی تلخی نہیں کوئی خشونت نہیں مسکراتے ہوئے نرم الفاظ کے لبادے میں ملائم یہ سوال ہے میاں ہمیں یہ تو بتاؤ----

(سوانح فضل عمر جلد اول صفحہ ۸۳)

’’جو چند واقعات جستہ جستہ ہم تک پہنچے ہیں۔محض نمونہ ہیں اور اس انیس سالہ زندگی کے تمام دور پر حاوی نہیں جس میں حضرت صاحبزادہ مرزابشیر الدین محمود احمد کو اپنے جلیل القدر والد سے تربیت حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی---- تاریخ کا یہ دور جس حد تک بھی محفوظ ہے اسے دیکھ کر ایک قطعی نتیجہ یہ نکالا جا سکتا ہے کہ جس طرح مقناطیس اپنی قوت جذبہ کو دوسرے لوہے کے ٹکڑے کی طرف منتقل کرتا ہے اسی طرح حضرت مرزا صاحب اپنی شخصیت کے تمام حسن کو حضرت صاحبزادہ صاحب کی شخصیت میں منتقل فرماتے رہے۔ بنی نوع انسان کی جو ہمدردی آپ کے دل میں تھی اس سے آپ اس بچے کے دل کو بھی بھرتے رہے۔ خدا کی دیگر مخلوق کیلئے جس جذبہ رحم سے آپ کا سینہ بھرپور تھا وہی جذبہ رحم آپ اپنے اس بچے کے سینہ میں بھی موجزن دیکھنا چاہتے تھے۔ باتیں چھوٹی چھوٹی اور انداز نصیحت نہایت سادہ اور پیارا ہے لیکن اس کے نتیجے میں ایک اثر قبول کرنے والا بچہ مخلوق خدا کے لئے ایک گداز دل کی نعمت پا جاتا ہے۔

’’ایک بار آپ دالان کے دروازے بند کر کے چڑیاں پکڑ رہے تھے۔ حضرت

صاحب جمعہ کی نماز کیلئے باہر جاتے ہوئے وہاں سے گزرے تو دیکھ کر فرمایا ''میاں گھر کی چڑیاں نہیں پکڑا کرتے جس میں رحم نہیں اس میں ایمان نہیں۔''

حضرت صاحبزادہ صاحب کی سیرت کا یہ دور اپنے بزرگ والد کی سیرت سے الگ نہیں کیا جا سکتا اور ایک کا بیان دوسرے کے بغیر ممکن نہیں۔ آپ نے صرف اپنے اخلاق ہی سے حضرت صاحبزادہ صاحب کی شخصیت کو معمور نہیں کیا بلکہ جن اقدار کو آپ اولیت دیتے تھے ان اقدار کو اولیت دینا بھی اپنے اس پیارے بچے کو سکھایا اور اخلاق میں بھی حفظ مراتب کے آداب سکھائے۔

''ایک دفعہ تعلیم الاسلام سکول کے طلبہ کو مضمون دیا گیا کہ ''علم اور دولت کا مقابلہ کرو۔'' صاحبزادہ صاحب نے اس مضمون کے متعلق بہت سوچا لیکن فیصلہ نہ کر سکے کہ علم اور دولت میں سے کونسا اچھا ہے کھانے پر جب کہ حضرت مسیح موعود بھی بیٹھے ہوئے تھے آپ نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب سے باتوں باتوں میں پوچھا۔ بشیر! تم بتا سکتے ہو کہ علم اچھا ہے یا دولت؟ حضرت میاں بشیر احمد صاحب تو خاموش رہے البتہ خود حضور نے یہ بات سن کر فرمایا۔''بیٹا محمود! توبہ کرو۔ توبہ کرو۔ نہ علم اچھا نہ دولت خدا کا فضل اچھا ہے۔''

اس لطیف انداز تربیت کا یہ اثر تھا کہ جس بے پناہ حسن اخلاق کے حضرت مرزا صاحب خود مالک تھے وہی حسن حضرت صاحبزادہ صاحب کے کردار میں بھی بدرجہ اتم سرایت کر گیا۔''

(سوانح فضل عمر ۸۵ تا ۸۶)

آگے مصنف فرماتے ہیں ''یہ مضمون ادھورا رہے گا اگر یہ ذکر نہ کیا جائے کہ حضرت مسیح موعود کی تربیت کے ساتھ ساتھ حضرت صاحبزادہ صاحب (یعنی حضرت مصلح موعود) کی بزرگ والدہ حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم کی تربیت کا بھی آپ کے کردار کی تشکیل پر نہایت گہرا اثر پڑا بہت کم ہوتے ہیں وہ خوش نصیب بچے جن کے والدین

دونوں ہی اعلیٰ مربیانہ اوصاف سے متصف ہوں- مزید براں دونوں کی تربیت کے دھارے ایک ہی سمت میں بہتے ہوں اور دونوں کے مزاج میں تضاد کی بجائے ہم آہنگی پائی جائے-''

(سوانح فضل عمر جلد اول صفحہ ۸۸)

آپ فرماتے ہیں ''بچوں کو عموماً یہ ملکہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے دلی رجحان سے کم عمری کے باوجود بخوبی واقف ہو جاتے ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ وہ دراصل کن کن اقدار کو اولیت دیتے ہیں یہ عمومی تاثر جو بچوں کے دل پر اپنے ماں باپ کے بارے میں پڑتا ہے وہ ان کی عادات و اطوار کو ڈھالنے میں بڑا بھاری کردار ادا کرتا ہے-''

(سوانح فضل عمر جلد اول صفحہ ۸۰)

سوانح فضل عمر کے فاضل مصنف نے سیرۃ کے واقعات پر جو تجزیہ نگاری کی ہے وہی دراصل تربیت کے اصول ہیں جو آپ نے نکھار کے سامنے کھڑے کر دیئے ہیں مثلاً لکھتے ہیں ''فضاؤں میں مہک بکھیرنے والے عطر بیز اخلاق بڑے بڑے تکڑوں پر نہیں تولے جاتے بلکہ چھوٹے چھوٹے نرم و نازک واقعات کی ایسی ہی زود حِس میزانوں پر تلتے ہیں-''

(سیرۃ فضل عمر جلد اول صفحہ ۸۳ مرتبہ و مصنفہ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب)

یہ تمام واقعات پسر موعود---- حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب (المصلح الموعود) کی تربیت کیلئے حضرت مسیح موعود کے لکھے گئے ہیں لیکن جیسا کہ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے فرمایا کہ ہم پانچوں بہن بھائی اپنے عظیم والد کے ساتھ ایک کمرے میں فرشتوں کے پہرے میں آرام کرتے تھے تو حضور کے انداز تربیت سے بھی سب نے اپنے اپنے ظرف کے مطابق حصہ پایا-

اسی طرح حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ حضور کی تربیت کے انداز کے

بارے میں فرماتی ہیں حضور تربیت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے ”ایک شام آسمان پر ہلکے ہلکے ابر میں خوبصورت رنگ برنگ کی دھنک دیکھ کر ہم سب خوش ہو رہے تھے آپ اس وقت صحن میں ٹہل رہے تھے جو بعد میں ام ناصر کا صحن کہلاتا رہا۔ میں نے کہا یہ جو کمان ہے اس کو سب لوگ (پنجابی میں) مائی بڈھی کی پینگ کہتے ہیں اس کو عربی میں کیا کہتے ہیں؟ فرمایا اس کو عربی میں ”قوس قزح“ کہتے ہیں مگر تم اس کو ”قوس اللہ“ کہا کرو۔ نیز فرمایا کہ قوس قزح کے معنے شیطان کی کمان ہے۔ یہ بات مجھے ہمیشہ یاد رہی ہے۔“

ہمارے بچپن میں ایک کھلونا آیا کرتا تھا ”لک اینڈ لاف Look and Laugh دوربین کی صورت کا اس میں دیکھوتو عجیب مضحکہ خیز صورت دوسرے کی نظر آتی تھی۔ جب یہ کھلونا لاہور سے کسی نے لا کر دیا۔ آپ کو یہ چیز میں نے دکھائی۔ آپ نے دیکھا اور تبسم فرمایا کہا اب جاؤ۔ دیکھو اور ہنسو کھیلو۔ مگر دیکھو یاد رکھنا میری جانب ہرگز نہ دیکھنا۔ سب والدین بچوں کو تہذیب سکھانے کو ادب بڑوں کا سکھاتے ہیں۔ مگر یہ ایک خاص بات تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرستادہ نبی مودب بن کر بھی آتا ہے اور خود اس کو اپنا ادب بھی اپنی ذاتی شخصیت کیلئے نہیں بلکہ اس مقام کی عزت کے لیئے جس پر اس کو کھڑا کیا گیا اور اس ذات پاک و برتر کے احترام کی وجہ ہے جس نے اس کو خاص مقام بخشا جس کی جانب سے وہ بھیجا گیا سکھانا پڑتا ہے۔

حضرت مسیح موعود کی زبان میں معجزانہ اثر تھا۔ آپ نہ بات بات پر ٹوکتے نہ شوخیوں پر جھڑکنے لگتے۔ بلکہ انتہائی نرمی سے فرماتے کہ یوں نہ کرو۔ جس بات سے آپ نے منع کیا۔ مجھے یاد نہیں کہ کبھی بھول کر بھی وہ بات پھر کی ہو اب تو ہم دیکھتے ہیں کہ لاکھ مغزپچی کرو۔ بچے ہیں کہ چکنے گھڑے ہیں۔ اثر ہی نہیں ہو چکتا۔ یا والدین کی زبانوں میں اثر نہیں رہا۔ وہ پیار بھری زبان معجز بیان کہ ایک بار کہا۔ پھر عمر بھر کو اس بات سے طبیعت بیزار ہو گئی۔

مجھے اور مبارک احمد کو قینچی سے کھیلتے دیکھ کر تنبیہ فرمائی- کیونکہ قینچی کی نوک اس وقت میں نے مبارک احمد کی طرف کر رکھی تھی- فرمایا کبھی کوئی تیز چیز قینچی، چھری، چاقو، اس کے تیز رخ سے کسی کی طرف نہ پکڑاؤ- اچانک لگ سکتی ہے- کسی کی آنکھ میں لگ جائے- کوئی نقصان پہنچے تو اپنے دل کو ہمیشہ پچھتاوا رہے گا اور دوسرے کو تکلیف- یہ عمر بھر کو سبق ملا اور آج تک یاد ہے- ایک دفعہ خاندان کے کسی لڑکے نے کہا تھا اتنی سی بات پر آپ کیوں روکتی ہیں کبھی اس رخ سے کسی نے پکڑا دی تو کیا ہوا- میں نے اس کو بتایا کہ ہمیں تو حضرت مسیح موعود کا دیا ہوا سبق یاد ہے- وہی دہرائیں گے-

میں اور مبارک احمد آپ کے پاس ہی پلنگ پر بیٹھے کھیل کھیل میں ایک دوسرے کو ٹانگیں مار رہے تھے- لڑائی نہیں تھی- کیونکہ ہم دونوں کا آپس میں بڑا پیار تھا- فرمایا کشتی کرو- بیشک کھیلو مگر (میری طرف خصوصا دیکھ کر کہا) لڑکوں کے بدن میں ایک حصہ، ایسا نازک ہوتا ہے کہ ذرا سخت چوٹ لگ جائے تو موت کا ڈر ہوتا ہے- تم دنوں کھیلو مگر خیال رکھو کہ کسی نازک جگہ کسی کو چوٹ نہ آئے-

اس بات سے بھی آپ نے روکا ہوا تھا کہ کبھی ڈھیلا پتھر کسی کی جانب نہ پھینکو- کسی کے بے جگہ لگ جائے- کسی کی آنکھ ہی پھوٹ جائے- سر پھٹ جائے اس کا ہمیشہ خیال رہتا تھا اور ہمیشہ بچوں کو اس امر پر روکا ٹوکا ہے- مبارک احمد نے ایک بار مجھ سے کہا- آپا آ کر میرے ساتھ کھیلو- پڑھو نہیں- اس وقت میں اور صالحہ بیگم مرحومہ جو بعد میں چھوٹی ممانی جان بنیں- پڑھ رہے تھے میں نے کہا ابھی نہیں- مبارک نے ایک ڈھیلا کھینچ مارا- حضرت مسیح موعود اس وقت حجرہ میں تشریف رکھتے تھے- میں نے مبارک کے ڈرانے کو کہا- بتاتی ہوں ابا کو- میں نے حضرت مسیح موعود کو کہا- دیکھیں مبارک نے ڈھیلا اٹھا کر ہماری طرف مارا ہے- آپ نے فرمایا اس کو لاؤ، یہاں میرے پاس- میں نے آ کر کہا- چلو مبارک ابا بلا رہے ہیں- اس نے کہا اچھا مگر آپا تم آگے آگے چلو میں پیچھے پیچھے چلوں گا- جب میں قدم بڑھاؤں پلٹ کر دیکھوں تو مبارک

اکڑوں بیٹھ جائے۔ مجھے ہنسی آ گئی۔ بات گئی گزری ہوئی۔ آپ نے کہہ دیا مبارک اب نہیں کریگا۔ اس طرح مبارک کا اور میرا بچپن میں بہت پیار تھا۔ ہم کبھی نہ لڑے نہ جھگڑے وہ مجھے آ کر پیار سے لپٹ جاتا تو آپ فرماتے ان دونوں کے نام کا صرف ''ہ'' کا فرق ہے اس لئے بہت پیار ہے ان میں۔

ایک دفعہ صوفی غلام محمد صاحب مرحوم غالباً علی گڑھ میں پڑھتے تھے کسی امتحان شاید بی۔اے میں فیل ہوئے۔ خبر آئی آپ نے افسوس سے ذکر فرمایا میں پاس بیٹھی تھی میں سن کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ آپ نے فراست سے میرا ارادہ بھانپ لیا اور فرمایا۔ تم عائشہ (مولوی عبدالکریم جن سے ان کا نکاح ہو چکا تھا) کو بتانے جا رہی ہو یہ بری خبر ہے تم کیوں بری خبر بتاؤ۔ کوئی اور بتا دے گا۔ وہ دن اور آج کا دن ہمیشہ بری خبر کسی کو پہنچانے سے اجتناب کیا ہے۔

(مصباح دسمبر ۱۹۷۲ء صفحہ ۱۷ تا ۱۹)

''فرماتی ہیں حضور نے مجھے کبھی نہیں جھڑکا بس جو بات سمجھانی مقصود ہوتی کان سے گزار دیتے۔ اشارہ کنایہ سے اور میں بھی سمجھ جاتی۔ مثلاً ایک مرتبہ یوں ہوا کہ حضور کی طبیعت ناساز تھی اور حضور بستر پر بیٹھ کر نماز ادا فرما رہے تھے۔ دوسرے دن میں نے بھی بستر ہی پر بیٹھ کر نماز پڑھی۔ میں پڑھ رہی تھی کہ حضور کا ادھر سے گزر ہوا۔ حضور ہنس پڑے اور مجھے نماز میں ہی حضور کے ہنسنے کی آواز آئی فرمایا بچہ ہے اس نے مجھے بستر پر نماز پڑھتے دیکھا ہے لیکن اس کو یہ علم نہیں ہو سکا کہ ایسا تو بیماری کی حالت میں میں نے کیا تھا اس طرح میرے کان سے بات گزار دی۔''

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۷۷)

آپ فرماتی ہیں:

''بچپن سے ہی مجھ میں ایک چھوٹی حِس تھی۔ دور بیٹھی عورتیں باتیں کرتیں تو ہونٹ ہلتے دیکھ کر بات سمجھ جاتی تھی۔ حضرت مسیح موعود نماز پڑھ رہے ہوتے میں پاس

بیٹھی ہوتی تو محسوس کر لیتی کہ اب نماز میں کہاں پہنچے ہیں۔

(مصباح، نومبر ۱۹۶۰)

آپ نے پہلا روزہ ۹ سال کی عمر میں رکھا آپ فرماتی ہیں کہ

''قبلِ بلوغت کم عمری میں حضرت مسیح موعود روزہ رکھوانا پسند نہ فرماتے تھے۔ بس ایک رکھ لیا کافی ہے۔ حضرت اماں جان نے میرا پہلا روزہ رکھوایا نویں سال میں بہت بڑی دعوت افطار دی یعنی جو خواتین جماعت تھیں سب کو بلایا ہوا تھا۔ اس روزہ کے بعد دوسرے یا تیسرے ہی دن رمضان میں میں نے پھر روزہ رکھ لیا اور حضرت مسیح موعود کو بتایا کہ آج پھر میرا روزہ ہے۔ آپ حجرہ میں تشریف رکھتے تھے۔ پاس سٹول پر دو پان لگے رکھے تھے غالباً حضرت اماں جان بنا کر رکھ گئی ہوں گی۔ آپ نے ایک پان اٹھا کر مجھے دیا کہ لو یہ پان کھا لو۔ تم کمزور ہو ابھی روزہ نہیں رکھنا۔ توڑ ڈالو روزہ۔ میں نے پان تو کھا لیا مگر آپ سے کہا صالحہ نے بھی رکھا ہے ان کا بھی تڑوا دیں۔ آپ نے فرمایا کہ بلاؤ اس کو بھی۔ میں بلا لائی وہ آئیں تو ان کو بھی دوسرا پان اٹھا کر دیا اور فرمایا۔ لو یہ کھا لو تمہارا روزہ نہیں۔ میری عمر اس وقت غالباً ساڑھے نو سال کی تھی۔''

(الفضل، ۲۵ - اکتوبر ۱۹۶۸ء)

اسی طرح آپ فرماتی ہیں ''میری ہمشیرہ امتہ الحفیظ بالکل چھوٹی سی تھیں۔ کسی جاہل خادم سے ایک گالی سیکھ لی اور اور توتلی زبان میں حضرت مسیح موعود کے سامنے کسی کو دی۔ آپ نے بہت خفگی کا اظہار فرمایا۔ اور فرمایا کہ اس چھوٹی عمر میں جو الفاظ زبان پر چڑھ جاتے ہیں وہ دماغ میں محفوظ بھی رہ جاتے اور بعض دفعہ انسان کی زبان پر مرتے وقت جاری ہو جاتے ہیں بچے کو فضول بات ہرگز نہیں سکھانی چاہیے۔''

(تقریر ذکر حبیب جلسہ سالانہ مستورات الفضل ۳ جنوری ۱۹۷۴، صفحہ ۳)

حضرت مسیح موعود آخری مرتبہ جب لاہور تشریف لے گئے تو شام کو گھوڑا گاڑی میں سیر کو تشریف لے جاتے بیگم صاحبہ فرماتی ہیں۔

''ایک بار حضرت اماں جان نے کہا- لڑکی کو روز ساتھ لے جاتے ہو وہ دونوں بہوئیں ہیں ان کو بھی کسی دن لے جایا کرو- آپ نے فرمایا نہیں- میرے ساتھ مبارکہ ہی جائے گی- وہ الگ جا سکتی ہیں- میں اور اماں جان ساتھ ہوتی تھیں- سامنے گھوڑے کی پشت کی طرف حضرت اقدس اور حضرت اماں جان ہوتی تھیں- اور سامنے میں-

لاہور اس وقت اتنا بڑا نہ تھا- باہر نکل کر غیر آباد سڑکوں کے چکر کاٹ کر ہم واپس آتے- آپ فرماتے تھے نقاب اٹھا دو- گاڑی چل رہی ہے کوئی نہیں دیکھتا- کھیتوں میں ہو گا کوئی بیچارہ کسان اپنے کام میں مصروف---- ایک دن اسی طرح بیٹھے ہوئے آپنے فرمایا- اب نقاب نیچی کر لینا- میاں محمود گھوڑے پر آ رہے ہیں اس کو پردہ کا بہت زیادہ خیال ہے- غصہ چڑھے گا یہ الفاظ آپ کے لبوں سے پیاری مسکراہٹ کے ساتھ نکلے تھے- میں نے گردن نکال کر دیکھا- سڑک سے اگلی سڑک کے موڑ تک کہیں انکا گھوڑا نظر نہیں آ رہا تھا- چند منٹ کے بعد وہی ہوا کہ حضرت بھائی صاحب گھوڑا دوڑاتے پاس سے گزرے اور مجھے جھانکتے دیکھ کر گھورا-

(مصباح سالنامہ ۱۹۷۰ صفحہ ۲۸)

حضرت مسیح موعود کی شفقت کا ایک واقع حضرت صاجبزادہ پیر افتخار احمد صاحب لدھیانوی (ابن حضرت صوفی احمد جان صاحب لدھیانوی) لکھتے ہیں-

''حضرت مسیح موعود ایک وقت لدھیانہ میں قیام پذیر تھے- ایک دن بندہ درِ دولت پر حاضر ہوا- حضرت بیٹھک میں تشریف فرما تھے اور چند معززین بھی بیٹھے تھے- حضور ان سے بات کر رہے تھے- غلام بھی بیٹھ گیا- اتنے میں زنانہ مکان میں سے حضور کی سب سے بڑی صاجبزادی صاحبہ جن کی عمر اس وقت شاید چار سال ہو گی تشریف لائیں- اور آتے ہی حضور پر سوار ہونے لگیں- کبھی پشت کی طرف سے سوار ہوتیں- حضور آگے کو جھک جاتے- جب وہ دائیں طرف سے سوار ہوتیں تو حضور بائیں طرف جھک جاتے اور جب وہ بائیں طرف سے اوپر ہوتیں تو حضور دائیں طرف جھک

جاتے- میں حضور کی اس پدرانہ شفقت اور طمانیت کو تعجب کی نظر سے دیکھتا تھا- وہ دیر تک اسی طرح کرتی رہیں- یہاں تک کہ خود ہی اپنی مرضی سے واپس گھر میں تشریف لے گئیں-،،

(''افتخار الحق'' یا انعامات خداوند کریم''-صفحہ ۳۷۴، از حضرت پیر افتخار احمد صاحب)

حضور کے انداز تربیت لاریب بے مثال تھے لیکن آپ کی دعائیں جو آپ نے اپنی اولاد کے حق میں کیں وہ آپ کے اندازِ تربیت کا معراج ہیں- چنانچہ آپ فرماتے ہیں-''اولاد کی خواہش تو لوگ بڑی کرتے ہیں اور اولاد ہوتی بھی ہے مگر یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ وہ اولاد کی تربیت اور اُن کو عمدہ اور نیک چلن بنانے اور خدا تعالیٰ کے فرمانبردار بنانے کی سعی اور فکر کریں- نہ کبھی ان کے لئے دعا کرتے ہیں اور نہ مراتب تربیت کو مدِنظر رکھتے ہیں- میری اپنی تو یہ حالت ہے کہ میری کوئی نماز ایسی نہیں ہے جس میں مَیں اپنے دوستوں اور اولاد اور بیوی کے لئے دعا نہیں کرتا-''

(ملفوظات، جلد دوم، صفحہ ۲۷۲)

آپ کو اللہ تعالیٰ نے کئی مرتبہ الہام میں ابراہیم بھی کہا ''اے ابراہیم تو آج ہمارے نزدیک صاحبِ مرتبہ اور امانت دار اور قوی العقل ہے اور دوستِ خدا ہے خلیل اللہ ہے---- الخ

(براہین احمدیہ صفحہ ٢٦٦)

پھر فرمایا ''اے ابراہیم ہم تیرے لئے-------- الخ'' تذکرہ صفحہ ۳۳۲)

آپ فرماتے ہیں ؎

نیز ابراہیمؑ ہوں نسلیں ہیں میری بیشمار

حضرت مسیح موعود اپنی اولاد کے لئے جس طرح دعائیں کرتے ہیں آپ کی نظم و نثر اُس کی گواہی دیتی ہے اور یہ دعائیں، ابراہیمیؑ دعاؤں کی یاد دلاتی ہیں- قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ سے فرماتا ہے''انی جاعلك للناس اماما میں

تجھے یقیناً لوگوں کا امام مقرر کرنے والا ہوں۔" آپ نے بیقرار ہو کر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا "ومن ذریتی اور میری اولاد میں سے بھی امام بنائیو۔" (سورہ البقرہ، آیت ۱۲۵)

اور حضرت مسیح موعود بھی اپنی اولاد کے لئے اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں۔

تیری قدرت کے آگے روک کیا ہے
وہ سب دے ان کو جو مجھ کو دیا ہے

دینِ حق کے لیے سربلندی اور ہر قسم کی دعاؤں کی قبولیت کا مژدہ خدا تعالیٰ دیتے ہوئے فرماتا ہے۔"قد سمع الله – اجيبت دعوتك ان الله مع الذين هم محسنون۔" اللہ تعالیٰ نے تیری دعا سن لی تیری دعا قبول ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جو نیکی کرتے ہیں۔

(تذکرہ، صفحہ ۶۷۳)

اولاد کے حق میں دعاؤں کے تعلق میں سوانح فضل عمر، جلد دوم کی ابتدا میں حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز) حضرت فضل عمر صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"آپ حضرت اقدس مسیح موعود کی پُردرد اور مقبول دعاؤں کا ثمر تھے---- دعاؤں کی لوریاں سنتے ہوئے آپ کا بچپن گزرا۔ گنگناتی ہوئی دعائیں آپ کو تھپک تھپک کر سلایا کرتی تھیں اور دعاؤں کی نرم و ملائم آواز ہی آپ کو خواب راحت سے بیدار کرتی تھی----"

(سوانح فضل عمر، جلد دوم، صفحہ ۱)

دنیا شاہد ہے کہ حضرت اقدس کی تمام دعائیں خدا تعالیٰ نے قبول فرمائیں۔ اولاد کی دعاؤں میں ہی آپ کی بڑی صاحبزادی کے حق میں بھی دعائیں بدرجہ اتم قبول ہوئیں۔

# صاحب رؤیا و کشوف

جتنی ذہین شاگرد تھیں- اتنے ہی عظیم استاد ملے مزید براں مسیح دوراں امام الزماں کی رات دن صحبت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا- اسی رنگ میں رنگین ہو گئیں نمازوں اور دعاؤں میں شروع سے بہت لگاؤ تھا چنانچہ بچپن سے ہی رویا صادقہ کشوف والہام سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا- آپ فرماتی ہیں کہ

''دعاؤں پر جتنا زور حضرت مسیح موعود نے اپنے عمل اور تعلیم سے دیا روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے یہی طریق آپ کا اپنے بچوں سے تھا کہ دعاؤں کی اہمیت دل میں بٹھا دی- متعدد بار مجھے آپ نے دعاؤں کے لئے کہا اور ایک دو دفعہ نفل پڑھ کر خاص امر کے لئے دعا کرنے کی تاکید کی کہ ایک ہمارا کام ہے اس کے لئے دعا کرو اور جو خواب آئے مجھے بتانا- اس سے ایک تو دعا کی قدر دل میں گھر کرتی دوسرے یہ اثر بھی ہوتا کہ ہماری دعائیں بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں مقبول ہو سکتی ہیں اور ہمیں دعائیں کرنی چاہیں- آپ خواب اکثر مجھ سے پوچھا کرتے اور توجہ سے سنتے کبھی سرسری طور پر یا بے توجہگی سے نہیں سنا کہ مجھے خفت کا احساس ہو- یا خواب کی اہمیت سمجھنا چھوڑ دوں- میری دو تین خوابیں آپ نے لکھ بھی لی تھیں- خصوصاً میری کوئی چھ سال کی عمر کے ایک خواب کو سن کر اپنے الہاموں کی کاپی پر لکھنا مجھے اب تک خوب یاد ہے-

میں نے آپ کو فرماتے سنا ہے کہ اگر ایک خواب کسی مومن کو تین بار آئے یا تین مومنوں کو ایک ہی مفہوم کے خواب آئیں تو وہ الہام کا درجہ رکھتے ہیں (اس عبارت میں مومن کا لفظ یاد رکھنا چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ مومن کے معنی حضرت مسیح

موعود کی نظر میں کس پائے کے ہوں گے-)''

(مصباح نومبر ۱۹۶۰ء)

اسی طرح ایک اور مرتبہ بیگم صاحبہ نے فرمایا کہ ''جب میں چھوٹی سی تھی تو حضرت مسیح موعود نے کئی بار فرمایا کہ میرے ایک کام کے لیے دعا کرو یا دعا کرنا- ذرا غور کرو کہاں وہ برگزیدہ عالی شان ہستی اور کہاں میں مگر آپ مجھے دعا کو کہتے- یہ اس لئے تا کہ بچوں کے ذہن نشین ہو جائے کہ ہم نے بھی دعائیں کرنی ہیں اور تا دعاؤں کی عادت پڑے اور بچے جان لیں کہ اللہ کا در رحمت کھلا ہے مانگو گے تو پاؤ گے یہ آپ کی تربیت تھی دعا کے متعلق-

(احمدی بچوں کے نام پیغام تشحیذ الاذہان مئی ٦٢)

## بچپن کا پہلا خواب

حضرت سیدہ کی اپنی روایت ہے کہ بچپن کا سب سے پہلا خواب جو مجھے یاد ہے وہ یہ تھا کہ ایک چاند چکر لگا رہا ہے اور مجھ سے باتیں کرتا ہے چاند نے کہا ''اللہ پر توکل کر-'' دن کے وقت میں نے مبارک احمد کو بتایا کہ چاند نے مجھ سے باتیں کیں- ایک دن مبارک کھلونوں سے کھیل رہا تھا اور ان سے باتیں بھی کر رہا تھا حضرت مسیح موعود تشریف لائے اور فرمایا ان سے کیا باتیں کرتے ہو؟ یہ تو سنتے ہی نہیں- اس پر مبارک احمد نے کہا آپا سے تو چاند باتیں کرتا ہے اس پر حضرت مسیح موعود نے مجھ سے پوچھا تو میں نے اپنا خواب سنایا آپ نے اسی وقت اپنی چھوٹی سی روایات اور رویا کی کاپی میں لکھ لیا تھا-

(تذکرہ- نیا ایڈیشن صفحہ ۷۲٦)

## ایک رؤیا ایک کشف

حضرت مسیح موعود نے حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے ایک کشف کا اپنے الفاظ میں تذکرہ فرمایا ہے آپ فرماتے ہیں ''آج ہی ہماری لڑکی (مراد حضرت نواب

مبارکہ بیگم صاحبہ) نے بھی رویا میں دیکھا ہے کہ آسمان پر ستارے ٹوٹتے ہیں اور دھواں ہو کر چلے جاتے ہیں- ایک فرشتہ پاس کھڑا ہے جو کہتا ہے یہ دشمن مرتے ہیں فرمایا یہ خواب شاید ہمارے خواب کی تعبیر ہے- ہماری لڑکی کو خواب بہت آتے ہیں اکثر سچے ہوتے ہیں-

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے اس خواب کو بیان کرنے سے قبل حضرت مسیح موعود نے اپنا کشف بیان فرمایا ہے کہ صبح نماز سے پہلے کشف میں دیکھا کہ ایک بڑا ستارہ ٹوٹتا ہے جو خوب زور سے چمکتا ہوا شمال مشرق کی جانب سے سیدھا سر تک آ کر گم ہو گیا ہے-

(تذکرہ نیا ایڈیشن صفحہ ۷۲۶)

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحب کی اپنی روایت ہے ''میں نے خواب میں دیکھا (میں خواب میں اوپر کے صحن میں کھڑی تھی) کہ ہمارے صحن کا کنواں لبا لب پانی سے بھرا ہے- اور ایک جوان نوعمر (جس کی پشت سے بڑے بھائی ہی معلوم ہوتے تھے) تیز تیز اس کنویں کے گرد گھوم رہا ہے اور اس کی زبان پر اونچی آواز سے یہ الفاظ جاری ہیں وہ آواز گونجتی ہے اور در و دیوار سے یہ آواز آ رہی ہے-

انی جاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامتہ-

آنکھ کھلی تو میرے بڑے بھائی صاحب کا سر صرف شانوں تک میرے تکیے پر تھا پہلے تو میں دیکھتی رہی دیکھتی رہی- مگر جب وہ کیفیت دور ہو گئی تو ڈر کر حضرت مسیح موعود کو پکارا اور کہا میں نے اس طرح دیکھا ہے آپ نے فرمایا کشف تھا ڈرو نہیں بہت مبارک خواب اور کشف ہے-

(مصباح نومبر دسمبر ۱۹۶۸ء صفحہ ۲۱، ۲۲)

ایک اور کشف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

''جب میں بڑی ہوئی تو حضرت مسیح موعود نے کوٹھے پر ایک کمرہ جو بیت

العافیت کہلاتا تھا میرے لئے الگ کر دیا کہ یہ تمہارا کمرہ ہے (یہ وہی کمرہ ہے جو حضرت سیدہ ام ناصر کے مکان کا اوپر کا حصہ تھا اور جہاں صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب اور صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب کی شادی کے بعد رہائش رہی) میں اپنی چیزیں وہاں رکھتی تھی۔ اپنا کام وغیرہ وہیں کیا کرتی تھی لیکن رات کو نیچے حضرت مسیح موعود کے کمرہ میں ہی سویا کرتی تھی۔ اس کمرہ کے ایک دروازہ پر حضرت اماں جان نے ''مبارک'' لکھ دیا۔ حضرت مسیح موعود نے کاٹ کر ''مبارکہ'' کر دیا۔ بہت زمانے تک وہ نام لکھا رہا۔ حضرت مسیح موعود کو الہام ہوا۔ ''کوٹھے پر ایک حادثہ'' (یہ الہام غیر مطبوعہ ہے جو تذکرہ طبع سوم میں بھی شائع نہیں ہوا) اس پر حضرت مسیح موعود نے مجھے فرمایا زیادہ اوپر نہ جایا کرو۔ مائی تابی نے کہا۔ میں اوپر چلی جاؤں تو حضرت مسیح موعود نے مجھے بلا کر فرمایا مائی تابی اوپر رہنے کی اجازت مانگتی ہے تمہارا کمرہ ہے تم اجازت دو۔ میں نے اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ اوپر چلی جایا کرتی تھی۔ اسی کمرے میں میں نے ایک کشف دیکھا اور اس وقت اس نظارہ سے میں بالکل نہیں ڈری۔ ایک سفید بازو مجھے نظر آیا۔ بازو ایسا تھا جیسے شیشے میں روشنی بھری ہوئی ہو۔ ڈر اس حالت میں بالکل نہیں لگا۔ جب وہ کیفیت دور ہوئی تو پھر میں نیچے اتر آئی۔ میں سمجھتی ہوں کہ حضرت مصلح موعود کی خلافت کی طرف اشارہ تھا۔''

(الفضل، جلسہ سالانہ نمبر ۱۹۶۸ء)

صاحبزادہ مبارک احمد کی وفات کے متعلق رؤیا:

میں نے کچھ سال گزرے خواب دیکھا تھا کہ میرا بھائی مبارک احمد بیمار ہے اور حضرت مسیح موعود دعا و علاج کوشش اور دعا میں بے حد توجہ سے مشغول ہیں۔ اس کے پلنگ کے ہی گرد، اسی سلسلہ میں پھر رہے ہیں۔ مگر اس کا انتقال ہو گیا۔ میں دروازے پر کھڑی ہوں بہت گھبراہٹ کی حالت میں۔ جب مبارک احمد کی وفات ہو گئی تو آپ دروازہ کھول کر میرے پاس آئے اور بڑی شاندار بڑی پر اثر آواز میں فرمایا کہ

''مومن کا کام ہے کہ دوا علاج کوشش ہر طرح کرے اور دعا میں آخر وقت تک لگا رہے۔ مگر جب خدا تعالیٰ کی تقدیر وارد ہو جائے تو پھر اس کی رضا پر راضی ہو جائے'' یہی الفاظ تھے اور وہ عجیب نظارہ تھا جو میں نے دیکھا اور دل پر نقش ہو گیا۔

(مصباح، اکتوبر ۱۹۶۳ء)

**مبارک احمد مرحوم کے نعم البدل کے متعلق رؤیا:**

مجھے مبارک احمد کی وفات کے تین روز بعد ہی خواب آیا کہ مبارک احمد تیز تیز قدموں سے چلا آ رہا ہے اور دونوں ہاتھوں پر ایک بچہ اٹھائے ہوئے ہے اس نے آ کر میری گود میں وہ بچہ ڈال دیا جو لڑکا ہے اور کہا ہے ''لو آپا یہ میرا بدلہ ہے۔''

(الفضل، جلسہ سالانہ نمبر، ۱۹۶۵ء)

## حضرت مسیح موعود کی وفات کے خواب

حضرت مسیح موعود کی وفات کے بارے میں خواب خود حضور کو بھی آ رہے تھے۔ اور بیگم صاحبہ نے بھی کئی خواب بڑے واضح دیکھے۔ حضور اقدس کی وفات قریب تھی ایک رات حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے دیکھا ''میں نیچے اپنے صحن میں ہوں اور گول کمرہ کی طرف جاتی ہوں تو وہاں بہت سے لوگ ہیں جیسے کوئی خاص مجلس ہو، مولوی عبدالکریم صاحب دروازے کے پاس آئے اور مجھے کہا بی بی جاؤ ابا سے کہو کہ رسول کریم ﷺ اور صحابہؓ تشریف لائے ہیں آپ کو بلاتے ہیں میں اوپر گئی اور دیکھا کہ پلنگ پر بیٹھے ہوئے حضرت مسیح موعود بہت تیزی سے لکھ رہے ہیں اور ایک خاص کیفیت چہرہ پر ہے پُرنور اور پر جوش۔ میں نے کہا ابا مولوی عبدالکریم صاحب کہتے ہیں رسول کریم ﷺ صحابہؓ کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور آپ کو بلا رہے ہیں آپ نے لکھتے لکھتے نظر اٹھائی اور مجھے کہا جاؤ کہو یہ مضمون ختم ہوا اور میں آیا۔

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں کہ حضرت مسیح موعود آخری شام وسط صحن میں بستر پر بیٹھ کر دیر تک پیغام صلح کا مضمون لکھتے رہے۔ آپ کے چہرہ مبارک

پر ایک خاص جوش اور ایک خاص سرخی تھی اور قلم معمول سے زیادہ تیز تر تھا۔ مجھے اس وقت آپ کے پاس بیٹھ کر اس انہاک اور تیزی سے لکھنے پر اپنا (مذکورہ بالا) خواب یاد آ گیا۔'' (تاریخ احمدیت جلد سوم، صفحہ ۵۵۶) گویا کس طرح خدا تعالیٰ نے اس چھوٹی سی عمر میں آپ کو آنے والے سچے نظارے دکھا دیئے۔

## ایک اور خواب

''حضرت مسیح موعود اکثر دعا کو کہتے، یہ نہیں کہ میں کوئی بڑی اور بزرگ تھی۔ آپ کا مطلب دعائیں سکھانا اور دعا کی اہمیت دلوں میں بٹھا دینا تھا آپ نے مجھے کہا کہ ایک خاص بات ہے دعا کرو رات کو دو نفل پڑھو دعا کرو جو معاملہ میرے دل میں ہے اس کے متعلق تم کو کچھ اشارہ ہو جائے میں نے دعا کی اور اسی شب خواب دیکھا جو آپ کو سنایا پہلے لکھ چکی ہوں۔ کہ حضرت خلیفہ اول مستانہ وار چوبارے پر بیٹھے ہیں ہاتھ میں ایک کتاب ہے کہتے ہیں اس میں وہ الہام ہیں جو میرے متعلق ہیں اور سر اٹھا کر مجھے دیکھا اور کہا میں ابوبکر ہوں۔ آپ نے مجھے صبح پوچھا آپ ٹہل رہے تھے میں نے کہا یہ خواب دیکھا ہے کہ حضرت مولوی نور الدین صاحب ایک کتاب لیئے بیٹھے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو اس کتاب میں میرے متعلق حضرت صاحب کے الہامات ہیں کہ میں ابوبکرؓ ہوں۔ آپ نے ایسے الفاظ فرمائے کہ جیسے جو دعا کی تھی اسی کا جواب ہے آپ مطمئن ہو گئے تھے۔حضور نے فرمایا یہ خواب اپنی اماں کو نہ سنانا۔

(مصباح سالنامہ ۱۹۷۰ صفحہ ۳۱)

آپ ایک اور خواب سناتی ہیں ''میں بیٹھی ہوں ایک شخص کہتا ہے کہ دنیا کا سب سے بڑا آدمی دو چار ماہ تک رخصت ہو جائے گا۔ اتنے میں حضرت مسیح موعود سامنے آ گئے۔ میں نے کہا ابا ایک شخص کہہ رہا تھا کہ دنیا کا سب سے بڑا آدمی دو چار مہینہ تک فوت ہو جائیگا شاید بادشاہ فوت ہو جائے۔ پیر جی کہتے تھے سب سے بڑی سلطنت انگریز بادشاہ کی ہے۔ آپ نے فرمایا میری طرف دیکھ کر، کہ وہ بھی کوئی بڑا

آدمی ہے؟ یہ مطلب نہیں ہے اس کا- آنکھ کھل گئی دل پر اثر رہا مگر انسان ہمیشہ اپنے پیاروں کے متعلق اچھا سوچا کرتا ہے- میں نے اس خواب کے اثر کو دل سے مٹانا چاہا-

(مصباح سالنامہ ۱۹۷۰ء صفحہ ۲۶)

## ایک اور خواب

فرماتی ہیں حضرت مسیح موعود کے وصال کے بعد تیسری شب تھی کہ صبح کے قریب میں نے خواب دیکھا کہ آپ صحن میں ایک تخت پر کھڑے ہیں اور وہ تخت لرز رہا ہے- آپ بڑی پرشوکت آواز میں فرماتے ہیں کہ میری جماعت سے کہہ دو کہ وہ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا و هب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب— یہ دعا بہت کثرت سے سے پڑھیں-میری آنکھ کھلی تو میرے سرہانے ایک لڑکی بیٹھی تھی- غالبا نماز کیلئے جگانے کو، میں نے اس کو یہ خواب سنایا- ایک وقت ایسا آیا چند سال بعد کہ بہت شدید ابتلا اس کو پیش آیا مگر اس نے قابل نمونہ ثابت قدمی دکھلائی- اولاد جو اس کو بہت پیاری تھی چھینی گئی- گھر سے بے گھر ہوئی (کیونکہ شوہر عیسائی ہو گیا تھا اور اس کو بھی ادھر کھینچنا چاہتا تھا) لیکن اس نے دین کو دنیا پر مقدم رکھا- اس کے الفاظ میرے خواب کو سنتے ہی یہ تھے کہ ’’میں آج سے یہ دعا ہرگز نہیں چھوڑوں گی‘‘ پھر اٹھ کر حضرت خلیفہ اوّل کو پہلے میں نے یہ خواب سنایا- آپ نے فرمایا’’میں تو آج سے ہی ضرور خصوصیت سے اس دعا پر زور دوں گا اور درس میں بھی لوگوں سے کہوں گا-‘‘

(تاریخ لجنہ جلد سوم صفحہ ۲۷۰)

## آپ کا ایک رؤیا نبوت کے متعلق

حضرت مسیح موعود کی وفات کے بہت تھوڑے عرصہ کے بعد غالبًا اسی سال میں میں نے دیکھا کہ آپ حجرہ میں کھڑے ہیں، میں بھی پاس ہوں- آپ دروازہ کے قریب ہیں اور باہر نکلنے کو ہیں کہ میں نے سوال کیا (آپ کو ظلی بروزی نبی سمجھتے

ہوئے) کہ ابا! مجھے سمجھا دیں۔ظلی نبی بروزی نبی کس طرح بنتا ہے۔ (دونوں لفظ میں نے خواب میں بولے ہیں) آپ نے دروازے کی دہلیز پر کھڑے ہو کر انگلی خاموشی سے آسمان کی طرف اٹھائی (گویا اشارہ کیا) اور میں نے دیکھا کہ کامل چاند بہت ہی چمک اور آب و تاب سے آسمان پر نظر آ رہا ہے۔ پھر آپ نے انگلی سے نیچے کی طرف اشارہ کیا اور اتنا ہی کہا کہ بس یہ وہی ہے۔'' نیچے میں نے دیکھا تو بجائے فرش کے ایک تالاب ہے۔ جو بہت ہی شفاف آئینہ کی مانند ہے بے حد روشن معلوم ہو رہا ہے۔ اور اندر وہی پورا چاند آسمان والا یعنی اس کا عکس مگر بہت ہی صاف گویا اصل چاند موجود ہے۔ میری آنکھ اس نظارہ کے بعد کھل گئی۔ اور میں نے سوچا کہ آپ نے کیسی واضح مثال دی ہے کہ جس دلِ صافی کے آئینہ میں عشق رسول کے جذب سے اس چاند کا عکس اترا گیا وہ وہی ہو گیا۔ اور خلعتِ نبوت سے نوازا گیا۔

(الفضل، ۳۰۔ اکتوبر ۱۹۶۹)

## ''قبل از وقت ایم ٹی اے کے متعلق آپ کا ایک روٗیا

۲۶ دسمبر ۱۹۷۵ء حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے فرمایا آج رات میں خواب میں قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ رہی تھی

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَ وَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا وَ اٰیَۃً مِّنْکَ وَارْزُقْنَا وَ اَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ (سورہ مائدہ، آیت ۱۱۵)

آپ سیدہ نے یہ خواب لکھوایا اور پھر اس کاغذ پر آپ نے اپنے قلم سے چند جملے لکھے اور دستخط کئے اور حضور خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بھیج دی۔'' (مسودہ صفحہ ۱۷)

## تعبیر الرویا کی ماہر

حضرت سیدہ بیگم صاحبہ خود صاحبِ رویا و کشوف تھیں۔ حضرت مسیح موعود اور اپنے عظیم ترین بھائیوں کی صحبت اور تربیت (خاص کر صاحبزادہ مرزا شریف احمد

صاحب ) سے آپ نے تعبیر الرویا میں بھی بہت ملکہ حاصل کیا- خوابوں کی تعبیر اور تفہیم بہت اچھی کرتی تھیں- جس کا ذکر آپ کی بھتیجیوں بھانجیوں کی تحریرات میں بھی ملتا ہے- مکرم ملک غلام فرید صاحب کے دو خطوط میں ان کے خوابوں کی تعبیریں آپ نے بتائیں-

۱۶-۱۱-۶۵

آپ کا خط ملا- افسوس کہ جواب جلد نہ دے سکی- کیونکہ گلے کی تکلیف وغیرہ سے بیمار رہی آپ خواہ مخواہ وہم میں مبتلا نہ ہوں- آپ کے دونوں خوابوں میں کوئی پہلو بھی تشویشناک نہیں ہے بلکہ مبارک ہیں حج کرنا تو مراد کا بر آنا، نیکی میں ترقی کرنا ہے-

بہر حال اگر بہن، والدہ مبارک سلمہا تعالیٰ نے آپ کو خواب منذر بتا کر وہم ڈال دیا ہے تو دعا کریں اور صدقہ دے دیں- جو بہر حال بہتر ہے ورنہ فکر کی کوئی بات نہیں سب خیر ہے- والسلام مبارکہ

۶۸-۱۱-۱۸ کو ایک اور خط میں ملک صاحب کے نام اپنے ایک خواب کی تفہیم بتاتے ہوئے لکھتی ہیں------ ایک دفعہ بہت سال گزرے خواب میں دیکھا تھا کہ میرا آخری وقت ہے اور کچھ گھبراہٹ محسوس کر رہی ہوں- ایک شخص سامنے آیا اور بڑی تسلی دینے کے طریق سے کہا ' کچھ بھی گھبرانے کی بات نہیں- بالکل نہ ڈرو بس جیسے لاہور میں سو گئے اور دہلی میں آنکھ کھلی-' بس دعا کریں اور یہی دعا ہے کہ اس دنیا میں آنکھ لگے اور اس کی آغوشِ رحمت میں کھلے- آپ کے خط سے عزیزی عبداللہ خاں یاد آ گئے- سارا ابتدائی زمانہ گویا بچپن کا ہی زمانہ یاد آ گیا-----

والسلام مبارکہ

( کتاب مبشرینِ احمد، جلد اول، صفحہ ۲۸۵ تا ۲۸۷، سیرۃ وسوانح حضرت ملک غلام فرید صاحب )

مکرمہ صاحبزادی آپا زکیہ بیگم صاحبہ تحریر کرتی ہیں-

''مجھے اپنا خواب سنانے کا تو یادنہیں آ رہا- البتہ اتنا وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ میری خالہ جان، میرے چھوٹے ماموں حضرت میاں شریف احمد صاحب اور امی جان خواب کی تعبیر بہت دور اندیشی سے کرتے تھے- اور ہمیشہ خوش کن اور مبشر پہلو تلاش کرتے نہ کہ منذر پہلو-

# آپ کا پاکیزہ بچپن اور حضرت مسیح موعود کی محبت و شفقت

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ سے حضرت اقدس ہمیشہ نہایت درجہ شفقت اور محبت فرماتے۔ حضرت سیدہ فرماتی ہیں کہ ”آپ نے بچپن سے مجھ پر بے حد شفقت فرمائی حتی کہ حضرت اماں جان بھی مناسب تربیت کیلئے کچھ کہتیں تھیں تو آپ ان کو بھی روکتے تھے کہ اس کو کچھ نہ کہو ہمارے گھر چند روز کی مہمان ہے ہمیں کیا یاد کرے گی۔ میں چھوٹی تھی تو رات کو ڈر کر آپ کے بستر میں جا گھستی تھی۔ جب ذرا بڑی ہونے لگی تو آپنے فرمایا کہ جب بچے بڑے ہونے لگتے ہیں (اس وقت میری عمر کوئی پانچ سال کی تھی) تو پھر بستر پر اس طرح نہیں آ گھسا کرتے میں تو اکثر جاگتا رہتا ہوں تم چاہے سو دفعہ مجھے آواز دو میں جواب دوں گا اور پھر تم نہیں ڈرو گی۔ اپنے بستر سے مجھے پکار لیا کرو۔ پھر میں نے بستر پر کود کر آپ کو تنگ کرنا چھوڑ دیا۔ جب ڈر لگتا پکار لیتی آپ فوراً جواب دیتے پھر خوف و ڈر لگنا ہی ہٹ گیا۔ میرا پلنگ آپ کے پلنگ کے پاس ہی ہمیشہ رہا بجز چند دنوں کے جب کھانسی ہوتی تو حضرت اماں جان بہلا پھسلا کر ذرا دور بھجوا دیتی تھیں کہ تمہارے ابا کو تکلیف ہو گی۔ میں جلد پھر آ جاتی تھی مگر آپ خود اٹھ کر سوئی ہوئی کا سر اٹھا کر ہمیشہ کھانسی کی دوا مجھے پلاتے تھے۔ آخری شب جس روز آپ کا وصال ہوا میرا بستر آپ کے قریب ہی تھا کہ بس ایک آدمی ذرا گزر سکے اتنا فاصلہ ضرور ہوتا تھا۔

(الفضل جلسہ سالانہ نمبر ۱۹۶۸ء صفحہ ۲)

اس سلسلے میں آپ نے فرمایا

ایک بار میرے چھوٹے بھائی صاحب حضرت مرزا شریف احمد صاحب نے کہ

وہ بھی آخر بچہ ہی تھے اصرار کیا کہ میرا پلنگ بھی ابا کے قریب بچھا دیں مگر میں نے اپنی جگہ چھوڑنا نہیں مانا- حضرت اماں جان نے فرمایا یہ ہمیشہ ہی لیٹتی ہے، کیا ہو گیا اگر شریف کا بھی دل چاہتا ہے، ایک دو دن یہ اپنی ضد ذرا چھوڑ دے بھائی کو لیٹنے دے تو کیا حرج ہو جائے مگر حضرت مسیح موعود نے فرمایا نہیں- یہ لڑکی ہے اس کا دل رکھنا زیادہ ضروری ہے حالانکہ حضرت اماں جان کی خاطر آپ کو بہت عزیز رہتی تھی- حضرت اماں جان چھوٹے بھائی کو لے کر اس رات ان کی دلداری کے لئے خود بھی بیت الدعا میں زمین پر ان کو ساتھ لے کر سوئیں مگر میرا بستر وہیں رہا- لیکن مجھے یاد ہے کہ اس بات پر، پھر میرا دل بھی دکھا اور ندامت محسوس ہوئی-

(الفضل، جلسہ سالانہ نمبر، ۱۹۶۸)

آپ نے مزید فرمایا ''لڑکیوں کے معاملے میں آپ کی تربیت ایسی تھی کہ باوجود تھوڑا فرق ہونے کے ایک دفعہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی بھائی نے مجھے مارنا تو درکنار ستایا بھی ہو-''

(مصباح، نومبر ۱۹۶۰)

اتنی نازبرداری کی اس قدر دلداری کی اتنا میرا خیال کیا، میرا ہر کہنا کیا کہ وہ زمانہ پھر مجھ سے بھلایا نہ جا سکا اور یہ احسان بھی آپ کے ہزاروں روحانی و جسمانی احسانوں کے ساتھ میرے لیے رحمت بن کر رہ گیا- ثم الحمدللہ-''

آپ نے فرمایا ''اکثر ایسا ہوا کہ والدہ صاحبہ فرماتیں، دیکھو تو کتنی متکبر ہو گئی ہے چاہتی ہے جو میری زبان سے نکلے اسی وقت ہو جائے، آپ ہنس کر فرماتے یہ تکبر نہیں اس کو تکبر کون کہتا ہے یہ تو کبریائی ہے-

یہ کلمات میں نے آپ سے بارہا سنے- بچپن میں ان کو سن کر دل خوشی سے ہنستا تھا- اب جب یاد آئی چپکے چپکے رو دیئے-----''

(مصباح، نومبر ۱۹۶۰، صفحہ ۴۲)

میں پیسے مانگتی جو پہلی بار ہاتھ میں آ جاتا پکڑا دیتے جو اکثر میری طلب سے زیادہ ہوتا تھا آپ فرماتے کہ تمہاری قسمت ہے تھوڑا مانگتی ہو بہت ہاتھ میں آ جاتا ہے اب یہی لے لو میں واپس کیوں رکھوں- ایک بار میں نے دو آنے مانگے، روپیہ نکالا اور فرمایا، مانگے دو آنے نکل آیا روپیہ، یہ تو تمہاری قسمت ہے-''

(الفضل، جلسہ سالانہ نمبر، ۱۱-جنوری ۱۹۶۸)

صاحبزادی آپا محمودہ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں ''حضرت مسیح موعود کو امی جان سے جو محبت تھی ان کی چھوٹی بڑی خواہشوں اور ضدوں کو پورا کرنا- ان کا ذکر امی ایسے انداز اور الفاظ میں کرتیں کہ سننے والے کی آنکھوں کے سامنے وہ پیارا نقشہ پھر جاتا- گویا وہ لاڈ پیار ہم خود دیکھ رہے ہیں- دل سرور سے بھر جاتا-''

(مصباح دسمبر ۷۷ جنوری ۷۸ صفحہ ۳۷)

آپ نئی سے نئی فرمائش کرتیں اور خدا تعالیٰ اپنے فضل سے پوری کرتا- فرماتی ہیں:

''میں بالکل چھوٹی تھی گرمیوں کی دوپہر میں ہم سب نیچے کے کمروں میں رہا کرتے تھے بلکہ سردی کی راتیں بھی مجھے ان کمروں میں سونا یاد ہے پھر پلیگ جب ملک میں پھیلی تو آپ نے نیچے کی رہائش ترک کر دی تھی- میں نے کہا مجھے لیچیاں دیں مگر قادیان میں ہر چیز کہاں ملتی اور نہ ابھی تک کہیں باہر سے آئی تھیں- حضرت اماں جان نے فرمایا اس کی باتیں تو دیکھیں، بے وقت لیچیوں کی فرمائش اب کر رہی ہے- میں خفا سی ہو کر، دوسرے کمرے میں جا کر لیٹ رہی اور سو گئی- وہ کمرہ تھا جو ہمارے قادیان والے گھر کے صحن میں داخل ہو کر بائیں ہاتھ ایک برآمدہ اور پیچھے کمرہ ہے اس کے ساتھ ہی گول کمرہ ہے- مگر آپ کو کیا سمجھ میں آئے گا؟ سوتے سوتے میری آنکھ کھلی، تو آپ مجھے دونوں ہاتھوں پر اٹھائے لئے جا رہے تھے- جا کر مجھے گود سے اتار کر بھرے ہوئے لیچیوں کے ٹوکرے کے پاس بٹھا کر کہا لو کھاؤ- اور حضرت اماں جان سے فرمایا

کہ دیکھو یہ چیز مانگتی ہے اور اللہ تعالیٰ بھیج دیتا ہے- خدا تعالیٰ مجھے دعاؤں کی توفیق بخشتا رہے اور میری دعاؤں کو اپنی رحمت و کرم کے واسطے سے قبولیت کا شرف بخشے- وہ تو بچپن کا زمانہ تھا معصومیت کا زمانہ تھا-"

(الفضل، جلسہ سالانہ نمبر، ۱۹۶۸ء)

اسی طرح حضرت سیدہ چھوٹی آپا صاحبہ فرماتی ہیں درج ذیل واقعہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ سے بارہا سنا ہے اور ہر بار سن کر دل ایک نئی کیفیت سے دوچار ہوتا رہا ہے آپ نے فرمایا:

"قادیان میں اس زمانہ میں ڈبل روٹی کہاں تھی؟ دودھ اور ساتھ مٹھائی یا پراٹھا ہم لوگوں کو ناشتہ ملتا تھا- چائے کا بھی باقاعدگی سے کوئی رواج نہ تھا- ڈبل روٹی کبھی تحفتہً لاہور سے آ جاتی تھی- ایک روز کا واقعہ ہے صبح کا وقت تھا حضرت مسیح موعود باہر مردوں کے ہمراہ سیر کو تشریف لے گئے تھے- اصغری کی اماں جنہوں نے گیارہ سال حضرت مسیح موعود کا کھانا پکانے کی خدمت بہت اخلاص سے کی- کھانے کی تیاری میں مصروف تھیں اور حضرت اماں جان بھی ان کے پاس باورچی خانہ میں جو اس وقت ہمارے صحن کا ایک کونہ تھا کوئی خاص چیز پکانا یا پکوانا چاہتی تھیں- اصغری کی اماں نے دودھ کا پیالہ اور دو توس کشتی میں لگا کر دیئے کہ "لو بیوی ناشتہ کر لو" میں نے کہا مجھے توس تل کر دو مجھے تلے ہوئے توس پسند تھے- انہوں نے اپنے خاص، منت درآمد والے لہجے میں کام کا عذر کیا اور حضرت اماں جان نے بھی فرمایا اس وقت اور بہت کام ہیں اس وقت اسی طرح کھا لو- تل کر پھر سہی- میں سن کر چپکی چلی آئی اور اس کمرہ میں، جو اب حضرت اماں جان کا کمرہ کہلاتا ہے- کھڑکی کے رخ (اب وہ کھڑکی بند ہو چکی ہے اور وہاں غسل خانہ بن گیا ہے) ایک پلنگ بچھا تھا اس پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئی- دل میں یقین تھا کہ دیکھو میرے ابا آتے ہیں اور ابھی سب ٹھیک ہو جائے گا- دیکھوں کیسے نہیں تلے جاتے میرے توس- جلد ہی حضرت مسیح موعود سیر سے تشریف لے

آئے۔ کمرہ میں داخل ہوئے صرف میری پشت دیکھ کر روٹھنے کا اندازہ کر لیا اور اسی طرح خاموش واپس صحن میں تشریف لے گئے۔ باہر جا کر پوچھا ہوگا اور جواب سے تفصیل معلوم ہوئی ہوگی میں تھوڑی دیر میں ہی کیا دیکھتی ہوں پیارے مقدس ہاتھوں میں سٹول اٹھائے ہوئے آئے اور میرے سامنے لا کر رکھ دیا۔ پھر باہر گئے اور خود ہی دونوں ہاتھوں میں کشتی اٹھا کر لائے اور سٹول پر میرے آگے رکھ دی جس میں میرے حسب منشا تلے ہوئے توس اور ایک کپ دودھ کا رکھا تھا اور فرمایا ''لو اب کھاؤ'' میں ایسی بدتمیز نہ تھی کہ اس کے بعد بھی منہ پھولا رہتا، میں نے فوراً کھانا شروع کر دیا۔

آج تک، جب بھی یہ واقعہ، وہ خاموشی سے سٹول سامنے رکھ کر اس پر کشتی لا کر رکھنا، یاد آتا ہے اور اپنی حیثیت پر نظر جاتی ہے تو آنسو بہہ نکلتے ہیں بڑے ہو کر ٹیسٹ بدل جاتے ہیں۔ مگر اس یاد میں، اب تک میں، بہت چاہت سے تلے ہوئے توس کبھی کبھی ضرور کھاتی ہوں۔

(مصباح، نومبر ۱۹۶۰ء، صفحہ ۴۲-۴۳)

اسی طرح صاحبزادی امتہ الشکور (شکری) کہتی ہیں کہ بڑی امی (حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ) نے ایک مرتبہ مجھے بتایا کہ ''میں بچپن میں ایک دفعہ حضرت اماں جان سے ناراض ہوگئی کیونکہ میں ان سے بار بار کہتی تھی کہ مجھے بھوک لگ رہی ہے مجھے پراٹھا پکوا دیں اور اس کے اوپر ملائی اور بورا (پسی ہوئی چینی) ڈال کر مجھے دیں۔ حضرت اماں جان اس وقت انگیٹھی پر حضرت مسیح موعود کا کھانا اپنے سامنے خادمہ سے پکوا رہی تھیں کہنے لگیں صبر کرو اس وقت نہ چولھا فارغ ہے نہ مائی۔ تمہارے ابا کا کھانا پک جائے تو پھر تمہارے لئے پراٹھا پکوا دوں گی۔ میں ناراض ہو کر اندر جا کر منہ سر لپیٹ کر لیٹ گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد حضرت مسیح موعود تشریف لائے اور مجھے اس طرح بے وقت لیٹا دیکھ کر حضرت اماں جان سے پوچھا کہ مبارکہ کو کیا ہوا ہے۔ حضرت اماں جان نے وجہ بتائی تو فوراً ہانڈی اتروائی اپنے سامنے پراٹھا پکوایا اوپر ملائی اور بورا

ڈالی اور ٹرے میں رکھ کر میرے پاس لائے اور فرمایا مبارکہ اٹھو دیکھو تمہارے لئے کھانا لے آیا ہوں- میں فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی کہ اتنی بڑی ہستی میرے معزز باپ میرے لئے خود کھانا لائے ہیں- میں نے فوراً ٹرے سامنے رکھ کر کھانا شروع کر دیا- میں جب تک کھاتی رہی آپ وہیں بیٹھے مجھے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے رہے-

باوجود اتنی ناز برداری اور دلداری کے آپ تربیتی پہلو کو بالکل نظر انداز نہیں کرتے تھے- مگر نوک جھوک اور سختی اس میں نہیں ہوتی تھی- کہانیوں میں اچھے پہلو کی طرف مثال دے کر توجہ دلاتے-

کسی کے بھی ذکر پر نصیحت کی بات کان میں ڈال دینا یہ آپ کا طریق تھا ''حاسد محسود'' کی کہانی ہم نے آپ سے اکثر سنی اور آپ فرماتے کہ خدا محسود بنائے حاسد نہ بنائے- اس کے علاوہ کہانیاں ولیوں کی، نبیوں کے قصے ہوتے- حضرت یوسف کی کہانی بہت دفعہ سنائی- میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ جو کسی کی تذلیل کرتا اور تمسخر سے ہنسی اڑاتا ہے وہ نہیں مرتا، جب تک کہ وہ بات اس پر وارد نہ ہو جائے- ایسی باتیں سن کر خوف دل پر چھا جاتا کہ ہم نے اب کسی کو کچھ کہا اور پکڑے گئے-''

تربیت کا ایک واقعہ تحریر کرتی ہیں-

''غرض میں نے آپ کا نرمی اور محبت کا ہی برتاؤ دیکھا، اور اپنے ساتھ بہت زیادہ رہا، خاص رحمت و شفقت خصوصاً دیکھی اور عام طور پر بھی، ظاہر ہے کہ آپ ابر رحمت ہی تھے اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ ایسے معاملات میں بھی کسی کو تنبیہہ نہ فرماتے، جہاں غفلت کر جانا اس کو زیادہ بگاڑ دے، یا دوسروں کے لئے برانمونہ بنے، اگر کوئی ایسی جائز شکایت، کسی ہمارے گھر میں، یا قریب رہنے والوں میں سے کسی کی آپ کو تحقیق سے پہنچتی، جو اس گھر کے خلافِ شان حرکت کے امکان کی بھی ہو، تو فوراً اس پر توجہ فرما کر اس کی اصلاح، نصیحت اور جہاں تک میں نے دیکھا نرم سزا سے، ضرور فرماتے- عورتوں، لڑکوں اور لڑکیوں کے معاملہ میں آپ کا اصول میں نے یہی

دیکھا۔“

اپنے دو تین واقعات مجھے خوب یاد ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ایک لڑکی مجھ سے عمر میں بڑی، کافی شریف، ہمارے گھر میں رہتی تھی۔ نیک تھی مگر ذرا شوخ طبع، اس کی شکایت بعض بڑی بوڑھیوں نے کی کہ، حضرت یہ لڑکی کھڑکی میں بے حجاب کھڑی ہو جاتی ہے اور اکثر باہر دیکھتی رہتی ہے۔ غالبًا یہ بیت الفکر کی کھڑکی تھی آپ نے اسی وقت اس لڑکی کو بلایا بہت نصیحت کی اور کہا اب تمہاری یہ سزا ہے کہ نہ تم میری لڑکی یعنی عاجزہ (حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ) سے بات کر سکتی ہو اور نہ اس سے کھیل سکتی ہو۔ جب تک تم توبہ نہ کرو۔ چار پانچ دن تک وہ اکثر روتی ہی رہی۔ میں نے اس سے تنہائی میں بھی روتے دھوتے دیکھ کر، بات کبھی نہ کی، حالانکہ بچپن میں یہ غفلت ہو سکتی تھی۔

آخر ایک دن اس نے رو دھو کر آپ سے معافی مانگی، اور آپ نے معاف فرما دیا۔ مجھے ایک خادمہ لڑکی، آپ کی طرف سے، بلا کر لے گئی، جب میں گئی تو آپ نے مجھے فرمایا اب تم اس سے بول سکتی ہو اور کھیل سکتی ہو اس نے توبہ کر لی ہے۔ واضح رہے کہ پہلی بار صرف اس سے مخاطب ہو کر کہا تھا کہ تم میری لڑکی سے بات نہیں کر سکتی اور میں نے خود ہی بولنا چھوڑ دیا تھا۔ دوسری بار معافی کے بعد مجھے بلا کر معافی کا بتلا کر فرمایا کہ اب بے شک اس سے بولو۔

غرض آپ ایسے امور کو ٹال کر، ہرگز مرض کو بڑھنے نہ دیتے تھے۔ بلکہ ”قصہ زمین بر سر زمین“ فوری کارروائی ہو جاتی۔ اس وقت جو نیک روحیں تھیں، ان کے لئے، ایسے چند الفاظ، نصیحت، رنج و ناراضگی بدظنی سے آپ کو شدید نفرت تھی مگر جب کوئی بات کھل گئی تو پھر اس سے اعراض کرنا یا دبانا آپ کو پسند نہ تھا۔

(مصباح، نومبر ۱۹۶۰، صفحہ ۳۷)

اپنے نام، حضرت مسیح موعود کے ایک خط کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں ”میری

نظر میں وہی زمانہ پھر رہا ہے جب آپ کے وصال کا وقت قریب تھا- الہام الٰہی واپسی کا اشارہ کر رہے تھے- حضرت اماں جان اکثر اداس ہو جاتی تھیں، انہی ایام گرما ۱۹۰۷ء میں چند روز کے لئے گھبرا کر حضرت بڑے ماموں جان کے ہاں لاہور تشریف لے گئیں- حضرت مسیح موعود کے خطوط آتے تھے کہ جلد آ جائیں- اور خطوط میں بھی ایسا ہی اشارہ ہے- آپ نے لکھا ہے کہ تمہارا بھی مجھے بہت خیال ہے مگر میرے مولا کریم کا حکم مل چکا ہے وغیرہ-

مجھے بھی آپ کا ایک خط ملا جس میں مجھے میری لخت جگر مبارکہ کے القاب سے نوازا اور لکھا تھا کہ گرمی بہت ہے تم سب کے بغیر میں اداس ہوں اپنی اماں کو لیکر تم جلد آ جاؤ- افسوس کہ چاؤ کے مارے خط کو اٹھائے پھری صدری کی جیب میں رکھ لیا- (میری عادت تھی کہ اکثر گرمی میں بھی صدری پہنے رکھتی تھی) یا شاید حضرت اماں جان نے رکھ لیا ہو- مگر وہ خط مجھے ملا نہیں حضرت اماں جان کے خطوں میں بھی-"

(مصباح سالنامہ ۱۹۷۰ء)

حضرت اماں جان کی مبارک احمد کی وفات کے بعد، باوجود بے نظیر صبر کے، کچھ طبیعت خراب رہتی، اور زیادہ تر ان پر اثر آپ کی قرب وفات کی پیشگوئیوں کا تھا- گھبراہٹ اداسی اکثر رہتی تھی- آپ نے حضرت اقدس سے کہا چند دن کیلئے لاہور چلیں- حضرت اقدس جانا نہیں چاہتے تھے- میں حجرہ میں گئی ایک دن تو لاہور کی بابت ذکر تھا- نانا جان، حضرت بھائی صاحب، سب موجود تھے- حضرت اقدس کے دل میں رکاوٹ تھی جب میں جا کر بیٹھ گئی تو آپ نے میرے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا جاؤ تم سب ذرا پھر آؤ میری بیٹی میرے پاس رہے گی- میرا دل کسی اور بات سے اس دن کسی سے خفا ہو کر بھرا ہوا تھا- آپ کا سر پر پیار سے ہاتھ پھیرنا تھا کہ میں رو پڑی آپ نے کہا- تم رونے لگیں- تم میرے پاس نہیں رہو گی؟ پھر میں نے بتایا کہ اس طرح منجھلی بھابھی جان نے کہا تھا کہ تم پڑھنے میں دیر لگا دیتی ہو- ہم سے اتنا انتظار کھانے پر نہیں

ہوتا- میں تو اس لیئے روئی تھی- آپ نے پھر پیار سے دلاسا دیا اور کہا کہ تم ان کے ساتھ کیوں کھاؤ- تم میرے ساتھ ہی کھایا کرو اور یہ ڈاک ہے لو اس کو پڑھو خطوط اور اخبار تھے اور یہاں میرے پاس بیٹھو- میں وہاں بیٹھی پڑھتی رہی- شام کو میری بھابھی جان جن کا دل بہت صاف تھا خود ہی آئیں اور دروازے کے باہر سے پکار کر کہا- آج باہر نہیں آنا- اب آجاؤ نا- حضرت اقدس نے فرمایا اچھا اب جا کر ذرا کھیل لو-

(مصباح سالنامہ ۱۹۷۰ء صفحہ ۲۷)

## ایک پچھتاوا

حضرت مسیح موعود جب آخری مرتبہ لاہور تشریف لائے اس قیام کا ایک واقعہ حضرت سیدہ بیان کر رہی ہیں-

''حضرت اماں جان نیچے خواجہ صاحب کے صحن میں تھیں- میں بھی تھی حضرت اماں جان نے کسی کپڑے والے کو بلوایا تھا اور میرے جہیز کیلئے کچھ کپڑا خرید رہی تھیں- حضرت مسیح موعود میرے نزدیک آئے اور کہا تمہاری ماں تمہارے لیے ریشم وغیرہ لے رہی ہیں- ہمیں تو بنارسی کپڑا پسند ہے- یہ تھان بنارسی جو رکھے ہیں جس پر تم ہاتھ رکھو گی- وہ اپنے پاس سے خود تم کو لے کر دوں گا- مجھے باتوں سے تو پتا لگ گیا تھا کہ میری شادی کے لیے اماں جان کپڑے پسند کر رہی ہیں اتنی شرم آئی کہ بول نہ سکی آج تک پچھتاتی ہوں وہ تو خاص تبرک اور تحفہ ہوتا آپ کی پسند دیکھ کر حضرت اماں جان نے بنارسی بھی لیا ہوگا مگر وہ خاص آپ کا کہنا اور لینا- وہ بات کہاں-

(مصباح سالنامہ ۱۹۷۰ء)

حضرت اماں جان بہت زیادہ شفقت و محبت فرماتی تھیں مگر آخر ماں تھیں وہ تربیت اپنا فرض جانتی تھیں- کبھی کبھی فرماتیں تھیں کہ اتنی ناز برداری لڑکیوں کی ٹھیک نہیں ہوتی- نہ معلوم اس کی قسمت کیسی ہو آپ فرماتے ''تم فکر نہ کرو خدا شکر خورے کو شکر دیتا ہے'' یہ الفاظ آپ کے مجھے یاد ہیں- اماں جان مجھ کو نہلاتیں- اور نہلانے کے

وقت اکثر میں چیخ کر ابا کو پکارتی- آپ اماں جان سے کہتے اسے تنگ نہ کرو- آپ فرماتیں لڑکی ذات ہے بدن نہیں ملواتی کہنیاں کالی رہ جائیں گیں- آپ فرماتے نہیں رہیں گی چھوڑ دو- یہ بھی فرماتے کہ لڑکی ہے آخر ہمارے پاس چند دن کی مہمان ہے- یہ کیا یاد کرے گی- یہی خاص ناز برداری اور خیال کا اثر بھائیوں نے لیا تھا- ایک بار کوئی ذرا سی بات بھی ایسی یاد نہیں کہ کسی بھائی نے ستایا ہو- حضرت بڑے بھائی صاحب کو تو بچپن سے ہی میں حضرت مسیح موعود کی جگہ جانتی تھی- جس وقت آپ موجود نہ ہوتے ان کے پاس فریاد کی انہوں نے فوراً میرا کہنا کیا- میں چھوٹی سی تھی بھائی پیار کرتے- ہر کہنا مانتے- ادھر حضرت اماں جان کا پیار اور سب سے بڑھ کر حضرت مسیح موعود کی ناز برداری اور بے حد خیال رکھنا- میرا مزاج خراب تھا- ایک ساتھ کھیلنے والی بچی نے کہنا نہ مانا- اس سے روٹھ گئی اور چھوٹے بھائی حضرت مرزا شریف احمد جو ساتھ کھیل رہے تھے میں نے ان سے کہا اس سے تم بالکل نہ بولنا- میں اس سے نہیں بولتی- چھوٹے بھائی صاحب بھول کر اس سے بول پڑے- میں نے ایک چیخ ماری پٹخنی کھائی صدمہ ہوا کہ (رونے میں اکثر بچوں کے سانس رک جاتے ہیں) سانس رک گیا حضرت اماں جان بھاگ کر آئیں گود میں اٹھا کر لائیں دکھ پوچھا کیا ہوا وغیرہ میں نے روتے ہوئے کہا- کہ میں ایک لڑکی سے خفا تھی میں نے روکا تھا- ہائے میرا بھائی ہو کر اس سے کیوں بولا پھر رونے لگی- حضرت اماں جان نے رونا شروع کیا- کسی خاص جذبہ کے تحت مولویانی صاحبہ (حضرت مولوی عبدالکریم کی بیوی) نے بھی رونا شروع کیا- حضرت مسیح موعود غالباً عصر کی نماز کے بعد باہر تشریف لائے اور یہ نقشہ آہ و زاری کا دیکھ کر گھبرا گئے اور اب تک مجھے یاد ہے- آپ کہہ رہے تھے- کیا مبارکہ کو چوٹ لگی ہے اس کو تکلیف ہے بتاؤ حضرت اماں جان نے اسی طرح مجھے گود میں لیے لیے روتے روتے بتایا کہ چوٹ نہیں لگی میں اس لیے رو رہی ہوں کہ یہ بچی جو بھائیوں کے پیار میں کسی کی شرکت برداشت نہیں کر سکتی- شریف ایک لڑکی سے بول پڑا جس

سے بولنے سے اس نے روکا تھا- اس کی رو رو کر غشی کی سی حالت ہوگئی- ایسی پر اگر سوکن آ جائے تو یہ کس طرح برداشت کرے گی آپ نے فرمایا اور کافی بلند پرجوش مگر تسلی بخش آواز سے کہ ''اس پر ہرگز سوکن نہیں آئے گی اس بات کا کوئی فکر نہ کرو'' سامنے چھوٹے بھائی بھورے بھورے بالوں والا سر ہلا ہلا کر کہہ رہے تھے- میں تو بھول کر بولا تھا- میں تو بھول کر بولا تھا- خیر اس وقت میرا دل سب کی یادوں میں ایک خاص درد سے بھر گیا ہے اچھا السلام علیکم رخصت خدا حافظ

یاد نہ کر دل حزیں بھولی ہوئی کہانیاں

(دسمبر ۱۹۷۲ء صفحہ ۲۱، ۲۲)

فرماتی ہیں ایک دفعہ میں نے دو سونے کی چوڑیاں پہنی ہوئی تھیں حضور نے فرمایا کہ ساتھ چاندی پہنا دو ٹھنڈی ہوتی ہے-''

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۲۱)

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں-

''مجھے یاد ہے جب ہم چھوٹے بچے تھے تو ایک دفعہ ہماری ہمشیرہ مبارکہ کو لڑکیوں نے کھیلتے ہوئے طاقچہ میں بند کر دیا اور خود ادھر کھیل میں مشغول ہو گئیں- اپنے آپ کو ایک طاقچہ میں بند دیکھ کر وہ رونے لگیں اور کافی دیر تک روتی رہیں مگر وہ لڑکیاں چلی گئی تھیں اس لئے کسی نے دروازہ نہ کھولا- کچھ وقت گزرنے کے بعد اتفاقاً وہاں سے ایک شخص گزرا اور اسے جب معلوم ہوا کہ اندر کوئی لڑکی رو رہی ہے تو اس نے دروازہ کھولا اور یہ باہر نکل آئیں- مجھے یاد ہے اس واقعہ کا سالہا سال تک ہماری والدہ صاحبہ کے دل پر اثر رہا بلکہ ایک دفعہ دس بارہ سال کے بعد میں نے والدہ سے سنا کہ وہ کہہ رہی تھیں مرا دل گھٹ رہا ہے اور جب میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے تو فرمانے لگیں مجھے اس واقعہ کا خیال آ گیا ہے جب لڑکیوں نے مبارکہ کو طاقچہ میں بند کر دیا تھا مجھے یہ خیال آ رہا ہے کہ اس وقت وہ اپنے دل میں کیا کہتی ہو گی کہ میں اندر ہی مر

جاؤں گی اور مجھے کوئی نکالنے والا نہیں آئے گا۔‘‘

(خطبات محمود جلد دوم صفحہ ۲۱۹)

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اتنی بھولی تھیں کہ کھیلتے ہوئے لڑکیوں نے طاقچے میں بند کر دیا اور وہ یہ ہی سوچتی رہیں کہ ابھی کھیل کھیل میں کھولیں گی۔ اس بات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنی ہم عمر بچیوں میں بے تکلفی سے کھیلتی تھیں یہ نہیں کہ میں حضرت مسیح موعود کی بیٹی ہوں۔ میں ان کے ساتھ کیسے بے تکلف ہو جاؤں۔

# حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی شادی

حضرت مسیح موعود نے آپ کا نکاح ۱۷ فروری ۱۹۰۸ء کو خدائی بشارتوں کے بموجب کیا۔

آپ کا رخصتانہ ۱۴ مارچ ۱۹۰۹ء کو ہوا۔

آپ کی شادی کس خوش قسمت سے ہوئی؟

کس خاندان کے تھے؟

کیا کرتے تھے؟

ان کا دینی و دنیاوی کیا مقام تھا؟

وہ کیسے شوہر ثابت ہوئے؟

تمام سوالوں کا جواب آگے پڑھیئے

# حضرت نواب محمد علی خاں صاحب

## کے مختصر اور جامع حالات

حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کے مختصر اور جامع حالات اس کتاب میں اس لئے شامل کئے جا رہے ہیں تا کہ پتہ چل سکے کہ وہ کون خوش قسمت تھا جس سے حضور نے اپنی لخت جگر سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا نکاح کیا- بلکہ حضور کے پانچ بچوں میں سے تین ان کے گھر بیاہے گئے-

حضور نے دوسرے صاحبزادے حضرت مرزا شریف احمد صاحب کا نکاح نواب صاحب کی بیٹی بو زنیب صاحبہ سے کیا اور حضور کی دوسری صاحبزادی حضرت سیدہ امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کا نکاح حضرت نواب صاحب کے بیٹے حضرت نواب محمد عبد اللہ خاں صاحب سے ہوا-

حضور کے پانچ بچوں میں سے تین بچے نواب محمد علی خاں صاحب سے منسوب ہونے پر حضرت سیدہ خود حیران ہوتے ہوئے تحریر کرتی ہیں-

''اس زمانے میں یہ کس قدر خلاف قیاس بات معلوم ہوتی ہو گی- مگر آج ہم تین بہن بھائیوں کے رشتے جو ہوئے (یعنی ہم دونوں بہنیں دونوں باپ بیٹے کے نکاح میں آئیں اور حضرت چھوٹے بھائی صاحب کی شادی ان کی بیٹی بوزینب سے ہوئی اس کے ثمر ہماری اولادیں در اولادیں ملا کر اس وقت (یعنی ۱۹۶۱ء) تہتر نفوس ہیں (ماشاء اللہ) جو نواب صاحب اور ان کے آقا حضرت مسیح موعود کی مشترکہ نسل ہیں- اللهم زدفزد---- فقط مبارکہ-

(کتاب دخت کرام صفحہ ۸۱)

۸ ستمبر ۱۹۹۹ء تک کا تازہ ترین شجرہ جو صاحبزادی محمودہ بیگم صاحبہ نے بنا کر دیا کے مطابق اب تین سو چودہ نفوس ہیں اللھم زدفزد یہ شجرہ آخر میں دیا جا رہا ہے۔

یہ زمانہ کونسا ہے جس کا ذکر حضرت سیدہ نے فرمایا یہ وہ زمانہ ہے جب حضرت مسیح موعود نے نواب محمد علی خاں صاحب کی درخواست دعا کے خط کے جواب میں ۲۲ دسمبر ۱۸۹۱ء کو لکھا۔

''ایک دعا کے وقت کشفی طور پر مجھے معلوم ہوا کہ آپ میرے پاس موجود ہیں اور ایک دفعہ گردن اونچی ہوگئی اور جیسے اقبال اور عزت کے بڑھنے سے انسان اپنی گردن کو خوشی کے ساتھ ابھارتا ہے ویسی ہی صورت پیدا ہوگئی میں حیران ہوں کہ یہ بشارت کس وقت اور کس قسم کے عروج سے متعلق ہے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کے ظہور کا زمانہ کیا ہے مگر میں کہہ سکتا ہوں کہ کسی وقت میں کسی قسم کا اقبال اور کامیابی اور ترقی اور عزت اللہ جل شانہ کی طرف سے آپ کیلئے مقرر ہے۔ اگرچہ اس کا زمانہ۔ نزدیک ہو یا دور ہو۔ سو میں آپ کے پیش آمدہ ملال پر گو پہلے غمگین تھا مگر آج خوش ہوں کیونکہ آپ کے مال کار کی بہتری کشفی طور پر معلوم ہو گئی۔ واللہ اعلم بالصواب----

(مکتوب نمبر۳ اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۲۱۵ پرانا ایڈیشن)

۱۸۹۴ء میں حضرت مسیح موعود نے نواب صاحب کیلئے فرزند کا لفظ استعمال فرمایا اور پورے چودہ برس بعد ظاہراً بھی نواب صاحب حضور کی فرزندی میں آ گئے اور اس طرح حضور کا لکھا بعینہ پورا ہوا۔ نواب صاحب کی محبت و اخلاص کے جذبات سے پر خط میں حضور تحریر فرماتے ہیں ''جو کچھ آپ نے اپنی محبت اور جوش سے لکھا ہے۔ درحقیقت مجھ کو یہی امید تھی اور میرے ظاہری الفاظ صرف اس غرض سے تھے کہ تا میں لوگوں پر یہ ثبوت پیش کروں کہ آں محبّ اپنے دلی خلوص کی وجہ سے نہایت استقامت پر ہیں۔ سو الحمدللہ کہ میں نے آپ کو ایسا ہی پایا میں آپ سے ایسی محبت رکھتا ہوں جیسا

کہ اپنے فرزند عزیز سے محبت ہوتی ہے اور دعا کرتا ہوں کہ اس جہاں کے بعد بھی خدا تعالیٰ ہمیں دارالسلام میں آپ کی ملاقات کی خوشی دکھاوے۔‘‘

(مکتوب غیر مطبوعہ اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۶۷۷)

نواب صاحب کے متعلق حضور کو کشفی طور پر حجتہ اللہ کا خطاب بھی الہام ہوا۔

نیز نواب صاحب کے متعلق حضور نے فرمایا مجھے ایسے شخص کی خوش قسمتی پر رشک ہے جس کا ایسا صالح بیٹا ہو کہ باوجود بہم پہنچنے تمام اسباب اور وسائل غفلت اور عیاشی کے اپنے عنفوان جوانی میں ایسا پرہیز گار ہو۔‘‘

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۶۱۱ ازالہ ادہام)

نواب صاحب کے متعلق یہ خدائی بشارتیں تھیں جو مسیح زماں کی زبان اور قلم سے خدا تعالیٰ نے نکلوائیں۔ ورنہ ان خطوط کے زمانے تک حضرت مسیح موعود کے وہ تینوں بچے پیدا بھی نہیں ہوئے تھے جن کی وجہ سے حضور سے تعلق قائم ہونے پر کشفی طور پر گردن فخر اور عزت سے بلند ہوتی دکھائی گئی اور خدا تعالیٰ نے حضرت اقدس کے قلم سے فرزند عزیز کا لفظ لکھوایا۔

آیئے اس خوش قسمت انسان کے بارے میں مختصر تعارف حاصل کریں۔

# حضرت نواب صاحب کی مختصر سیرۃ وسوانح

حضرت نواب محمد علی خاں صاحب یکم جنوری ۱۸۷۰ بمطابق ۲۸ یا ۲۹ رمضان ۱۲۸۶ھ مالیر کوٹلہ کے رئیس نواب غلام محمد خاں صاحب کے گھر مالیر کوٹلہ میں پیدا ہوئے- آپ کے خاندان کے بارے میں حضرت مسیح موعود نے ازالہ اوہام صفحہ ۷۸۷، ۷۸۸ پر لکھا ہے- ''حبی فی اللہ نواب محمد علی خاں صاحب رئیس خاندان ریاست مالیرکوٹلہ- یہ نواب صاحب ایک معزز خاندان کے نامی رئیس ہیں مورث اعلی نواب صاحب موصوف کے شیخ صدر جہاں ایک باخدا بزرگ تھے جو اصل باشندہ جلال آباد سروانی کوٹ قوم کے پٹھان تھے ۱۴۶۹ء میں عہد سلطنت بہلول لودھی میں اپنے وطن سے اس ملک میں آئے- شاہ وقت کا ان پر اس قدر اعتقاد ہو گیا کہ اپنی بیٹی کا نکاح شیخ صاحب موصوف سے کر دیا- اور چند گاؤں جاگیر میں دے دیئے- چنانچہ ایک گاؤں کی جگہ میں یہ قصبہ شیخ صاحب نے آباد کیا جس کے نام سے اب یہ ریاست مشہور ہے بایزید خاں کے پانچ بیٹوں میں سے ایک کا نام فیروز خاں تھا اور فیروز خان کے بیٹے کا نام شیر محمد خان شیر محمد خان کے بیٹے کا نام جمال خان تھا- جمال خان کے پانچ بیٹے تھے- مگر ان میں صرف دو بیٹے تھے جن کی نسل باقی رہی یعنی بہادر خاں اور عطاء اللہ خاں- بہادر خان کی نسل میں سے یہ جوان صالح خلف رشید نواب غلام محمد خاں صاحب مرحوم ہے جس کا عنوان میں ہم نے نام لکھا ہے-'' نواب محمد علی خاں صاحب کو چھ سات سال کی عمر میں والد نے چیفس کالج میں جو اس زمانے میں روساء پنجاب کے لڑکوں کیلئے انبالہ میں ہوتا تھا اور بعد میں لاہور منتقل ہو گیا بھیج دیا تھا ساتھ ملازم اور اتالیق گھوڑے اور سواری کافی عملہ بھیجا گیا تھا- جدائی والدین کو گوارا تھی لیکن تعلیم کا

خیال مقدم تھا وہاں تینوں بھائی اکٹھے نہایت شان و شوکت کے ساتھ رہتے تھے---- آپ کی عمر ساڑھے سات سال کی تھی کہ والد صاحب فوت ہو گئے- لیکن وہ اس چھوٹی سی عمر کے بچے کی اتنی بہترین تعلیم و تربیت کر گئے چھوٹی سے چھوٹی بات کی خود نگرانی کرتے ان کے کھیل کود سیر و تفریح کے وقت بھی ان کی تربیت کی فکر ہوتی- ان کے ہاتھ سے نوکروں کو صدقہ و خیرات انعام و اکرام دلاتے لیکن پرانے نوکروں تک کا ادب سکھاتے خاص کر جن سے دودھ کا رشتہ ہوتا- ایک مرتبہ ان کے اتالیق شیخ قاسم علی نے ان کو تھپڑ مارا کہ چہرے پر نشان پڑ گیا- والد نے پوچھا میاں یہ کیا ہوا کہنے لگے شیخ صاحب نے چانٹا مارا تھا والد نے کہا میاں تم نے شرارت کی ہو گی کہنا مانا کرو غرض اسی طرح ان کے والد کو ان کی تربیت کی فکر رہتی تربیت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے- پھر سعید الفطرت شروع سے تھے- کہتے ہیں ''سکول میں استادوں نے ہمیشہ مجھ سے عزت کا سلوک کیا- میں باوقار طور پر الگ تھلگ رہتا تھا، نہ کسی سے دوستانہ رکھتا نہ لڑکوں کے جھگڑوں میں پڑتا نہ قانون شکنی کرتا اس وجہ سے شکایت کا موقع ہی نہ آتا تھا کسی لڑکے پر اور خاص کر کسی مسلمان لڑکے پر کبھی بے وجہ زیادتی ہوتی تو ایسا بھی ہوا کہ اس کے لئے میں استادوں بلکہ کالج کے گورنر تک سے جھگڑ پڑا اور بالاخر اکثر دفعہ انہیں میری بات ہی ماننی پڑتی-

بچپن ہی سے قوم کی غیرت تھی- غلامی کو برا سمجھتے تھے- والد کے انتقال کے وقت گو خود ساڑھے سات سال کے تھے لیکن کہتے ہیں کہ ''اس وقت مجھے یوں معلوم ہوتا تھا کہ کوئی سہارا نہیں رہا اور میں تنہا رہ گیا ہوں اور اپنے تمام چھوٹے بھائیوں کی ذمہ داریاں مجھ پر پڑ گئی ہیں اس احساس ذمہ داری کو آپ نے ساری عمر ہر لحاظ سے خوب نبھایا- مفت خورے ساتھیوں اور گندے ماحول سے ہر وقت بھائیوں کو بچانے کی فکر دامنگیر رہتی- آپ کی ہمشیرہ فاطمہ بیگم جو بہت پیار سے ان کے بچپن کی باتیں بتایا کرتیں اکثر کہتیں یہ بڑے ہو کر تو مولوی بنے ہی مگر جب چھوٹے تھے جب بھی ان

سے پوچھا جاتا کہ بڑے ہو کر کیا بنو گے تو کہتے ظالم اہلکاروں اور بدمعاش عورتوں کو پھانسی دے دوں گا- تعویذ گنڈے ان کے خاندان میں بہت ہوتے اور نواب صاحب کو شروع بچپن سے ان سے سخت نفرت اور بیزاری تھی شرک سے سخت نفرت تھی- اور یہ جذبہ خدا داد تھا جس میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا- آپ کی ہمشیرہ بو فاطمہ صاحبہ نے یہ واقعہ کئی مرتبہ سنایا کہ جب نواب صاحب کی پہلی لڑکی ۱۷ روز کی ہو کر فوت ہو گئی تو جس دن چِلہ نہانے کا دن تھا " میں نے کچھ پھل بھیجے کہ بھاوج صاحبہ کی گود میں غسل کے بعد نیک شگون کے طور پر ڈال دیئے جائیں تو نواب صاحب نے بہت جوش اور غصے سے کہا یہ پھل لے جاؤ- یہ تو اٹھوانسی لڑکی تھی اگر سات جوان بیٹے قابل ہو کر بھی میرے سامنے مر جائینگے تو بھی شرک ہرگز نہیں ہونے دوں گا-

سارا خاندان کٹر شیعہ تھا- یہ بھی یہی عقائد رکھتے تھے لیکن سوچ بچار تحقیق اور جستجو کی عادت تھی رفتہ رفتہ ماتم کرنا سینہ کوبی کرنا- تبرّا بھیجنا، اماموں کی نیازیں کرنا کونڈے کرنا سب ختم کر دیا صرف محبت علیؓ جو گھٹی میں پڑ گئی تھی اس کو اتنی جلدی کم نہ کر سکے- ان تمام رسومات کو بند کرنے سے پورا خاندان اور برادری مخالف ہو گئے لیکن یہ طبعًا بہادر اور دلیر انسان کب کسی کی مخالفت کی پرواہ کرتے بلکہ خاندان میں کسی نے برادری کے جھگڑوں سے تنگ آ کر کبھی رسوم چھوڑیں تو یہ نہیں کہا جاتا تھا کہ شریعت پر چلنے لگا بلکہ یہ کہ محمد علی خاں کے طریق پر چل پڑا ہے- یا جب کوئی قصہ جھگڑا رسومات کا ہوتا کہتے وہی محمد علی خاں سچا تھا جس نے رسومات ترک کیں ہم تو عذاب میں پھنسے ہیں- جس کو نواب صاحب کو بلانا ہوتا تو اپنی تقریبات سے تمام رسوم کو ترک کر کے نواب صاحب کی ہدایت کے تحت تقریب کرتا- چنانچہ خود ان کے بھانجے والی ریاست نواب احمد علی خاں نے دو تین بچوں کی شادیاں شاید قادیان سے بھی کچھ زیادہ سادگی سے کیں تا کہ نواب صاحب شامل ہوں-

(خلاصہ اصحاب احمد جلد دوم ص ۲۳ تا ۳۳)

# حضرت مسیح موعود سے تعلقات کا آغاز

نواب صاحب شروع سے ہی دینی معلومات میں دلچسپی لیتے تھے اور تحقیق حق میں لگے رہتے تھے آپ کے استاد مولوی عبداللہ صاحب فخری ۴ مئی ۱۸۸۹ء کو بیعت کر چکے تھے۔ نواب صاحب کہتے ہیں کہ ''میں نے بہ تحریک اپنے استاد مولوی عبداللہ فخری صاحب حضرت مسیح موعود کی خدمت میں غالباً ۱۸۸۹ء یا ابتداء ۱۸۹۰ء میں دعا کیلئے خط لکھا تھا جس پر حضرت نے جواب میں لکھا کہ دعا بلاتعلق نہیں ہوسکتی آپ بیعت کر لیں۔ اس پر میں نے جواباً ایک عریضہ لکھا تھا کہ میں شیعہ ہوں اور اہل تشیع ائمہ اثنا عشرہ کے سوا کسی کو ولی یا امام تسلیم نہیں کرتے اس لئے میں آپ کی کس طرح بیعت کر سکتا ہوں۔''

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۴۹)

حضرت مسیح موعود نے جواب دیا کہ بیعت کرنے والے کو قال الرسول کا پابند ہونا ضروری ہے گو یہ ضروری نہیں کہ حنفی یا شافعی وغیرہ ہو، کلام اللہ پر ایمان اور حسب طاقت اس پر آثار صحیحہ نبویہ کی اتباع ضروری ہے۔ اور یہ ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ کو رسولِ برحق اور قرآن مجید کو کتاب اللہ اور جامع الکتاب اور آخری شریعت یقین جانے اور یہ سمجھے کہ ولایت امامت اور خلافت کی راہیں قیامت تک کیلئے کھلی ہیں مجرد کسی رشتے سے جو خواہ کسی رسول سے ہو کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوسکتی قرآن شریف ہر ایک تصرف سے بکلی محفوظ ہے اور کوئی ایسا قرآن نہیں جو کوئی شخص اس کو لیکر غار میں چھپا بیٹھا ہے اور خلفاءؓ اور صحابہ کرامؓ کی تکریم کی وجوہات بیان فرمائیں اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اس قدر اختلاف کہ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھی جائے بیعت کا کچھ حارج نہیں

اور آپ ہمارے پاس آتے رہیں۔''

(خلاصہ اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۵۳۔ یہ تفیصلی خط صفحہ ۵۴ اور ۵۵ پر ہے)

خداتعالیٰ نے نواب صاحب کو ہدایت دینی تھی چنانچہ یہ رئیس ابن رئیس طبقہ امراء سے تعلق رکھنے والا۔ لاکھوں روپے کی جائداد کا مالک عزو جاہ سے مالا مال بیس سالہ نوجوان جس کے سر پر کوئی روک ٹوک کرنے والا بھی نہ ہو، اپنے آرام کو الوداع کہہ کر کچے رستے کے ہچکولے کھاتا، خاک پھانکتا قادیان جیسی غیر آباد جگہ پہنچا، جہاں روزمرہ کا معمولی سامان زندگی بھی باہر سے لانا پڑتا تھا۔ تحقیق حق کیلئے حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتا رہا۔ اور پھر نومبر ۱۸۹۰ میں بیعت کا خط لکھ دیا۔ حضرت مسیح موعود نے ابتدائی رجسٹر بیعت میں آپ کا بیعت نمبر ۲۱۰ اور تاریخ بیعت ۱۹ نومبر ۱۸۹۰ء رقم کر کے یوں اندارج کیا ''خاں صاحب محمد علی خاں ولد نواب غلام محمد خاں پٹھان شیروانی رئیس مالیر کوٹلہ۔ اصلی سکونت ''مالیر کوٹلہ ماتحت لدھیانہ اور پیشہ ''ریاست و جاگیرداری'' نواب صاحب نے بعض مشکلات کے پیش نظر بیعت کو پوشیدہ رکھنے کی حضور سے درخواست کی لیکن حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت تک پوشیدہ رکھیں جب تک اشد ضرورت ہے کیونکہ اخفا میں ایک قسم کا ضعف ہے اور اظہار سے ایک گروہ کو فائدہ دین پہنچتا ہے اور رغبت الی الخیر پیدا ہوتی ہے۔

(خلاصہ اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ٦٠)

ازالہ ادہام کی تصنیف کے وقت حضور نے لکھا کہ ''مجھے اس طرح آپ کا پوشیدہ رکھنا ناگوار گزرتا ہے۔ اس وقت تک بعض روکیں دور ہو چکی تھیں اس لئے آپ نے آمنا وصدقنا کہتے ہوئے حالات لکھ کر بھیجے۔ نواب صاحب کہتے ہیں باوجود بیعت اور تعلق حضرت اقدس میں ۱۸۹۳ تک شیعہ ہی کہلاتا رہا۔ نماز وغیرہ بھی سب ان کے ساتھ (شیعوں کے ساتھ) ہی ادا کرتا تھا بلکہ یہاں قادیان اس اثنا میں آیا تو نماز علیحدہ ہی پڑھتا تھا۔'' ۱۸۹۳ء میں شیعت پر گہری تحقیق کے بعد شیعت کو بالکل بیزار ہو کر

چھوڑ دیا۔

(صفحہ ۶۲،۶۳،۶۴)

نواب صاحب نے دعا کی خاطر اپنے ایک ملازم مرزا خدا بخش کو حضور کے پاس قادیان چھوڑا کہ وہ دعا کی یاد دہانی کراتے رہیں اور خود بھی برابر دعا کیلئے درد مندانہ لکھتے رہے۔ حضرت مسیح موعود نے ان کی خدمات دینیہ اخلاص ایثار قربانی عقیدت اور اطاعت کو دیکھ کر فرمایا ''مجھے ایسے شخص کی خوش قسمتی پر رشک ہے جس کا ایسا صالح بیٹا ہو کہ باوجود بہم پہنچنے تمام اسباب اور وسائل غفلت اور عیاشی کے اپنے عنفوان جوانی میں ایسا پرہیز گار ہو۔''

(ازالہ ادہام اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۶۱۱)

# حضور کا ایک کشف

حضرت مسیح موعود نے نواب صاحب کے متعلق ایک کشف دیکھا چنانچہ حضور ۲۲ دسمبر ۱۸۹۱ء کو انہیں کشف سے مطلع کرتے ہیں۔

مشفقی عزیزی محبی نواب صاحب سردار محمد علی خاں صاحبہ سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کا عنایت نامہ آج کی ڈاک میں مجھ کو ملا الحمدللہ والمنۃ کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو صحت بخشی۔ اللہ جل شانہ آپ کو خوش رکھے اور عمر، راحت اور مقاصد دلی میں برکت اور کامیابی بخشے اگرچہ حسب تحریر مرزا خدا بخش صاحب آپ کے مقاصد میں سخت پیچیدگی ہے مگر ایک دعا کے وقت کشفی طور پر مجھے معلوم ہوا کہ آپ میرے پاس موجود ہیں اور یک دفعہ گردن اونچی ہوگئی اور جیسے اقبال اور عزت کے بڑھنے سے انسان اپنی گردن کو خوشی کے ساتھ ابھارتا ہے ویسی ہی صورت پیدا ہوئی میں حیران ہوں کہ یہ بشارتیں کس وقت اور کس قسم کے عروج سے متعلق ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کے ظہور کا زمانہ کیا ہے مگر کہہ سکتا ہوں کہ کسی وقت میں، کسی قسم کا اقبال اور کامیابی اور ترقی عزت اللہ جل شانہ، کی طرف سے آپ کیلئے مقرر ہے۔ اگر اس کا زمانہ نزدیک ہو یا دور ہو سو میں آپ کے پیش آمدہ ملال سے گو پہلے غمگین تھا مگر آج خوش ہوں کیونکہ آپ کے مال کار کی بہتری کشفی طور پر معلوم ہوگئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔"

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۲۱۵)

# قادیان میں مکان بنانے کی تحریک

حضرت مسیح موعود نواب صاحب کو بار بار قادیان آنے اور قادیان میں مکان بنانے کی تحریک فرماتے چنانچہ نواب صاحب نے ہجرت سے پہلے دو ایک کچے کمرے دارالمسیح سے ملحق جانب مشرق تعمیر کروائے۔ اور بعد ازاں چند سال بعد انہیں گروا کر ایک پختہ چوبارہ تعمیر کروایا۔ یہ چوبارہ حضرت اقدس کی پرانی ڈیوڑھی کے اوپر ہے اس لئے ''دار'' کا ہی حصہ ہے۔ خلافت اولیٰ میں آپ نے قادیان کی اس وقت کی آبادی سے باہر ایک کھلی جگہ پر 'دارالسلام' کوٹھی تعمیر کروائی جس میں باغ بھی لگوایا یہ کوٹھی اور باغ کئی گھماؤں زمین میں ہے حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں کہ قادیان کی کوٹھی کا نام دارالسلام۔'' مالیر کوٹلے کے شہر والے بڑے مکان کا نام ''دارالفضل'' اور شیروانی کوٹ والی کوٹھی کا نام ''دارالاحسان'' حضرت نواب صاحب نے رکھے۔

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۱۳۸)

آپ کی عمارات کا بابرکت ہونا

یہ چوبارہ جو ''دار'' کا ہی حصہ ہے حضرت اقدس کی لخت جگر حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے رخصتانہ کے ساتھ بابرکت ہوا۔ کوٹھی دارالسلام حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے بار بار وہاں جانے سے اور مرض الموت میں وہاں قیام رکھنے سے اور خلافت کے قیام کے مشوروں سے اور حضرت مسیح موعود کی دو صاحبزادیوں کی لمبی رہائش سے بابرکت ہوا۔

نواب صاحب کا فونوگراف اور حضور کے دل میں غیر ممالک میں تبلیغ کی خواہش

نواب صاحب کو حضرت اقدس نے خط لکھوایا کہ قادیان آتے ہوئے اپنا

فونوگراف (پرانے زمانے کا ٹیپ ریکارڈر) ساتھ لیتے آئیں تاکہ غیر ممالک میں تبلیغ کی غرض سے کچھ پیغام بھرے جائیں چنانچہ نواب صاحب قادیان فونوگراف لائے اور حضور کی خاص نظم۔ آواز آ رہی ہے یہ فونو گراف سے اور کچھ نظمیں اور تقریریں بھری گئیں جن کی ایمان فروز اور دلچسپ تفصیل اصحاب احمد، جلد دوم صفحہ ۴۷۴ تا ۴۸۰ پر ہے۔

یہاں اس واقعہ کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ نواب صاحب کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ ان کے فونوگراف میں، ممالک غیر میں تبلیغ کیلئے پیغام بھرا گیا۔ غیر ممالک میں تبلیغ کی یہ خواہش حضور کے دل میں کس قدر موجزن تھی جو ایم۔ٹی۔اے کی صورت میں دنیا بھر میں خدائے واحد کا پیغام پھیلا رہی ہے۔

نواب صاحب کا عشق قرآن وعلم دین

نواب صاحب کی درخواست پر حضرت اقدس مسیح موعود نے حضرت مولوی نور الدین صاحب کو قرآن کریم پڑھانے کیلئے مالیر کوٹلہ ۱۸۹۶ء میں بھیجا۔ نواب صاحب نے چند ماہ مولوی صاحب سے قرآن کریم پڑھا اور سمجھا۔ (اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۹۸)

نواب صاحب کسی نہ کسی عالم، بزرگ کو ہمیشہ اپنے پاس رکھتے اور دینی کتب سنتے رہتے چنانچہ حافظ روشن علی صاحب سالہا سال مالیر کوٹلہ اور قادیان آپ کے پاس رہے آپ کے پاس ایک بڑی لائبریری دینی کتب کی تھی جس میں سے بہت سی کتب خلافت لائبریری قادیان کو دیں۔

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۳۸۵)

# نواب صاحب کی ہجرت قادیان

نواب صاحب نے دسمبر ۱۹۰۱ میں مع اہل وعیال (زوجہ ثانی) قادیان ہجرت کرلی اس وقت قادیان میں معمولی ضروریات زندگی بھی ملنی مشکل ہوتی تھیں چنانچہ آپ مالیر کوٹلہ سے ضروری اجناس اور اشیا منگوایا کرتے تھے قادیان میں رہنے سے مالیر کوٹلے کی جائداد اور ذرائع آمد متاثر ہوتی تھیں لیکن آپ کو مالی مشکلات قبول تھیں۔ آپ کے بھائی آپ کو بار بار لکھتے کہ امور جائداد کیلئے آپ جلد جلد کوٹلہ کا چکر لگائیں تو آپ کا جواب تھا۔''فی الحال میں کوئی تاریخ اپنے آنے کی عرض نہیں کرسکتا---- امراض روحانی کا علاج حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی معہود امام آخرالزماں فرماتے ہیں ایسے چشمہ روحانی سے طالبان حقیقت کا علیحدہ ہونا، گویا کہ سکندر کا آب حیوان سے علیحدہ ہونا ہے یا ایک طالب کا مطلوب سے علیحدہ ہونا۔ ہم لوگ جس شخص کا انتظار کر رہے تھے اور جس جھنڈے کے نیچے کھڑے ہونے کا ہم کو ارمان تھا وہ امام الوقت آگیا اور خداوند تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے ہم کو وہ چشم بینا عطا فرمائی کہ ہم نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی جماعت میں داخل فرمایا۔ فالحمد للہ علی ذالک''۔

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۱۲۴)

اسی طرح اپنی بہن بو فاطمہ بیگم جو نواب صاحب سے بہت محبت کرتی تھیں اور نواب صاحب کی ہجرت قادیان میں تاخیر کا باعث تھیں کے خط کے جواب میں آپ لکھتے ہیں۔

''علاج روحانی کا یہاں سماں ہے۔ دعا کیلئے مواقع حاصل---- دعا کرنے

کرانے کا قاعدہ لوگ بالکل نہیں جانتے- دعا کرنے کیلئے تو چاہیئے صبر اور استقلال سے اس طرح دعا مانگے جس طرح فقیر لوگوں سے مانگتے ہیں فقیر دو طرح کے ہوتے ہیں ایک خر گدا جو اَڑ کر لیتے ہیں جب تک ان کو دیا نہ جائے ٹلتے نہیں- ایک ہوتے ہیں نر گدا جو صدا کی اور چل دیئے- تو دعا کرنے والے کو خر گدا بننا چاہیئے---- پس انسان کو مرتے دم تک دعا کرنی چاہیئے اور دعا سے تھکنا نہیں چاہیئے---- بلا تعلق انبیاء سے بھی، دعا کم نکلتی ہے---- پس دعا کیلئے تعلق کا پیدا کرنا ضروری ہے کیونکہ دعا اپنے اختیار میں نہیں ہے اس کیلئے بھی وقت اور تحریک کی ضرورت ہے پس پاس رہنے سے تحریکیں ہوتی رہتی ہیں- اکثر، حضرت اقدس کا قاعدہ ہے کہ کوئی شخص معمول پر اگر حاضر نہیں ہوا تو دریافت فرماتے ہیں کہ فلاں کیوں نہیں آیا- اگر وہ بیماری کی وجہ سے حاضر نہیں ہوا تو ان کو تحریک دعا ہوتی ہے یا اگر اور ذرائع سے معلوم ہوا کہ فلاں شخص بیمار ہے تو آپ جس طرح ایک بہت محبت کرنے والی ماں بے چین ہوتی ہے اس سے کہیں بڑھ کر بے چین ہوتے ہیں اور اس کے لئے تحریک پیدا ہوتی ہے یا کسی وقت دعا کا عمدہ وقت مل گیا تو جن کے نام یاد ہوتے ہیں نام لے لے کر دعا فرماتے ہیں جو دور ہے ممکن کہ اس کا نام بھول جائے پس جو ہر وقت سامنے رہتے ہیں ان کیلئے دعاؤں کا زیادہ موقع ملتا ہے اس لئے یہاں کے علاج پر بڑا فائدہ ہے جو دوسری جگہ حاصل نہیں ہو سکتا-"

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۱۲۵)

ہجرت کے بعد آپ اپنے دو کچے کمروں میں آ کر ٹھہرے جو "الدار" سے ملحق تھے- آپ کے بیٹے میاں عبدالرحمٰن خاں صاحب کہتے ہیں اس مکان کی تنگی کی یہ حالت تھی کہ ایک کوٹھڑی جس میں صرف ایک پلنگ کی گنجائش تھی حضرت والد صاحب اور خالہ جان (دوسری والدہ) رہتے تھے اور ہم تینوں بھائی ساتھ کے کچے کمرے میں رہتے تھے---- جب بارش ہوتی تو اس کچے کمرے کے گرنے کا خطرہ ہوتا تو والد صاحب

اپنے کمرے میں بلا لیتے اور ہم زمین پر بستر کر کے سوتے۔ ہجرت قادیان، نواب صاحب ان کی بیگم اور اولاد کیلئے کوئی معمولی قربانی نہ تھی۔ آپ کے صاحبزادے میاں محمد عبداللہ خاں صاحب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے والد صاحب سے پوچھا کہ آپ اتنے بڑے محل کو چھوڑ کر ایک تنگ کمرے میں جو آئے تو کیا وجہ تھی فرمانے لگے کہ وہ زمانہ ایسا تھا کہ حضرت مسیح موعود کو ''داغ ہجرت'' کا الہام ہو چکا تھا۔ گورنمنٹ بھی ہماری مخالف تھی اور لوگوں کی مخالفت بھی زوروں پر تھی تو میں نے مالیر کوٹلہ اس عزم و ارادہ سے چھوڑا تھا کہ اب وہاں واپس نہیں جانا---- اس لئے مجھے کسی قسم کی تنگی اور تکلیف کا احساس نہ ہوا۔''

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۱۳۰،۱۳۱)

واقعی وہی شخص ایسی قربانی کر سکتا ہے جس کے پیش نظر محض رضا الٰہی اور محبت پیر و مرشد ہو، اور مرشد بھی ایسا جس نے مہینوں اپنے گھر سے مہمانوازی کی اور حضور کی اس شفقت اور محبت کا جو اثر نواب صاحب پر ہوا، وہ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ بیان فرماتی ہیں کہ ''نواب صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جس لطف اور روحانی سرور میں وہ دن گزرے نہ اس سے پہلے دیکھے نہ بعد میں۔ کھانا کئی ماہ تک مہمانداری کے طور پر ساتھ ہی رکھا اور الگ ہونے پر بھی بہت خیال رکھتے رہے یعنی کوئی اچھا کھانا اور پھل وغیرہ بھجواتے رہے۔ حضرت مسیح موعود کی شفقت اور محبت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے کہ میں اس کی نظیر نہ دے سکتا ہوں نہ پھر پا سکتا ہوں وہ محبت وہ نرمی۔ وہ رحم و کرم کسی جگہ نظر نہیں آ سکتا۔ حضرت خلیفہ اول نواب صاحب سے بے حد محبت فرماتے تھے اور اکثر مجھ سے بھی نواب صاحب ذکر کرتے کہ مجھے حضرت خلیفہ اول سے بہت محبت ہے تم سمجھ نہیں سکتی۔ مجھے بے حد محبت ہے۔ نواب صاحب حضرت مسیح موعود کی محبت اور مہربانی اور شفقت اور پیار کی، وفات تک نہایت درد کے ساتھ یاد کرتے رہے۔ فرماتے تھے کہ قصوروں پر اور غلطیوں پر بھی جس پیار اور دلداری کے ساتھ

نصیحت، حضور کی ہوتی تھی وہ اوروں کی ہزار محبت سے بالا تھی۔ خط ایسا تحریر فرماتے کہ زخموں پر گویا مرہم لگ جاتا۔ اور دکھ سب بھول جاتے۔ نیز فرماتیں کہ بیچ کا رہنا سہنا، نوکر چھوٹی عقل کے متعلقین، دونوں جانب کے آخر جیسے ہوتے ہیں ویسے ہی تھے۔ کوئی غلط فہمی یا شکایت ہو جاتی تو حضور اس کو ظاہر فرماتے دریافت کرتے اور پھر حقیقت کا علم ہونے پر نہایت محبت سے عذر کو قبول فرما کر الٹی اور بھی دلداری کرتے کہ سر، اس ابر کرم کے بار احسان سے اور بھی جھک جاتا---- سیر کو جاتے ہوئے میرے آنے کا انتظار کرتے۔“

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۶۴۵،۶۴۶)

# نواب صاحب کی پہلی شادی اور اولاد

نواب صاحب کا نکاح ۱۴ سال کی عمر میں اپنی خالہ زاد بہن مہرالنساء بیگم صاحبہ سے ہو چکا تھا اکیس سال کے ہوئے تو شادی ہوئی لیکن ہر قسم کے رسم و رواج کو آپ نے سختی سے منع کر دیا اور ایسی سختی کی کہ گویا ضرب المثل بن گئے۔ لوگ کہتے نواب صاحب رسمیں نہیں کرتے کنجوسی کی وجہ سے۔ لیکن جہاں شریعت کہتی ولیمہ اور بچوں کے عقیقے وغیرہ اس پر دل کھول کر پیسہ خرچ کرتے۔

(صفحہ ۳۰ اصحاب احمد جلد دوم)

نواب صاحب کی بیوی مہرالنساء بیگم ۱۸۹۸ء میں بچے کی ولادت میں فوت ہو گئیں یہ بہت مشرکانہ رسوم، تعویذ گنڈے کرتی تھیں آپ کے صاحبزادے نواب عبداللہ خاں صاحب کہتے ہیں اگرچہ بعد میں تائب ہو گئی تھیں اور کہتی تھیں کہ زچگی سے فارغ ہو کر حضور کی بیعت کر لوں گی لیکن فوت ہو گئیں۔

ان کے بطن سے نواب صاحب کی تمام اولاد ہوئی۔

۱۔ امتہ السلام بیٹی جو چند ماہ بعد فوت ہو گئیں۔

۲۔ بو زینب بیگم صاحبہ (ولادت ۱۹ مئی ۱۸۹۳ء جو حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کی زوجیت میں آئیں۔

۳۔ عبدالرحمٰن خاں صاحب (ولادت ۱۹ اکتوبر ۱۸۹۴ء)

۴۔ عبداللہ خاں صاحب (ولادت یکم جنوری ۱۸۹۶ء)

۵۔ عبدالرحیم خاں صاحب (ولادت ۱۳ جنوری ۱۸۹۷ء)

۶۔ عبدالرب جو ۱۸۹۸ء میں چند روز کے بعد ہی فوت ہو گئے۔

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۱۹۸)

## دوسری شادی

حضرت مسیح موعود کو ایک شفیق باپ کی طرح، نواب صاحب کی فکر تھی کہ بیوی کی وفات پر فرط غم سے بیمار نہ ہو جائیں- اوپر تلے تین خطوں میں آپ نے نواب صاحب کو دوسری شادی کی تحریک کی چنانچہ حضور کے ارشاد پر آپ نے اپنی خالہ کو راضی کرکے مرحومہ بیوی کی چھوٹی بہن امتہ الحمید بیگم صاحبہ سے شادی کرلی- جو اس وقت بارہ سال کی تھیں- چنانچہ تمام اولاد نواب صاحب کی زیر تربیت رہی-نئی بیگم بہت مطیع اور سعید الفطرت تھیں- ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی-

۱۹۰۱ء میں نواب صاحب جب ہجرت کرکے قادیان آئے تو آپ کی اولاد اور بیگم ثانی بھی آپ کے ہمراہ آئیں- بیگم نے ایک طرح بظاہر سب خاندان سے قطع تعلق ہی کرلیا تھا- قادیان میں جو اس وقت تک معمولی گاؤں تھا جہاں معمولی اشیاء ضروریات زندگی بھی نہ ملتی تھیں ہر طرح کے عیش و آرام کو چھوڑ کر چلے آنا اور تمام زندگی یہاں گزار دینا بہت بڑی قربانی تھی-

قادیان آنے کے بعد حضور کی صحبت اور تربیت نے نواب صاحب کو نور علیٰ نور کر دیا- حضور آپ کی عقیدت اخلاص نیکی اور تقویٰ دیکھ کر خوش ہوتے- بلکہ خداتعالیٰ نے نواب صاحب کو ایک بہت بڑے لقب سے نوازا اور اپنے مسیح کی زبان مبارک سے آپ کو یہ بشارت سنائی کہ یکم مارچ ۱۹۰۳ء صبح کی سیر کے وقت فرمایا-

''ایک کشف میں آپ کی تصویر ہمارے سامنے آئی اور اتنا لفظ الہام ہوا ''حجتہ اللہ'' اور اس کی تفہیم یہ بیان فرمائی کہ ''چونکہ آپ اپنی برداری اور قوم میں سے اور سوسائٹی میں سے الگ ہو کر آئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام حجتہ اللہ رکھا یعنی ان پر حجت ہوں گے قیامت کے دن ان سے کہا جائیگا کہ فلاں شخص نے تم سے نکل کر اس صداقت کو پرکھا اور مانا- تم نے کیوں ایسا نہ کیا یہ بھی تم میں سے ہی اور تمہاری طرح کا ہی انسان تھا چونکہ خداتعالیٰ نے آپ کا نام ''حجتہ اللہ'' رکھا ہے آپ کو بھی چاہیے کہ

آپ ان لوگوں پر تحریر سے تقریر سے ہر طرح سے حجت پوری کر دیں اصل میں اس ساری قوم کی حالت قابل رحم ہے عیش وعشرت میں گم ہیں دنیا کے کیڑے بنے ہوئے ہیں اور فنا فی یورپ ہیں۔ خدا سے آسمان سے کوئی تعلق نہیں، جب خدا کسی کو ایسی قوم میں سے نکالتا ہے اور اس کی اصلاح کرتا ہے تو اس کا نام اس قوم پر حجت رکھتا ہے۔۔۔۔''

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۴۲۴)

جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے کہ نواب صاحب اپنے بہن بھائیوں کو تبلیغ کرتے رہتے تھے۔ حضور کا یہ الہام تو گویا تبلیغ کیلئے اور محرک ہو گیا اور آپ تبلیغ کا کوئی موقع نہیں کھوتے تھے۔ آپ نے اپنے خرچ سے پہلا باتنخواہ مبلغ شیخ غلام احمد صاحب کو مقرر کیا جو شہروں شہروں دورہ کر کے تبلیغ کرتے۔

(بحوالہ اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۴۲۶، ۴۲۷)

نواب صاحب اپنے اقارب کو ہر رنگ میں نرمی اور ملاطفت، حکمت اور موعظت کے رنگ میں تبلیغ کرتے اور کبھی تبلیغی خط حضور کو اصلاح اور دعا کیلئے بھی پیش کرتے۔ آپ کی ہمشیرہ بو فاطمہ بیگم صاحبہ جو آپ سے چار سال بڑی تھیں اور سب بھائیوں سے زیادہ آپ سے محبت کرتی تھیں نواب ابراہیم علی خاں صاحب والی مالیر کوٹلہ کے چھوٹے بھائی نواب عنائیت علی خاں کی بیگم تھیں اپنے شوہر کے انتقال کے بعد نواب صاحب کے تقویٰ و طہارت کو دیکھ کر پوری تحقیق اور خوابوں کی بنا پر احمدی ہوئیں۔ ۱۳ جنوری ۱۹۲۶ء کو فوت ہوئیں اور حضرت خلیفہ المسیح الثانی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۴۳۱ تا ۴۳۳)

بعض دوسرے اقارب بھی نواب صاحب کی تبلیغ نمونے اور دعا سے خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدیت میں داخل ہوئے۔ آپ کے چچا نواب سکندر علی خاں کی بیگم ''بوا اللہ جوائی احمدی ہوئیں۔ ان کی لے پالک لڑکی احمدی ہوئی۔ نواب صاحب کی خالہ زاد سوتیلی بہن عائشہ احمدی ہوئیں۔ نواب صاحب کے خالہ زاد بھائی کی لڑکی مبارک النساء

احمدیت کی طرف مائل تھیں لیکن سسرال کی سختی سے ڈرتی تھیں۔

کرنل اوصاف علی خاں، نواب صاحب کے برادر نسبتی (بیگم کے بھائی) اور خالہ زاد بھائی تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے میاں سعید احمد خاں کو نواب محمد علی خاں صاحب کی نیکی اور تقویٰ سے متاثر ہو کر قادیان تعلیم حاصل کرنے بھیجا جو دوران تعلیم ہی خدا کے فضل سے احمدی ہو گئے اور انہوں نے تحریک کر کے اپنے والد اوصاف علی خاں کو جو ان دنوں ریاست نابھ میں وزیر افواج اور کمانڈر ان چیف تھے بیعت کروالی۔

نواب صاحب نے مرض الموت میں آخری بار سب رشتے داروں کو تبلیغی خطوط لکھے کہ میں یہ آخری حجت کر رہا ہوں کیونکہ میری زندگی کے دن تھوڑے رہ گئے ہیں۔

(اصحاب احمد جلد دوم ۴۳۶)

اس سلسلے میں حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں "اپنا پرایا، غریب امیر جو بھی کسی خاص مقصد سے ملنے آتا۔ اس سے گفتگو ضرور تبلیغی ہو ہی جاتی اکثر میں پوچھتی کہ کون آیا تھا؟ یا فلاں آیا تھا کیا بات چیت ہوئی؟ تو فرماتے وہی موضوع جو ہم لوگوں کے پاس ہے اور کیا؟ یہ ہی ذکر آ گیا تھا اس پر اس کو ذرا سمجھا دیا وغیرہ۔ ایک عزیز کا لڑکا جس کو وظیفہ دیکر قادیان میں تعلیم دلوائی باہر جا کر ملازمت کے سلسلے میں مرتد ہو گیا اس کا بہت رنج تھا ایک دن وہ اتفاق سے آ گیا۔ نماز عشاء کے بعد سے صبح کی اذان ہو گئی باتوں کے جوش میں وقت کا دھیان نہ رہا، وہیں باغ میں کھڑے اور بیٹھے اس کو سمجھاتے سمجھاتے رات گزر گئی، آئے تو اسی طرح تازہ دم تھے۔ گویا ابھی گئے تھے۔ خطوط تبلیغی اکثر لکھتے تھے۔ اکبر الہ آبادی مشہور شاعر کو بھی لکھا تھا جس کا عنوان اکبر ہی کا ایک شعر تھا۔

وقت پیری آ گیا، اکبر جوانی ہو چکی
خواب غفلت سے اٹھو پیدا ہوئے آثار صبح

ان سے ایک بار ملاقات ہو چکی تھی۔"

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۴۲۸)

# حضرت مسیح موعود کا ایک خواب

نواب صاحب کی زوجہ ثانی بیمار تھیں اور حضور اقدس ان کی صحت کیلئے دعائیں کرتے تھے کہ آپ نے ایک خواب دیکھا جو نواب صاحب کو تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہٖ الکریم

مجی عزیزی اخویم نواب صاحب سلمہ تعالیٰ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آج بوقت ۴ بجے صبح کو میں نے ایک خواب دیکھا میں حیرت میں ہوں کہ اس کی کیا تعبیر ہے۔ میں نے آپ کی بیگم صاحب عزیزہ سیدہ امتہ الحمید بیگم کو خواب میں دیکھا کہ جیسے ایک اولیاء اللہ، خدا سے تعلق رکھنے والی ہوتی ہیں اور ان کے ہاتھ میں دس روپیہ سفید اور صاف ہیں یہ میرے دل میں گزرا ہے کہ دس روپے میں نے صرف دور سے دیکھے ہیں تب انہوں نے وہ دس روپے اپنے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی طرف پھینکے ہیں اور ان روپوں میں سے نور کی کرنیں نکلتی ہیں جیسا کہ چاند کی شعاعیں ہوتی ہیں وہ نہایت تیز اور چمکدار کرنیں ہیں جو تاریکی کو روشن کر دیتی ہیں اور میں اس وقت تعجب میں ہوں کہ اس کی تعبیر کیا ہے۔ شاید اس کی یہ تعبیر ہے کہ ان کیلئے خداتعالیٰ کے علم میں کوئی نہایت نیک حالت درپیش ہے اور یہ بھی خیال گزرتا ہے کہ شاید اس کی یہ تعبیر ہو کہ زمانہ کے رنگ بدلنے سے آپ کو کوئی بڑا مرتبہ مل جائے اور آپ کی یہ بیگم اس مرتبہ میں شریک ہوں آئندہ خداتعالیٰ کو بہتر معلوم ہے۔

والسلام خاکسار، مرزا غلام احمد عفی عنہ

حضور دوسرے دن اپنے اس خواب کے بارے میں نواب صاحب کو خط تحریر

فرماتے ہیں مجھے تو، رات کے خواب سے کہ ایک قسم کا کشف تھا نہایت خوشی ہوئی کہ اندازے سے باہر ہے اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز پر قادر ہے---- آگے فرماتے ہیں اب آپ کی بیگم صاحب کو بھی دعاؤں میں شریک کروں گا- میری دو بیٹیاں ہیں مبارکہ اور امتہ الحفیظ تیسری بیٹی آپ کی بیگم کو بنا لیا ہے-''

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۲۱۴)

# نواب صاحب کی تیسری شادی

نواب صاحب کی دوسری بیگم کے انتقال پر حضرت اقدس نے نواب صاحب کا رشتہ کئی جگہ کرانے کی کوشش کی لیکن کبھی لڑکی والے اور کبھی نواب صاحب پیچھے ہٹ جاتے کیونکہ خدا تعالیٰ کی تقدیر کچھ اور کام کر رہی تھی- حضرت اقدس نواب صاحب کی بیٹی بو زینب صاحبہ کو اپنے بیٹے میاں شریف احمد کیلئے مانگ چکے تھے- حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اپنے رشتے کے بارے میں روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کرتی ہیں- ''اس دوران نواب صاحب کی شادی کے ذکر کئی جگہ اٹھے، کوئی نہ کوئی بات پیدا ہو کر ختم ہو جاتے---- میری عمر اس وقت چھوٹی تھی، مگر لڑکیاں اور خصوصاً اچھی اٹھان کی بچپن کی عمر سے نکل کر جب بڑھنے لگیں تو پھر واقعی ککڑی کی طرح بڑھتی ہیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر یوں کام کر رہی تھی کہ ادھر ان کی شادی کا سوال ہر جگہ اٹھ کر رہ جاتا تھا ادھر سال پلٹتے پلٹتے میں کافی بڑی ہو گئی تھی اور غالبًا یہ دیکھ کر ہی---- سب سے پہلے حضرت خلیفہ اول کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا- میاں فرماتے تھے کہ ایک جگہ خط لکھوانے کو میں حضرت مولوی صاحب کے پاس حاضر ہوا اور ذکر کیا تو بے دلی سے قلم اٹھا کر فرمایا کہ ''اچھا لکھ دیتے ہیں مگر ہمارا تو کچھ اور دل چاہتا ہے مگر زبان جلتی ہے- کہتے تھے جب آپ نے فرمایا کہ ''زبان جلتی ہے'' تو میں فوراً سمجھ گیا اور پھر آپ سے پوچھا بھی نہیں کیونکہ آپ کے ادب کو میں جانتا تھا اور کہا کہ ''نہیں پھر آپ نہ لکھیں-'' اور اٹھ کر آ گیا اس کے بعد قطعی اور طرف خیال ترک کیا- دعا شروع کی- مگر حضرت خلیفہ اول کے شاگرد تھے جائے ادب سمجھ کر زبان پر لفظ نہ لا سکتے تھے آخر جرات کی اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی بیوہ حضرت مولویانی صاحبہ سے (جو اسی نام سے

مشہور تھیں اور بہت نرم طبع تھیں اور اکثر نواب صاحب کے یہاں بوزینب صاحبہ کو دیکھنے جاتی تھیں ) بات کی اور سخت تاکید کی کہ میرا نام نہ لینا اور پیام کے طور پر نہ کہنا صرف اپنے طور پر عندیہ لینا کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ مگر وہ صاف گو اور حضرت سے بے تکلف تھیں میرا نام لیکر ہی کہہ دیا اور آ کر بتلا بھی دیا اور کہا کہ حضور نے جواب دیا ہے کہ میری لڑکی ابھی چھوٹی ہے بیس سال کی عمر میں، اس کی شادی ہم تو کریں گے وہ اتنا انتظار کر سکتے ہیں؟ گویا ایک ٹالنے کی ہی بات سمجھی جا سکتی ہے- مگر کہتے تھے کہ اب میرے لیے بھی کسی دوسری جگہ سوچنا بھی مشکل ہو گیا تھا اور حضرت مسیح موعود سے تعلق پیدا ہو جانے کی سخت خواہش پیدا ہو گئی تھی- پھر حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کا اشارہ ہی میں سمجھ گیا تھا اور یہ معاملہ اس طرح ہوا وہاں سے قریباً جواب ہی ملا ہے انہوں نے فرمایا کہ آپ کہلا بھیجیں کہ جتنے سال بھی فرمائیں گے بڑی خوشی سے انتظار کرونگا-

حضرت مسیح موعود نے ان کو رشتے کے پیغام کے سلسلے میں جواب دیا اس میں ابھی دو مشکلات ہیں اول تو مبارکہ کی عمر چھوٹی ہے کم از کم پندرہ سال کی ہو جائے دوسرے نہایت خوفناک امر جو ہر وقت دل کو غمناک کرتا رہتا ہے ایک پیشگوئی ہے جو چند دفعہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو چکی ہے- میں نے بجز گھر کے لوگوں کے کسی پر اس کو ظاہر نہیں کیا- ایک پیشگوئی کے ایک حصے کا حادثہ ہم میں اور آپ میں مشترک ہے بہت دعا کرتا ہوں کہ خدا اس کو ٹال دے- اور دوسرے حصہ کا حادثہ خاص ہم سے اور ہمارے گھر کے کسی شخص سے متعلق ہے یہ بھی الہام کے کسی حصہ کی نسبت ہے کہ ۲۷ تاریخ کو وہ واقعہ ہو گا نہیں معلوم کس مہینہ کی تاریخ- کونسا سن ہے؟ اخبار میں چھپوا دیا ہے- اور آپ کو معلوم ہو گا کہ ایک مہینہ کے قریب ہو گیا کہ میں نے ایک الہام اخبار میں صرف اشارہ کے طور پر چھپوایا تھا جس کی یہ عبارت تھی کہ ایک نہایت چھپی ہوئی خبر پیش کرتا ہوں دراصل وہ خبر ان ہی حوادث کے متعلق ہے یہ بھی دیکھا کہ گھر میں

ہمارے ایک بکرا ذبح کیا ہوا، کھال اتاری ہوئی، ایک چکر لٹک رہا ہے- یہ دیکھا کہ ایک ران لٹک رہی ہے یہ سب موتوں کی طرف اشارات ہیں میں دعا کر رہا ہوں والسلام

مرزا غلام احمد

(مکتوب غیر مطبوعہ، بحوالہ اصحاب احمد، جلد دوم، صفحہ ۲۳۰)

اس خط کا جواب حضرت نواب محمد علی خان صاحب نے یہ دیا ''جو کچھ حضرت اقدس نے تحریر فرمایا درست اور قبول و منظور اور انتظار ممکن-''

(کتاب اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۲۲۷ تا ۲۳۰)

اب یہ سلسلہ غالبا استاذی المکرّم پیر منظور محمد صاحب کی معرفت چلا دوسری بار حضور نے فرمایا کم از کم چار سال بعد میں تو شادی کر سکتا ہوں- حضرت خلیفہ اول نے فرمایا سال کم تو ہوئے- جو بھی فرمائیں آپ منظور کر لیں آخر کار ایک دن خود ہی خط لیکر پیر منظور محمد صاحب آ گئے کہ اس شرط پر رشتہ منظور ہے- نکاح ہو جائے رخصتانہ ایک سال بعد- اس وقت میری عمر گیارہ سال کی بلکہ چند دن کم ہی تھی-''

(اصحاب احمد جلد دوم مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم- اے صفحہ ۲۲۷، ۲۲۸)

پھر حضرت مسیح موعود نے خدا تعالیٰ کے اذن سے پہلے حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا رشتہ منظور کرنے اور نکاح پڑھوانے پر آمادگی کا اظہار فرماتے ہوئے نواب صاحب کو لکھا (یہ خط اہمیت کا حامل ہے اس لئے جوں کا توں نقل کیا جاتا ہے- ناقل)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہٖ الکریم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ- میری لخت جگر مبارکہ بیگم کی نسبت جو آپ کی طرف سے تحریک ہوئی تھی میں بہت دنوں تک اس معاملہ میں سوچتا رہا- آج جو کچھ خدا

نے میرے دل میں ڈالا ہے، اس شرط کے ساتھ، اس رشتہ میں مجھے عذر نہ ہو گا، اور وہ یہ ہے کہ مہر میں، آپ کی دو سال کی آمدن جاگیر مقرر کی جائے یعنی ۵۶ ہزار روپیہ اور اس اقرار کے بارے میں، ایک دستاویز شرعی تحریر، آپ کی طرف سے حاصل ہو- میں خوب جانتا ہوں کہ آپ نہایت درجہ اخلاص میں گداز شدہ ہیں اور آپ نے ہر ایک پہلو سے ثبوت دے دیا ہے کہ آپ کو جاں فشانی تک سے دریغ نہیں- مگر جو کچھ میں نے تحریر کیا ہے وہ اول تو آپ کی خدا داد حیثیت سے بڑھ کر نہیں اور آپ کی ذات کی نسبت نعوذ باللہ اس میں کوئی بدگمانی نہیں- محض خدا نے میرے دل میں ایسا ہی ڈال دیا ہے اور ظاہری طور پر اس کے لئیے ایک صحیح بنا بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ موت و حیات کا اعتبار نہیں اور آپ کے خاندان کے عملدر آمد کی رو سے عورتیں اپنے شرعی حقوق سے محروم ہوتی ہیں اور خدا آپ کی اولاد کی عمر دراز کرے وہ بعد بلوغ اپنے اپنے خیالات اور اغراض کے پابند ہونگے اور حق مہر کا فیصلہ ایک قطعی امر ہے اور ایک قطعی حق ہے جو خدا نے ٹھہرا دیا ہے اور جو عورتیں بے دست و پا ہیں اس حق کے سہارے سے ظلم سے محفوظ رہتی ہیں- آپ کی زندگی میں اس مہر کا مطالبہ نہیں- لیکن خدانخواستہ اگر لڑکی کی عمر ہو اور آپ کی عمر وفا نہ کرے تو اس کی تسلی اور اطمینان کے لیے اور پریشانیوں سے محفوظ رہنے کیلئے یہ طریق اور اس قدر مہر کافی ہو گا تا کہ دوسروں کیلئے صورت رعب قائم رہے یہ وہ امر ہے جس کو سوچنے کیلئے میں آپ کو اجازت نہیں دیتا- ایک قطعی فیصلہ ہے اور میں نے ارادہ کیا ہے کہ اگر ان دونوں باتوں کی آج آپ تکمیل کر دیں گے- تو گو لڑکی ایک سال کے بعد رخصت ہو مگر پیر کے دن نکاح ہو جائے یہ ایک قطعی فیصلہ ہے جو میری طرف سے ہے اس میں کسی طرح کمی بیشی نہیں ہو گی- اس وجہ سے ہی اس خیال اور اسی انتظار سے عزیزی سید محمد اسماعیل (مراد حضور کے برادر نسبتی حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمعیل صاحب (مولف) کو پیر کے دن تک ٹھہرا لیا ہے- اگر آپ کی طرف سے

اس شرط کی نامنظوری ہوگی تو پھر کل ہی وہ اپنی نوکری پر چلا جائے گا۔

والسلام

راقم مرزا غلام احمد

۱۲ فروری ۱۹۰۸ء

(مکتوب غیر مطبوعہ بحوالہ اصحاب احمد، جلد دوم صفحہ ۲۳۱)

نوٹ: اس خط کا جواب زبانی پیر منظور محمد صاحب، حامل خط ہذا کو یہ دے دیا تھا کہ مجھ کو بلا عذر سب کچھ منظور ہے۔محمد علی خاں

(کتاب اصحاب احمد جلد دوم مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب، صفحہ ۲۳۱)

نواب صاحب کا نکاح ۱۷ فروری ۱۹۰۸ء کو پڑھا گیا۔ سٹامپ پر ۵۶ ہزار روپے مہر کی مکمل عبارت لکھی گئی جس پر حضرت حکیم حافظ نور الدین صاحب کے علاوہ انیس دیگر اصحاب نے دستخط کئے اور ۲۱ فروری ۱۹۰۸ء کو رجسٹرار بٹالہ کے پاس کاغذات رجسٹرڈ ہوئے

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۲۳۲ تا ۲۳۳)

## حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا نکاح

بروز پیر ۱۷ فروری ۱۹۰۸ء کو مسجد اقصیٰ میں حضرت نواب محمد علی خاں صاحب رئیس اعظم مالیر کوٹلہ سے ۵۶ ہزار روپے مہر موجل پر حضرت حافظ حکیم نورالدین صاحب نے نکاح پڑھا۔ جس میں قادیان کی جماعت کے علاوہ لاہور سے بھی معزز اکابر رفقا نے شرکت کی۔ چونکہ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے اس لئے اس خطبے کے چند حصے درج کئے جاتے ہیں۔

خطبہ دیتے ہوئے حضرت حکیم حافظ نورالدین صاحب نے دولھا حضرت نواب محمد علی خاں صاحب سے اپنے قلبی تعلق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ''اس تقریب سے مجھے بہت ہی خوشی ہے اور کئی رنگوں میں خوشی ہے۔ نواب محمد علی خاں صاحب میرے دوست

ہیں، یہ نہ سمجھو اس وجہ سے دوست ہیں کہ وہ خاں صاحب یا نواب صاحب یا رئیس ہیں- میں نے کسی دینوی غرض کیلئے ایک سیکنڈ سے بھی کم وقفہ کیلئے بھی ان سے دوستی نہیں کی وہ خوب جانتے ہیں اور موجود ہیں مجھے ان کے ساتھ جس قدر محبت ہے محض خدا کیلئے ہے کبھی نہ ظاہری طور پر نہ باطنی طور پر ان کی محبت میں کوئی غرض نہیں آئی---- ان کا یہ رشتہ کا تعلق حضرت امام سے ہوتا ہے یہ سعادت اور فخر ان کی خوش قسمتی اور بیدار بختی کا موجب ہے ان کے ایک بزرگ تھے شیخ صدر جہاں، ایک دنیا دار بادشاہ نے ان کو نیک سمجھ کر اپنی لڑکی دی تھی مگر یہ خداتعالیٰ کے فضل کا نتیجہ ہے اور اس کی نکتہ نوازی ہے کہ آج محمد علی خاں کو سلطان دین نے اپنی لڑکی دی ہے یہ اس بزرگ مورث سے زیادہ خوش قسمت ہیں- یہ میرا علم- میرا دین اور ایمان بتاتا ہے کہ وہ حضرت صدر جہاں سے زیادہ خوش قسمت ہیں'' ---- خطبہ کافی لمبا تھا- جس میں حضرت خلیفہ اول نے عربی خطبہ مسنونہ کے بعد عربی زبان کی ضرورت اور خوبیوں پر مختصر روشنی ڈالی- پھر نکاح کی ضرورت اور اس کے فوائد پر فرمایا---- پھر ایجاب و قبول ہوا اور حضرت مسیح موعود نے دعا کروائی-

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۲۳۶ تا ۲۴۰)

چونکہ حضور نے نکاح کا فیصلہ اچانک فرمایا تھا اور نواب صاحب کی کوئی تیاری نہ تھی اس لئے وقتی طور پر زیور مستعار لیا چنانچہ ڈائری میں لکھتے ہیں-

''زیور جو مستعار لیا گیا-''

''نتھ- جلجل وضع عام ہندی- پنچیاں طلائی ایک جوڑی''

پھر نواب صاحب لکھتے ہیں زیوارت تیار کروا کر حضور کے یہاں بھیجے گئے مستعار واپس کئے گئے-

نئے کی تفصیل- نتھ مرصع- جلجل ہندی مرصع- بازو بند سلمانی مرصع ایک جوڑی- کنٹھ ساخت انگریزی مرصع ایک- انگشتری ساخت انگریزی مرصع ایک- (مرصع

سے مطلب ہے جڑاؤ ہیرے والی- ناقل)

(ڈائری ۲۰ جون ۱۹۰۸ء بحوالہ اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۲۴۶)

نواب صاحب اپنی ڈائری میں جذبات شکر تحریر کرتے ہیں-

''۱۷ فروری پیر کا دن ۱۹۰۸ء- الحمدللہ کہ آج وہ دن ہے جس روز میرا نکاح حضرت کی بڑی صاحبزادی مبارکہ بیگم صاحبہ سے بعد نماز عصر مسجد اقصی میں بالعوض چھپن ہزارروپے ہوگیا ہے یہ وہ فضل و احسان اللہ تعالیٰ کا ہے کہ اگر میں اپنی پیشانی کو شکر کے سجدے کرتے کرتے گھسا دوں تو بھی خداوند کے شکر سے عہدہ برانہیں ہوسکتا- میرا جیسا نابکار اور اس کے ساتھ یہ نور یہ خداوند تعالیٰ کا خاص رحم اور فضل ہے- اے خدا- اے میرے پیارے مولا جب تو نے اپنے مرسل کا مجھ کو داماد بنایا ہے اور اس کے لخت جگر سے میرا تعلق کیا ہے تو مجھ کو بھی نور بنا دے تا کہ اس کے قابل ہوسکوں (اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۲۴۸)''

نواب صاحب نور کا لفظ استعمال کرتے ہیں گویا یہ وہی ''نور'' وہی چمکتے ہوئے روپے تھے جو زوجہ ثانی نے حضور کے خواب میں دوسرے ہاتھ میں لئے جن سے نور کی کرنیں نکلیں- وہ دس روپے صاف اور سفید حضور نے دیکھے اور رشتے کی تحریک کے وقت بیگم صاحبہ کی عمر دس سال سے کچھ اوپر ہی تھی- پھر اس خواب اور کشف کے بعد حضور فرماتے ہیں، مجھے نہایت خوشی ہوئی جو اندازے سے باہر ہے-

# رخصتی سے پہلے اہم نصائح اور ان پر عمل---

## مثالی ازدواجی زندگی

حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ حضرت اماں جان نے اپنی صاحبزادی حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کو شادی کے وقت ذیل کی نصائح فرمائیں۔

☆ ''اپنے شوہر سے پوشیدہ، یا وہ کام جس کو ان سے چھپانے کی ضرورت سمجھو ہرگز کبھی نہ کرنا۔ شوہر نہ دیکھے مگر خدا دیکھتا ہے اور بات آخر ظاہر ہو کر عورت کی وقعت کو کھو دیتی ہے۔

☆ اگر کوئی کام ان کی مرضی کے خلاف سرزد ہو جائے تو ہرگز کبھی نہ چھپانا صاف کہہ دینا کیونکہ اس میں عزت ہے اور چھپانے میں آخر بے عزتی اور بے وقری کا سامنا ہے۔

☆ کبھی ان کے غصہ کے وقت نہ بولنا۔ تم پر یا کسی نوکر یا بچہ پر خفا ہوں اور تم کو معلوم ہو کہ اس وقت یہ حق پر نہیں ہیں جب بھی اس وقت نہ بولنا۔ غصہ تھم جانے پر پھر آہستگی سے حق بات اور ان کا غلطی پر ہونا ان کو سمجھا دینا۔ غصہ میں مرد سے بحث کرنے والی عورت کی عزت باقی نہیں رہتی اگر غصے میں کچھ سخت کہہ دیں تو کتنی ہتک کا موجب ہو۔

☆ ان کے عزیزوں کو۔ عزیزوں کی اولاد کو اپنا جاننا۔ کسی کی برائی تم نہ سوچنا خواہ تم سے کوئی برائی کرے۔ تم دل میں بھی سب کا بھلا ہی چاہنا۔ اور عمل سے بھی بدی کا بدلہ نہ کرنا۔ دیکھنا پھر ہمیشہ خدا تمہارا بھلا کرے گا۔''

(سیرۃ حضرت اماں جان حصہ دوم صفحہ ۱۶۷، ۱۶۸۔ مرتب محمود علی عرفانی صاحب)

شادی کے وقت عظیم دعا گو ماں کی سنہری نصائح پر عمل کرتے ہوئے ۱۲ سال کی لڑکی ایک بہترین بیوی اور بہترین بہو بہترین ماں ثابت ہوئی جیسا کہ آپ کی زندگی اس کی شاہد ہے۔

حضرت سیدہ کا رخصتانہ

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں کہ:- افسوس کہ نکاح کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد اسی سال ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو ہم اس سایہ رحمت مجسم سے محروم ہو گئے (یعنی حضرت مسیح موعود --- سے) میرا رخصتانہ ۱۴ مارچ ۱۹۰۹ء کو حضرت والدہ صاحب مکرمہ کے ہاتھوں اور حضرت خلیفہ اوّل کی دعا کے ساتھ نہایت سادگی کے ساتھ عمل میں آیا۔ اب میاں (یعنی نواب صاحب) کا اندرون شہر والا مکان بن چکا تھا اور کافی عرصہ سے (آپ) اسی میں مقیم تھے اور وہ بھی قریباً دار کا ہی حصہ ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود کی ڈیوڑھی کی ہی زمین پر ہے اور بیچ میں ہی راستہ بھی ہے۔ مجھے خود حضرت والدہ صاحبہ ساتھ لے جا کر ان کے گھر چھوڑ آئیں تھیں اور دروازے تک حضرت خلیفہ اول بھی آئے تھے۔''

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۲۵۰)

ڈائری حضرت نواب صاحب بابت رخصتانہ

۱۴ مارچ ۱۹۰۹ اتوار:- الحمد لله والمنة

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست

آخر آمدز پس پردہ تقدیر پدید

کہ آج مبارکہ بیگم صاحبہ صاحبزادی کلاں، حضرت اقدس مسیح موعود --- جن کا نکاح مجھ سے ۱۷ فروری ۱۹۰۸ء کو بروز دو شنبہ ہوا تھا۔ رخصت ہو کر میرے گھر آئیں اور میرے کلبہ احزن کو منور کیا۔ یہ رخصتانہ بوقت تین بجے وقوع میں آیا۔ میں نے ان میں حسن صورت وحسن سیرت دونوں کو پایا۔ لیاقت علمی بھی خاصی ہے الحمدللہ علی

ذالک یہ خدا کا عجیب فضل ہے کہ میرے جیسے ناکارہ کے ساتھ اس درج برج نبوت سے میرا پیوند کر دیا۔ ذالك فضل الله يوتيه من يشاء والله ذوالفضل العظيم۔

رخصتانہ نہایت سیدھی سادھی طرز سے ہوا مبارکہ بیگم صاحبہ کے آنے سے پہلے مجھ کو حضرت اماں جان نے فہرست جہیز بھیج دی اور دو بجے حضرت اماں جان خود لیکر مبارکہ بیگم صاحبہ کو میرے مکان پر ان سیڑھیوں کے راستے جو میرے مکان اور حضرت اقدس کے مکان کو ملحق کرتی تھیں تشریف لائیں۔ میں چونکہ مسجد میں تھا اس لیے ان کو بہت انتظار کرنا پڑا ور جب بعد نماز آیا تو مجھ کو بلا کر مبارکہ بیگم صاحبہ کو بایں الفاظ نہایت بھرائی آواز سے کہا کہ ''میں اپنی یتیم بیٹی کو تمہارے سپرد کرتی ہوں'' اس کے بعد ان کا دل بھر آیا اور فوراً سلام علیک کر کے تشریف لے گئیں۔

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۲۵۲،۲۵۳)

# عظیم ماں اور عظیم بیٹی رسموں کو توڑنے کا موجب بنیں

معاشرے میں بعض اوقات بعض رسمیں ایسی پختہ ہو جاتی ہیں کہ اس کے خلاف کرنے والا نکو بن جاتا ہے اس کی جگ ہنسائی ہوتی ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ مالیر کوٹلے والوں کے یہاں دستور تھا کہ دولھا والے دلہن کے یہاں سے مع بارات کے دعوت کھا کر آتے تھے اور خود ولیمے کی دعوت نہ کرتے تھے اس رسم کو ختم کرنے کیلئے نواب محمد علی خاں صاحب نے فیصلہ کیا کہ ہم بارات لیکر دلہن کو رخصت کر کے نہیں لائیں گے تا کہ باراتیوں کو دعوت نہ کھلائی جائے اور خود ولیمے کی دعوت کریں گے۔ جبکہ دہلی والوں کے یہاں یہ دستور ہے کہ دولھا والے خاص اہتمام سے بارات لاتے اور دلہن کو عزت و چاہت سے دولھا خود گود میں اٹھا کر لے جاتا ہے اس لئے دلہن والے یہ بے عزتی سمجھتے ہیں کہ بارات کے بغیر دلہن رخصت کی جائے۔ لیکن آفرین ہے حضرت اماں جان پر جنہوں نے دولھا کے بارات نہ لانے کو اپنی انا کا مسئلہ نہ بنایا بلکہ اپنی لاڈلی بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر خود نواب صاحب کے حوالے کر آئیں۔ اور سلام ہے حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ---- دلہن رانی پر جنہوں نے خود سے جانے میں اپنی بے عزتی نہیں سوچی۔ دراصل ایسے عظیم نمونے اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے ہی دکھا سکتے ہیں ورنہ دنیا تو ایک چھوٹی سی رسم بھی توڑنے کی ہمت نہیں کرتی - رسموں کے طوق انہوں نے اپنے گلے میں ڈالے ہوئے ہیں اور نواب صاحب نے بھی اپنی اکلوتی بیٹی بوزینب کو شادی کے روز نصائح کیں اور پھر اپنی بیگم حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ سے کہا کہ حضرت اماں جان کے یہاں چھوڑ آؤ۔

دولھا نواب محمد علی خاں صاحب بھی متقی انسان تھے دلہن اور دلہن والوں کی

عزت وتکریم کو عین ایمان سمجھتے رہے-چنانچہ آیئے پھر نواب صاحب کی ڈائری کے چند اوارق دیکھیں-

''۱۵ مارچ ۱۹۰۹ء دوشنبہ:- آج میں نے تمام احمدی بھائیوں کو جو قادیان میں ہیں اور بعض عمائد قصبہ کو دعوت ولیمہ دی ہے- مبارکہ بیگم صاحبہ کے ساتھ میں نے شادی محض خداوند تعالیٰ کی رضا جوئی اور حضرت اقدس سے تعلقات بڑھانے کیلئے کی- مگر خداوند تعالیٰ نے ماسوائے اس کے بہت فضل کیئے- حسب کے لحاظ سے مبارکہ بیگم صاحبہ بیٹی ہیں حضرت اقدس کی، ایک معزز قوم مغل برلاس سے اور پھر اناث کی جانب سے دو دادیاں حضور ممدوح کی سیدانی تھیں اور حضرت اماں جان جو والدہ مبارکہ بیگم صاحبہ ہیں سیدانی ہیں- میر ناصر نواب کی بیٹی ہیں جو نبیرہ خواجہ میردرد صاحب ہیں اس طرح مبارکہ بیگم کا ددھیال اور ننھیال دونوں آفتاب و ماہتاب ہیں اور احمدیوں میں تو اس سے معزز گھرانا نہیں ہوسکتا اور فی الواقع دنیا بھر میں بہ سبب حضرت مسیح موعود کوئی گھرانا نہیں کہ ایسا خدا کے نزدیک معزز ہو- پھر صورت کے لحاظ سے---- اور روحانی لحاظ سے بھی حالت معزز ہے اور سیرت کے لحاظ سے کس باپ کی بیٹی ہیں بس نہایت پیارا انداز اور عجیب دلکش طبیعت ہے، محبت کرنے والی بیوی ہیں پھر مجھ کو کیوں محبوب نہ ہوں خداوند تعالیٰ ہمارے بہت ہی بہترین تعلقات پیدا کردے اور غایت درجہ کا عشق آپس میں پیدا کر دے اور بڑی مدت تک خداوند ہم کو نیکی محبت عزت آبرو صحت اور خوشی و خوش حالی اور دین کی خدمت میں اکٹھا رکھے- آمین''

''۱۶ مارچ ۱۹۰۹ء منگل:- آج بھی قادیان میں قیام رہا اور مبارکہ بیگم کا جہیز جس قدر ہے بہت اچھا اور کارآمد ہے (اصحاب احمد صفحہ ۲۵۴) اس اعتراف سے جہاں حضرت سیدہ اماں جان اور حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے حسن ذوق کا پتہ چلتا ہے وہاں حضرت نواب صاحب کی قدر دانی بھی بے مثل ہے-

۱۷ مارچ ۱۹۰۹ء بدھ:- آج بھی قادیان میں رہا-

۱۸ مارچ ۱۹۰۹ء جمعرات:- آج میں مبارکہ بیگم کو ساتھ لیکر لاہور روانہ ہوا حضرت اماں جان نے مبارکہ بیگم کے ساتھ بسم اللہ دختر قدرت اللہ خان اور بسم اللہ کی دولڑکیاں ولیہ اور رفیعہ ساتھ کر دی ہیں- کریمہ اور حلیمہ کو میں ساتھ ہی لایا تھا- مرزا خدا بخش مع اہل وعیال میں لاہور سے ساتھ لایا تھا رحیم دِین مدد خاں صفدر بھی ساتھ آئے تھے اور ساتھ گئے- یہ مختصر قافلہ قادیان سے کوئی دو بجے گاڑی اور یکوں میں روانہ ہوا- اور بخیریت بٹالہ پہنچا- وہاں سے جو ریزرو گاڑی فرسٹ کلاس لی گئی تھی اس میں سوار ہو گئے اور لاہور بخیریت پہنچ گئے- ہم چھ بجے شام بٹالہ سے روانہ ہو کر نو بجے لاہور پہنچے وہاں اسٹیشن سے ہم چلے تھے کہ اتفاقاً عبدالرحمٰن کی آواز سنی- معلوم ہوا کہ بچے شیخ عبدالرحیم کو لے کر بائیسکلوں پر سوار ہو کر لینے آئے ہیں- ان سعادت مند بچوں کی اس بات پر مجھ کو بہت خوشی ہوئی کہ انہوں نے اپنی نئی ماں کا خوشی اور محبت سے استقبال کیا اور پھر کوٹھی پر پہنچ کر اور بھی طبیعت خوش ہوئی کیونکہ زینب نے نہایت عمدہ طرح سے مبارکہ بیگم صاحبہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا- زینب اور بچوں نے خوب کوٹھی سجائی تھی جس سے ان کی خوشی اور محبت کا اندازہ لگتا تھا- یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ بچوں نے ان سے اپنی اصلی ماں کی طرح برتاؤ کیا- فالحمدللّٰہ علی ذالك یہ سفر قادیان سے لاہور تک نہایت مزے سے گزرا-

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۲۵۴)

## نواب صاحب کی ڈائیری

نواب صاحب کی یہ ڈائری نویسی انکی سیرۃ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے میں بہت کام آتی ہے گو ڈائری باقاعدہ نہیں لکھتے تھے لیکن جب لکھتے تھے آپ کی نیکی تقویٰ-عشق مسیح، ہمدردئ اسلام، تبلیغ و اشاعت کے درد کی عکاسی کرتی تھی- اس ڈائری سے پتہ چلتا کہ آپ تصنع و بناوٹ سے پاک سادہ انداز میں سب ضروری باتیں لکھتے- اگر سیر کو جاتے ہوئے دیر ہوگئی تو وہ بھی لکھ دیا-'' آج سیر میں دیر ہوگئی حضرت اقدس

کو انتظار کرنا پڑا- اس سے بڑی ندامت ہوئی- (اصحاب احمد صفحہ ۵۵۳) اسی طرح ایک جگہ لکھا- ''۱۸ فروری ۱۹۰۲ء آج اسراف الماء فی الوضو و الغسل میں مولوی نور الدین صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب نے مجھ کو تنبیہ کی- جزا ھما اللہ احسن الجزء-'' ''۱۹ فروری ۱۹۰۲ء آج پانی نسبتاً- حتیٰ المقدرور میں نے کم خرچ کیا-''

(صفحہ ۵۶۲)

۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کی ڈائیری میں حضور کی بیماری وفات قادیان میں لانا وغیرہ سب کا تفصیلی حال لکھا حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے کبھی جستجو نہیں کی کہ کیا لکھتے ہیں پڑھوں، آپ کی وفات کے بعد تمام کاغذات دیکھے اور ڈائریاں جماعت کی تحویل میں تاریخ محفوظ رکھنے کیلئے دے دیں-

## مزید فضل خداوندی

نواب صاحب پر مزید فضل خداوندی یہ ہوا کہ حضرت مسیح موعود کی دوسری صاحبزادی جن کے متعلق حضور کو دخت کرام کا الہام ہوا تھا- جدی طور پر ننھیال اور ددھیال دونوں طرف سے پہلے ہی کریم بنت کریم تھیں- اس الہام سے سسرال کے لحاظ سے بھی دخت کرام بننا اور اپنے اخلاق کریمانہ کے لحاظ سے دخت کرام ثابت ہونا مراد تھا چنانچہ وہ بھی نواب صاحب کے ایک صاحبزادے نواب محمد عبداللہ خاں کے عقد میں آئیں- بعد ازاں رشتوں کا سلسلہ اس طور پر چلا کہ اللہ تعالیٰ نے نواب صاحب کی صرف اس اولاد کی نسل جاری کی جو حضرت اقدس سے وابستہ ہے- چنانچہ میاں محمد عبدالرحمٰن خان صاحب کے ہاں کسی اولاد کا نہ ہونا افسوس کا باعث ضرور ہے مگر ممکن ہے کہ یہ امر اس وجہ سے ہو کہ ان کی اہلیہ احمدیت میں داخل نہیں ہوئیں- اس طرح میاں محمد عبدالرحیم خاں صاحب کے ہاں بھی اولاد نہیں- ان کی بیوی بھی احمدی نہیں ہوئیں- نواب صاحب کی وہ اولاد جو حضور کے صاحبزادے اور صاحبزادیوں سے بیا ہیں، انہی سے نواب صاحب کی اولاد چلی اور یہ دراصل اس پیشگوئی کے موافق ہے جو خود حضرت

مسیح موعود کی اولاد کثیر کے متعلق ہے۔ حضرت مسیح موعود نے جب چالیس دن ہوشیار پور میں چلہ کشی کی حد درجہ رات دن اسلام کی ترقی کیلئے دعائیں کیں تو خدا تعالیٰ نے ایک خاص شان کے فرزند کی ولادت کی خبر دی جس نے اسلام کی ترقی میں بھرپور حصہ لینا تھا یہ پیشگوئی حضور نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں شائع کی جس کا ایک حصہ یہ ہے۔

''تیرا گھر برکت سے بھرے گا اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا اور خواتین مبارکہ میں سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا تیری نسل بہت ہو گی اور میں تیری ذریت کو بہت بڑھاؤں گا اور برکت دوں گا۔''

سو نواب صاحب کی صاحبزادی۔ پوتیاں اور نواسیاں حضور کے خاندان میں آ کر موعودہ خواتین مبارکہ کے زمرہ میں شامل ہوئیں نیز خذوا التوحید التوحید یا ابناء الفارس (توحید کو پکڑو توحید کو پکڑو اے فارس کے بیٹو تذکرہ صفحہ ۲۷۰) کے الہام میں بھی جو ابناء فارس مخاطب ہوئے ہیں ان کا ایک حصہ آپ کی اولاد میں سے ہونے والی خواتین مبارکہ کے بطن سے، ہونے کے باعث، یہ امر نواب صاحب کی علوشان کو اور بھی چار چاند لگاتا ہے اور مرور زمانہ سے یہ فخر نواب صاحب کا بڑھتا رہے گا اور ان میں کبھی کوئی شخص آپ کا مماثل نہیں ہوسکتا۔

۱۹۵۲ء تک کے شجرہ نسب سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدس سے آپ کو اس وقت تک پندرہ قرابتیں ہو چکی ہیں چنانچہ دو رشتوں سے آپ حضرت اقدس مسیح موعود کے سمدھی اور ایک رشتہ سے حضور کے داماد۔ دو رشتوں سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے سمدھی۔ دو رشتوں سے قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے سمدھی اور ایک رشتہ سے آپ حضرت اقدس کے سسرال میں حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب کے سمدھی ہوتے ہیں۔ آپ کی صاحبزادی محترمہ زینب بیگم صاحبہ ایک رشتہ سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور ایک رشتہ سے حضرت اقدس کے نبیرہ مکرم صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب کی سمدھی ہوئے اور نواب صاحب کے صاحبزادے مکرم نواب محمد عبداللہ خان

صاحب حضرت اقدس کی فرزندی میں آنے کی فضیلت کے علاوہ ایک رشتہ سے حضرت خلیفتہ المسیح الثانی اور دو رشتوں سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کے سمدھی ہونے کا شرف بھی رکھتے ہیں۔‘‘

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۲۲۴۔ مطبوعہ ۱۹۵۲ء، گویا ۱۹۵۲ء تک کا شجرہ مذکور ہے)

قادیان واپسی انجام بخیر

حضرت بیگم صاحبہ فرماتی ہیں ’’حالات سے مجبور ہو کر کئی سال آخری، کوٹلہ میں ہی گزارے اور شروانی کوٹ میں قیام رہا۔ جتنا بھی کہا جاتا، مجبوری ہی ظاہر کرتے اور قادیان کو واپسی میں التوا ہی ہوتا رہتا ۱۹۴۲ء میں خود ہی اپنے ریاستی اور مالی معاملات کو جیسے بھی ہو سکا کچھ انتظامی صورت دی اور قادیان واپسی کی تیاری، بغیر کسی کی تحریک خاص کے کرلی۔ بہت انہماک سے روز و شب لگ کر کام ہوتا رہتا اور جانے کا پختہ طور پر ذکر رہتا۔ تو اب سب کو وہاں فکر ہوا، نواب صاحب مالیر کوٹلہ خود، اور دوسرے عزیز بہت آتے، اور کہتے کہ ابھی آپ نہ جائیں، مگر یہ، یہی کہتے کہ اب وقت آ گیا ہے۔ اب تو مجھے قادیان جانا اور وہیں رہنا ہے غرض سب نے بہت زیادہ کوشش کی مگر وہ جو پہلے یہاں آ ہی نہ سکتے تھے۔ اب سب کے اتنے اصرار کے باوجود، وہاں ذرا اور نہ ٹھہرے اور قادیان آ گئے، یہ الفاظ کئی بار کہے کہ اب میرے قادیان سے باہر رہنے کا وقت نہیں رہا۔ یہاں آ کر ۱۹۴۳ء کے نومبر میں علیل ہوئے اور آخر کار ۱۰ فروری ۱۹۴۵ء شام کے ۸ بجے کینسر مثانہ کے موذی مرض سے انتقال فرمایا۔ اناللّٰہ و انا الیہٖ راجعون۔‘‘

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۲۰۶)

حضرت بیگم صاحبہ فرماتی ہی ’’آپ کی طبیعت ہمیشہ شام کو ذرا مضمحل ہو جاتی تھی لیکن صبح کے وقت بہت ہی اچھی ہوتی تھی اور بشاش۔ آپ کی عادت تھی کہ نماز صبح کے بعد بالکل نہیں سوتے تھے خواہ رات کو دو بجے ہی تہجد وغیرہ کیلئے اٹھے ہوں۔ علالت میں مجھے ایک دن خیال آیا کہ آپ کی وفات کہیں شام کو نہ ہو۔ اس دن شام آپ کی

طبیعت بہت خراب ہو گئی لیکن صبح پوری طرح ہوش میں آ گئے۔ ایک دفعہ آخری دن فرمایا کہ ابھی آٹھ گھوڑوں والی گاڑی میرے لئے آئی تھی میں اس پر جا رہا تھا میں نے دریافت کیا کہ آپ نے خواب دیکھا ہے کہنے لگے ہاں خواب دیکھا ہے۔ میں نے پوچھا میں بھی ساتھ تھی تو کچھ کہا جو سمجھ نہیں آیا۔'' (اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۶۰۸)

**حضور کی تربیت کا اثر اور آپ کی صفات**

حضرت مسیح موعود کی تربیت کا نواب محمد علی خاں صاحب پر جو اثر ہوا۔ وہ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی زبانی سنیئے۔

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۵۰۲، ۵۰۳)

''صبر و استقلال خدا نے خاص طور پر ان کو عطا کیا تھا۔ بے حد عالی حوصلہ تھے عجیب دل پایا تھا۔ حالات کے چکر میں پڑ کر، تمام عمر ایک طرح قرض وغیرہ کے پھیر میں، تفکرات میں ہی گزری۔ مگر کیا مجال جو کبھی دل چھوڑا ہو یا کبھی مزاج خراب ہوا ہو۔ اس طرح ہشاش بشاش رہتے گویا ان سے زیادہ کوئی خوش ہے ہی نہیں۔ حضرت خلیفہ اول بیان فرمایا کرتے تھے ''ان کے دل پر تو مجھے رشک آتا ہے بڑا حوصلہ پایا ہے'' کبھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو دردناک الفاظ میں دعا کو لکھتے اور نہایت بشاش باتیں کرنے لگتے تو میں ان سے کہتی تھی کہ آپ میں جب خود اتنا حوصلہ ہے کہ اپنے تیئں اتنا خوش رکھتے ہیں۔ اور اب اچھے بھلے ہنس بول رہے ہیں، تو ان کو تکلیف دینے کو ایسے خط کیوں لکھتے ہیں کیونکہ آخر ان کو دکھ ہو گا۔ وہ گھبرائیں گے؟ تو فرماتے وہ تو روحانی باپ ہیں میرے۔ ان کے دل میں درد پیدا نہ کروں تو اور کس کے کروں؟ فرمایا کرتے تھے کہ میری طبیعت ہے کہ میں حتی المقدور غم کو اپنے اوپر بالکل طاری نہیں ہونے دیتا۔ تھوڑی دیر کیلئے خیال آیا اور نکل گیا۔ میں جب سوچتی ہوں کہ ان حالات میں جن میں سے ہم گزر رہے تھے ہماری زندگی کتنی خوشگوار تھی تو مجھے حیرت ہوتی ہے کہ وہ آخر کیا دل لے کر پیدا ہوئے تھے۔ اتنی زندہ دلی اور بشاشت کسی لڑکے

میں بھی نظر نہ آتی جس کے حصہ میں ان سے دسواں حصہ بھی افکار نہیں آئے۔''

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۵۰۲، ۵۰۳)

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں کہ نواب محمد علی خاں صاحب شروع سے ہی صاحب رویا وکشوف تھے ''ابتدا میں خواب سنا دیتے تھے اور گاہے لکھ بھی لیتے تھے لیکن سنانے اور تحریر کرنے سے رک گئے اور کہتے تھے کہ ہماری جماعت میں بعض کو ایک دو خوابیں آ گئیں اور سچی ہو گئیں اور ایک آدھ الہام ہو گیا تو اپنے تئیں کچھ سمجھنے لگ گئے اس لئے آپ خوابوں وغیرہ کے اظہار سے ڈرتے تھے کہ یہ امر کبھی فتنہ کا موجب بن جاتا ہے۔''

(اصحابہ احمد جلد دوم صفحہ ۶۰۷)

نواب صاحب تہجد گزار تھے۔

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ تحریر فرماتی ہیں کہ ''نواب صاحب بہت دعائیں کرتے تھے رات کو تہجد میں دعائیں کرتے تو یوں معلوم ہوتا کہ خدا تعالیٰ کا نور کمرہ میں نازل ہو رہا ہے اور اس طرح دعائیں کرتے اور اس گریہ وزاری سے کرتے کہ میری نیند اُڑ جاتی تلاوت قرآن کریم کی کثرت کے باعث، قریباً تمام قرآنی دعائیں یاد تھیں۔ احادیث کی بھی بہت سی دعائیں یاد تھیں جو اکثر پڑھا کرتے تھے۔''

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۵۱۷)

نواب صاحب حد درجہ نفیس طبیعت کے مالک تھے۔ اتنے کہ مرض الموت میں بھی صفائی کی فکر رہتی تھی۔ چنانچہ آپ مرض الموت کے حالات بیان فرماتی ہیں۔

''بیماری میں بھی ہر وقت صفائی اور طہارت کا خیال رہتا صرف ۱۸ دن بستر پر مجبوراً لیٹے جب بالکل طاقت نہ رہی---- صفائی کا بہت خیال تھا۔ جو عمر بھر رہا قریباً ہر وقت باوضو رہتے تھے۔ گندگی سے سخت نفرت تھی، تو آخری علالت میں ایک کشفی حالت پیدا کر کے خدا نے ان کی تسکین کا سامان یوں پیدا کیا جیسا کہ انہوں نے خود

بتلایا کہ مجھے تیمّم کروایا جاتا ہے گویا ایک طلسم کا سا کارخانہ ہے- تیمّم کر چکتا ہوں (فرشتے) اس بستر سے مجھے اٹھا کر لے جاتے ہیں اور صاف لپے پتے ہوئے کسان کے گھر میں نماز پڑھتا ہوں جہاں میں نے سلام پھیرا، اور پھر دیکھتا ہوں کہ اپنے بستر پر ہوں اور تم سب گرد موجود ہو یہ بات پورے ہوش میں مجھے انہوں نے بتائی پہلے ایک دو بار، ان کو ویسے ہی سمجھا، کہ بیماری میں دماغ پر اثر ہے مگر ایک دن پورے ہوش میں پھر سب سنایا اور یہ بھی کہا کہ میں نے پہلے ایک دوبار تم کو بتانا چاہا مگر تم نے ٹھیک سنا ہی نہیں- تم شائد ہذیان سمجھتی تھیں- مگر حقیقت یہ ہے کہ میرے ساتھ یہی عجیب معاملہ ہو رہا ہے- کہ جہاں تیمّم کی تھیلی پر ہاتھ مارا اور میں یہاں سے غائب ہوتا ہوں اور جہاں سلام پھیرا اور پھر یہاں بستر پر آن موجود ہوتا ہوں- واللہ اعلم-----

یہ کشفی حالت بارہا مرض الموت میں آپ پر طاری ہوتی رہی چنانچہ سیدہ موصوفہ فرماتی ہیں ''وفات سے دو تین روز پہلے کی بات ہے کہ ہم آپ کے پاس بیٹھے تھے آپ کی طبیعت بہت خراب تھی کہ آپ نے فرمایا کہ مودود (آپ کے پوتے) کو کیوں مارا ہے- کہا کہ اسے کسی نے نہیں مارا فرمایا اس کو میرے پاس لاؤ آپ کے فرمانے پر عزیز کو بلایا گیا تو معلوم ہوا کہ واقعی اس کی والدہ نے اس کو اس وقت مارا تھا- تو آپ نے اسے پیار کیا اور مسعود احمد سے کہا اس کو مارا نہ کریں-

ایک دن میاں محمد احمد صاحب کو زکام تھا وہ دوسری طرف چلے گئے اور آپ کے پاس تمام دن نہیں آئے کہ تکلیف ہو گی- آپ نے پوچھا میاں محمد احمد نہیں آئے اور پھر خود ہی فرمایا کہ ان کی تو خود کمر میں بہت درد ہے اتنے میں امتہ الحمید بیگم آئیں اور انہوں نے کہا کہ ان کی (محمد احمد) کمر میں بہت درد ہے حالانکہ اس بات کا مجھے بھی علم نہیں تھا اور وہ یہ ہی کہہ کر گئے تھے کہ زکام ہے-''

تدفین کے روز حضرت میاں محمد عبداللہ خاں صاحب نے ایک بات سنائی تھی جس کا حضرت نواب صاحب پر انکشاف ہوا تھا اسے سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے

الفاظ میں درج کیا جاتا ہے۔ فرماتی ہیں۔

''وفات سے چھ سات روز قبل کی بات ہے کہ بار بار فرماتے تھے کہ فتنہ کا بہت ڈر ہے بہت سازشیں ہو رہی ہیں۔ بڑا فتنہ ہے حضرت صاحب کو صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کو کہنا چاہیئے کہ انتظام کر لیں اور جب آنکھ کھلتی اور پھر بیدار ہوتے تو بار بار پوچھتے کہ کیا انہیں اطلاع کر دی ہے۔''

یہ فتنہ عظیم تقسیم ملک کی صورت میں نمودار ہوا۔ جس سے جماعت احمدیہ کو مجبوراً اپنے مقدس مرکز قادیان سے ہجرت کرنی پڑی۔

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۶۰۶ تا ۶۰۸)

## آپ کی آخری بیماری اور وفات

ایک عرصہ سے آپ بیمار چلے آرہے تھے لیکن بیماری میں کبھی گھبراہٹ اور چیخ پکار نہ تھی بلکہ کامل سکون۔ آخری دنوں میں پیشاب میں خون آنے لگا مثانے کا کینسر تھا۔ آپ کیلئے جماعت نے بہت دعائیں کیں صدقات دیئے۔ لیکن ۱۰ فروری ۱۹۴۵ء کو اپنے مولیٰ حقیقی سے جا ملے۔ انا للّٰه وانا الیہ راجعون۔ آپ کے تمام عزیز مالیر کوٹلے سے پہلے ہی قادیان آچکے تھے وفات کی اطلاع پر دور و نزدیک سے احمدی پہنچنے لگے۔

نماز جنازہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے پڑھائی ہزاروں افراد نے رقت اور خشیت سے نواب صاحب کے لئے دعائیں کیں۔ میت کو لحد میں اتانے کیلئے خود حضرت خلیفۃ المسیح، نواب عبداللہ خاں صاحب اور نواب محمد احمد خاں صاحب اترے چار پائی سے میت کو حضرت مسیح موعود کے خاندان کے صاحبزادگان نے اٹھایا۔ آپ کی قبر اس خاص احاطہ میں ہے جہاں حضرت مسیح موعود کا مزار مبارک ہے اور صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب کے بائیں جانب آپ کی قبر ہے۔

حضرت نواب صاحب نے ۷۵ سال ایک ماہ اور دس دن عمر اپنے ایک خواب کی بنا پر اپنے روحانی باپ۔۔۔۔ حضرت مسیح موعود کے برابر پائی۔ اور اس عمر کا ہر لمحہ

پاکبازی اور تقویٰ شعاری کے ساتھ گزارا جس کی دنیا شاہد ہے۔

(اصحاب احمد خلاصہ جلد دوم صفحہ ۶۲۳)

## مبشر خواب

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کو جو رویا نواب صاحب کے وصال کے بعد ہوئے آپ کے الفاظ میں درج ہیں۔

''مجھے اس بات کا بہت خیال رہتا کہ نواب صاحب کو خواب میں دیکھوں لیکن کم ہی خواب میں دیکھا۔ مگر دو چار بار بہت مبشر خواب آئے۔ ایک خواب حضرت صاحب نے خطبے میں بیان کر دی تھی۔ ایک خواب یہ دیکھا کہ ایک سواری ہے جو کہ چار پائی کی طرح ہے اور ہوائی جہاز کی طرح اڑتی جا رہی ہے اس کے اوپر میں ہوں اور سامنے میرے نواب صاحب بیٹھے ہیں، مجھے کہتے ہیں کہ مجھے تو جہنم کی کھڑکی تک نہیں دکھائی گئی۔ بُردار مخمل کی طرح، کپڑے کی بہت ہی سفید صدری بند گلے کی پہنی ہوئی ہے اور سینے پر ہاتھ پھیر کر کہتے ہیں کہ جس نے یہ پہنی ہوتی ہے اس سے ایسا ہی سلوک ہوتا ہے۔

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۶۲۸)

''پھر ایک بار میں نے دیکھا کہ سامنے سے آ رہے ہیں تو مجھے خواب میں یہ احساس تھا کہ آپ فوت ہو چکے ہیں تو میں نے بے بی کو کہا کہ وہ تمہارے ابا میاں آ گئے۔ آپ نے بچی کو گلے سے لگایا اور پیار کیا اور پوچھا تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں اور کسی چیز کی ضرورت تو نہیں اور اس کے بعد کان میں آہستہ سے کہا کہ میں تمہارے لیئے بشارتیں لایا ہوں۔ اور پھر مجھ سے پوچھا کہ کوئی تکلیف تو نہیں اور کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ میں گھبرا کے بول رہی ہوں اور کہتی ہوں کہ مجھے کوئی تکلیف نہیں۔ مگر آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔ تو آپ کا جسم اس وقت مجھے اس طرح معلوم ہوتا ہے جیسے بلور کا (شیشہ کا) ہو اور اس پر روشنی پڑ رہی ہو۔ اور اونچے ہوتے جا رہے ہیں قد نہیں

بلکہ وہ مقام جس میں کھڑے ہیں- دروازہ سا ہے اور وہ بلند ہوتا جا رہا ہے- میری بات کے جواب میں پہلے کہا کہ مل ہی لیں گے اور پھر کہا یہاں خدا سے ڈر لو جتنا چاہو- وہاں تو کچھ بھی نہیں- تو یہ بات مجھے اس رنگ میں سخت ناگوار گزری ہے کہ اس کا مفہوم خدا تعالیٰ کی ہستی سے نعوذ باللہ انکار تو نہیں؟ اور میں نے گھبرا کر نظر اٹھا کر ان کی طرف دیکھ کر کہا یہ کیا کہا ہے؟ پھر اس کے جواب میں میری طرف دیکھ کر کہا کہ پھر میرے ساتھ تو یہی سلوک ہوا میں نے تو یہی دیکھا کہ رحمت ہی رحمت- بخشش ہی بخشش- نہ دیکھا نہ بھلا- نہ پوچھا نہ گچھا- اٹھایا اور بخش دیا اور پھر رحمتیں- ہی رحمتیں یہ سن کر مجھے بیحد خوشی ہوئی اور آنکھ کھل گئی-''

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ۶۲۸،۶۲۹)

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اپنے ایک خواب کا ذکر فرماتی ہیں ''ایک دفعہ دیکھا کہ نواب صاحب آ رہے ہیں- اس وقت مجھے خواب میں احساس ہے کہ یہ اب فوت ہو چکے ہیں- بڑے اضطراب کے ساتھ میں نے کہا کہ یااللہ- اب آپ فوت نہ ہوں تو آپ نے نہایت ہی وقار کے ساتھ کہا کہ ہم زندہ ہیں اور ہم لوگوں کو مردہ نہیں کہتے- ہم مرا نہیں کرتے بلکہ نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں- ٹھیک یہی الفاظ سنجیدگی سے ٹھہر ٹھہر کر ادا کیے''-

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ۶۲۹)

اس ہی مفہوم کا خواب قریباً سنتیس ۳۷ سال قبل خود ہی حضرت نواب صاحب کو بھی اللہ تعالیٰ نے حسن خاتمہ بلکہ اعلیٰ خاتمہ کی خبر دی تھی- سیدہ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں-

''حضرت مسیح موعود کی وفات کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد آپ نے خواب دیکھا تھا کہ حضور تشریف لائے اور ایک کاغذ حضور کے ہاتھ میں ہے اور وہ حضور نے آپ کے سامنے رکھ دیا اور فرمایا کہ یہ ان لوگوں کے نام ہیں جو میرے بعد شہید ہونگے- ناموں کا ایک صفحہ لکھا ہوا ہے لیکن ان میں سے صرف اپنا اور حضرت صاحبزادہ

میاں محمود احمد صاحب کا نام یاد رہا۔ باقی ذہن سے اتر گئے۔

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۶۲۹)

بلاشبہ یہ دونوں خواب نواب صاحب کے اعلیٰ درجات کی خبر دے رہے ہیں۔ حضرت نواب محمد علی خان صاحب کی عظمت اور مقام کا اندازہ اخبار کے اس نوٹ سے لگایا جا سکتا ہے جو آپ کی وفات پر لکھا گیا اس میں سے منتخب حصے تحریر کیے جا رہے ہیں۔

''قادیان ۱۱ فروری ۱۹۴۵ء وہ معزز و مکرم ہستی جو اپنی عظمت اور شان کے لحاظ سے جماعت احمدیہ میں اپنی مثال آپ تھی وہ شوکت اور تمکنت رکھنے والی ہستی جس کے خاندان میں، حکومت پشتوں سے چلی آ رہی ہے وہ دوربین اور دور اندیش ہستی جس نے مذہب سے بیگانہ اور دینوی عیش وعشرت میں ڈوبے ہوئے ماحول سے اپنی عمر کے ابتدائی زمانہ میں ہی نکل کر حضرت مسیح موعود کو اس وقت شناخت کرنے کا شرف حاصل کیا جب بڑے بڑے علم رکھنے والے بڑی بڑی ریاضتیں کرنے والے اور مسیح موعود کا بے تابی سے انتظار کرنے والے لوگوں کی آنکھوں پر کبر ونخوت کی پٹی بندھی ہوئی تھی وہ خدا تعالیٰ کی رضا اور قربت کی جویاں ہستی جس نے اپنا وطن چھوڑ کر جہاں اسے ہر رنگ کی ریاست حاصل تھی اور حکومت کے سامان میسر تھے۔ حضرت مسیح موعود کے در کی گدائی کو ترجیح دی اور اس وقت ترجیح دی جب کہ قادیان میں معمولی سے معمولی ضروریات زندگی بھی میسر نہیں آ سکتی تھیں۔ وہ شاہانہ ماحول میں پاکیزہ اطوار رکھنے والی ہستی جس نے اپنے وسیع محلات چھوڑ کر حضرت مسیح موعود کے قرب میں چند فٹ کی کوٹھریوں میں رہائش پسند کی۔ وہ جود وسخا میں اپنا ثانی نہ رکھنے والی ہستی، جس نے کثرت اور وسعت سے اپنے اموال احمدیت کو تقویت پہنچانے اور غربا کی مدد کرنے کے لئے صَرف کیئے کہ ابتدائی زمانے میں اس کی مثال نہیں ملتی''۔ یعنی حضرت نواب محمد علی خاں صاحب آف مالیر کوٹلہ۔

(بحوالہ اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۶۱۰، ۶۱۱)

# مثالی شوہر اور مثالی باپ

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں پہلی گواہی میاں کی، بیوی کے متعلق اور بیوی کی میاں کے متعلق لی جائے گی۔ اور ہمیں اس گواہی میں حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ ایک مثالی بیوی نظر آتی ہیں۔ اگرچہ آپ میں اور نواب صاحب کی عمر میں ۲۷ سال کا فرق تھا اس کے باوجود نواب صاحب بیگم صاحبہ کی عقل، سمجھ متانت، محبت، وفا اور سیرت کے قدردان تھے وہ جانتے تھے کہ یہ مقدس باپ کی مبارک بیٹی ہیں چنانچہ آپ سے نکاح ہونے کے بعد آپ اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں ''یہ وہ فضل اور احسان اللہ کا ہے اگر میں اپنی پیشانی کو شکر کے سجدے کرتے کرتے گھساؤں تو بھی خدا تعالیٰ کے شکر سے عہدہ بَرا نہیں ہوسکتا میرے جیسے نابکار اور اس کے ساتھ یہ نور۔ یہ خدا کا خاص رحم اور فضل ہے اے خدا! اے میرے پیارے مولیٰ اب تو نے اپنے مرسل کا مجھ کو داماد بنایا ہے اور اس کے لخت جگر سے میرا تعلق کیا ہے تو مجھ کو بھی نور بنا دے کہ اس قابل ہوسکوں'' پھر ایک جگہ آپ اپنی ڈائری میں بیگم صاحبہ کے بارے میں لکھتے ہیں ''پھر صورت کے لحاظ سے---- اور روحانی لحاظ سے بھی حالت معزز ہے اور سیرت کے لحاظ سے کس باپ کی بیٹی ہیں بس نہایت پیارا انداز اور عجیب دلکش طبیعت ہے محبت کرنے والی بیوی ہیں پھر مجھ کو کیوں نہ محبوب ہوں''۔

(بحوالہ اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۲۵۳)

نواب صاحب چھوٹی چھوٹی بات میں بھی بیگم صاحبہ سے برکت لینے کی کوشش کرتے۔ ایک مرتبہ نئے سال کا کیلنڈر آپ نے بیگم صاحبہ کو دیا کہ اس پر کوئی شعر لکھ دیجئے۔ بیگم صاحبہ نے کیلنڈر کے سرورق پر لکھا۔

فضل خدا کا سایہ ہم پر رہے ہمیشہ
ہر دن چڑھے مبارک ہر شب بخیر گزرے

آپ فرماتی ہیں کہ یہ شعر نواب صاحب مرحوم ''ہمیشہ نئے سال کے کیلنڈر کے سر ورق پر لکھتے تھے (بحوالہ در عدن صفحہ ۳۶) اسی طرح نواب صاحب اکثر آپ سے اشعار کی فرمائش کرتے اور آپ میاں بیوی ہونے کے باوجود دنیا کے فرسودہ و فانی محبت کے اشعار کے بجائے عشق حقیقی کے اور دعائیہ اشعار فارسی اور اردو میں کہتیں جن کو نواب صاحب بہت پسند کرتے۔

آپ کی بیٹی مکرمہ آپا محمودہ بیگم صاحبہ تحریر کرتی ہیں ''کوئی اور بیوی ہوتی تو یقیناً مغرور ہو جاتی اور شوہر کے حقوق اور محبت اور عزت میں کوتاہی کرنے لگتیں اپنی بڑائی کا خیال پیدا ہو جاتا لیکن امی جان نے باوجود اس کے کہ بہت چھوٹی عمر کی تھیں (بمشکل بارہ سال کی ہوں گی) ابا میاں کے اس سلوک سے ناجائز فائدہ نہ اٹھایا ہمیشہ ان کا بے حد ادب کیا بے انتہا محبت اور عزت کی۔ جن باتوں کو وہ پسند نہ کرتے تھے ان کا ہمیشہ خیال رکھا۔ ہمیشہ سامنے بھی اور غیر حاضری میں بھی ان پر عمل کیا۔ ہمیشہ ہمیں بھی یہ ہی کہنا کہ تمہارے ابا میاں کو یہ بات پسند نہیں ہے اس کا خیال رکھو۔ ان کی بیماری میں پریشان ہو جانا۔ ان کی زندگی کے لیے بے حد دعائیں کرنا۔ ان کے ہر حکم اور خواہش پر شرح صدر سے عمل کرنا۔ چھوٹی عمر میں شادی ہوئی، کہا کرتی تھیں بہت باتیں میں نے میاں سے سیکھی ہیں۔ کبھی کسی بات کا نقص نہ نکالتے تھے بلکہ بڑی نرمی سے بہت اچھے طریقے سے بات سمجھاتے تھے۔

اس وقت ناشکری ہو گی اگر میں اپنے والد صاحب کی خوبیوں کا تھوڑا سا ذکر نہ کروں۔ وہ بے انتہا خوبیوں والے انسان تھے۔ شریعت کے احکام پر چلنے میں نہایت سخت بظاہر بہت پر رعب شخصیت کے مالک لیکن خدا اور رسول اور خلیفہ وقت کے احکامات کے سامنے اتنی ہی عاجزی اختیار کر لیتے جیسی ایک مومن مرد میں ہونی چاہیے۔

خلیفہ وقت کا بے حد ادب اور اطاعت ہمیشہ سے ان کا شیوہ رہا- یہی اپنی اولاد کو نصیحت کرتے- حضرت مسیح موعود کی اولاد کی عزت تو آپ نے کرنا ہی تھی لیکن وہاں تو یہ حال تھا کہ بچوں اور اسی طرح دوسرے پوتے پوتیوں کی بے حد عزت کرتے- حتیٰ کہ چھوٹے چھوٹے بچوں تک کو میاں کہہ کر پکارتے- اس طرح بعد میں ان کا ذکر ادب سے کرتے- اخلاص کی انتہا تھی ہاں اگر کوئی بات ان کے وقار سے گری ہوئی محسوس کرتے تو صاف سمجھا دیتے- پیچھے سے اعتراض کرنے کی عادت بالکل نہ تھی- امی جان کی اتنی عزت اور قدر کرتے اور ان سے اتنی محبت کرتے کہ میرے پاس الفاظ نہیں- ان کی ادنیٰ سے ادنیٰ اور بڑی سے بڑی خواہش کا احترام کرتے تھے- ان کی ہر بات پوری کرتے- اس حسن سلوک کی مثال اپنی زندگی میں تو میں نے کبھی نہیں دیکھی- اتنی عمر میں میں نے ایسا بے مثال شوہر نہیں دیکھا اور یہ صرف حضرت مسیح موعود کی وجہ سے تھا ہمارے بھائی میاں کی شادی کا جب خالہ جان سے شادی کا ارادہ کیا تب انہیں بھی یہی نصیحت کی کہ دیکھو ان سے برابری کا دعویٰ کبھی نہ کرنا میں جو تمہاری والدہ کی قدر اور عزت کرتا ہوں اس لئے نہیں کرتا کہ میری بیوی ہیں صرف اس لئے یہ کرتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود کی بیٹی ہیں- ہمارے بھائی صاحب نے بھی اس نصیحت پر آخری دم تک عمل کیا اور ہماری خالہ جان کی بے حد قدر اور عزت کی-

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۳۱،۳۲)

آپا محمودہ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں ''ہمارے ابا نے بیٹوں اور بیٹیوں کی بڑے سادہ طریق پر تربیت کی- ہمیشہ نرمی سے سمجھایا- والد اور والدہ کے ایک جیسے اصول تھے- والد کا رعب تھا لیکن امی جان سے بے تکلفی تھی- لیکن بدتمیزی خواہ کسی سے بھی ہو برداشت نہیں کرتے تھے- کھانے کی میز پر والد ہر قسم کی بے تکلف گفتگو کرتے تھے- اگر کوئی بات مزاج یا اصولوں کے خلاف ہوتی تھی تو تحریراً ڈانٹتے تھے- بیٹیوں کو کبھی بھی نہیں ڈانٹا- صرف ایک بار امی جان نے مجھے سختی سے ڈانٹا اور وہ بھی بے قصور اس پر

میں روٹھ گئی۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ والد کو اچھا نہیں لگ رہا تھا لیکن امی جان سے کچھ بھی نہیں کہا۔ دوسرے دن خود میرے پاس آئے اور مجھے پیار کیا۔ میں بہت شرمندہ ہوئی۔ والد کو پردہ کا بہت خیال رہتا تھا۔ اس میں بہت سخت تھے۔ قریبی رشتہ داروں سے بھی پردہ کراتے تھے۔ مثلاً اپنے بھتیجوں اور بھائیوں کے دامادوں سے۔ لیکن جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے مصلح موعود ہونے کا اعلان ہوا تو اس وقت کہا کہ اب میرا کوئی اصول نہیں، جو حضرت صاحب کا ہو اس پر تم نے چلنا ہے۔

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۳۱، ۳۲)

نواب صاحب کی دینی غیرت

آپا آصفہ مسعودہ صاحبہ نواب صاحب کی دینی غیرت کے بارے میں بتاتی ہیں کہ ''بڑے بھائی عبدالرحمٰن خان صاحب اور چھوٹے بھائی عبدالرحیم خالد صاحب کی شادیاں خاندانی مجبوریوں اور بھائیوں کی پسند پر مالیر کوٹلے کے رشتہ داروں میں جو غیر احمدی تھے ہوئیں۔ اگرچہ دونوں بھائیوں نے بیعت کی ہوئی تھی۔ ابا جان کہتے تھے اللہ میاں اگر ان کی اولاد اور نسل احمدی ہو تو انہیں اولاد دینا۔ بھائی عبدالرحمٰن صاحب کے ایک بیٹا میری پیدائش کے قریب ہوا اور دو مہینے کا ہی فوت ہو گیا گویا غیر احمدی نسل نہیں چاہتے تھے۔

میں پیدا ہونے والی تھی تو دعا کرتے تھے کہ اللہ میاں بیٹا نہ ہو۔ میری عمر کا اعتبار کوئی نہیں ہے بیٹی ہی دینا ورنہ انگریز حکومت بیٹا چھین کر لے جائے گی۔

انگریز حکومت میں، والیان ریاست اور نوابوں کی وفات کے بعد، ہونے والا بیٹا انگریز چھین لیتے تھے کہ اس بچہ کی جائیداد پر قبضہ کرنے کیلئے خاندان کے لوگ اس کے خلاف کوئی سازش نہ کریں۔ جائیداد کورٹ ہو جاتی تھی اور بچہ کو گورنمنٹ کی تحویل میں پڑھنا پڑتا تھا۔ (تحریر آپا بے بی)

آپا طاہرہ صدیقہ صاحبہ بیگم مرزا منیر احمد صاحب نواب صاحب کے متعلق

فرماتی ہیں۔

''ہم مالیر کوٹلہ کافی عرصہ رہے میری پیدائش بھی وہاں ہوئی بیچ میں آتے جاتے رہے گھر پر ہی دادا جان نے ہماری تعلیم کا انتظام کر دیا تھا۔ مختلف اساتذہ دینیات اردو انگریزی حساب پڑھاتے۔ چھوٹی عمر میں ہم سامنے آتے پھر پردے کے پیچھے سے پڑھتے۔ قرآن کریم ہم کو دادا جان نے پڑھایا۔

ہمارے بھائیوں کیلئے بھی گھر پر ہی اساتذہ پڑھانے آتے۔ مختلف مضامین مختلف اساتذہ پڑھاتے۔ ایک اتالیق جو رات دن بھائیوں کے ساتھ رہتے تھے۔ اور پانچوں نمازیں بھائیوں کو مسجد میں پڑھانے کیلئے لیکر جاتے۔ مغرب کے بعد بھائیوں کو زنانہ گھر میں آنے کی اجازت نہیں تھی۔ دوپہر کو کھانا کھانے کے وقت ہمارے ساتھ گپ شپ کرتے باتیں کرتے۔ لیکن شام کے بعد باہر مردانہ میں ہی رہتے وہاں ہی اپنے اتالیق کی نگرانی میں کھاتے اور سوتے۔ حضرت حافظ روشن علی صاحب کافی عرصہ اتالیق کے طور پر رہے۔

میں تیرہ سال کی تھی جب قادیان آئی اور ساتویں کلاس میں داخل ہوئی اس وقت ہم کو دادا جان اور ابا جان نے یہ نصیحت کی کہ اسکول بہت فاخرانہ لباس میں نہ جانا۔ (اس وقت اسکول میں یونیفارم نہیں ہوتی تھی) سادہ لباس میں جانا، تاکہ باقی لڑکیوں کو احساس کمتری نہ ہو کہ ہمارا لباس اس کی طرح کا نہیں ہے۔'' پھر فرمایا۔ ''کہ ہم جماعت لڑکیوں سے اخلاق سے ملو۔ تکبر اور غرور پاس نہ آئے۔ لیکن کسی سے نہایت درجہ دوستی بھی نہ کرنا۔ کیونکہ عمر چھوٹی ہوتی ہے بے تکلفی میں کوئی نامناسب بات، نہ کہو نہ سنو۔ ہر چیز ایک حد تک ہی رہے۔ (ذاتی تحریر)

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ ایک باوفا قدر دان بیوی تھیں چنانچہ آپ نواب صاحب کی وفات کے بعد نواب صاحب کے متعلق فرماتی ہیں ''انتہا کے سیر چشم، وسیع اخلاق کے مالک کسی کی برائی نہ کرنے والے، نہ سننے والے۔ ہر ایک کی خوشی میں

دل کی گہرائیوں سے خوش ہونے والے بے حد دل کے غنی صدق و غنا و سیر چشمی عالی حوصلگی اور رفعت، وسعت اخلاق، خصوصیتیں تھیں ان کی سیرت کی۔ اور یہ صفات ان میں پورے طور پر جلوہ گر تھیں۔ مجھے اپنی ساری زندگی میں جوان کے ساتھ گزری کبھی ان میں سقم ذرا بھی نظر نہ آیا بلکہ زیادہ ہی زیادہ یہ خوبیاں چمکتی نظر آتی رہیں۔ مگر ان کی بڑی خوبی ان کا ایمان تھا جس کے ظہور کو میں ہر امر میں دیکھتی رہی ہوں جہاں تک خدا نے مجھے دکھایا، میں خدا کو شاہد کر کے کہہ سکتی ہوں کہ وہ شخص ایک اعلیٰ درجہ ایمان کا مالک تھا۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کا ان پر ایک خاص احسان تھا ورنہ خود آدمی تو یہ بات پیدا نہیں کر سکتا۔''

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۶۲۳، ۶۲۴)

حضرت سیدہ بیگم صاحبہ کیسی باریک نظر نواب صاحب کی خوبیوں پر رکھتیں اور ان کی قدر دانی کرتی تھیں اور پھر سب سے اوپر اور بالا بات ان کے ایمان اور تقوی کو گردانتی ہیں۔ ہماری خواتین بھی پیار و محبت، حسن نظر کو بروئے کار لائیں تو حسن ہی حسن چاروں طرف نظر آئے گا۔

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ پر خدا تعالیٰ نے بے حد فضل فرمائے اور حقیقتاً آپ کو ''نواب'' مبارکہ بیگم بنایا۔ شادی کے بعد آپ ''نواب بھی بنیں اور بیگم'' بھی بنیں دراصل یہ دو خطاب ہیں ''نواب'' اور ''بیگم'' تو خداتعالیٰ نے نوابی آرام و آسائشیں بے فکری اور بے غمی مزید عطا فرمائی جیسا کہ آپ حضرت نواب صاحب کے انتقال کے بعد فرماتی ہیں۔

''مجھے خود حضرت والدہ صاحبہ ساتھ لے جا کر نواب صاحب کے گھر چھوڑ آئیں اور ان کے سپرد کیا تھا اور خدا کی ہزار ہا رحمتیں روز بروز لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہوئی ان کی روح پر نازل ہوں اس ہاتھ پکڑنے کی لاج جب تک میرا ہاتھ خدا کے ہاتھ میں دیکر رخصت نہیں ہو گئے ایسی رکھی کہ مجھے تو کہیں نظیر نہیں ملتی۔ ایسا نبھایا جو نبھانے کا

حق ہے- عمر بھر میں نے ان کی جانب سے محبت ہی محبت- مہربانی ہی مہربانی دیکھی- میری ہر کمزوری اور کوتاہی سے اس صورت سے چشم پوشی کی کہ مجھے نادم تک نہ ہونے دیا- مجھ پر احسان ہی احسان کیئے اور جب میری (طرف سے) خدمت کا وقت آیا تو افسوس وہ وقت اتنی جلدی ختم ہو گیا کہ میں ہاتھ ملتی رہ گئی- وہ مجھ سے پہلے اپنے مولیٰ سے جا ملے اور وہ دن آ گیا جس کے نہ آنے کی میں نے ۳۵ سال دعائیں کی تھیں----- خدا ہمیں اپنے حضور میں ملائے- جس ملاقات کے بعد پھر جدائی نہ ہو گی- وہ انشاء اللہ ہو گی- مگر یہ دن گذارنے بھی آسان نہیں ہیں۔

چند ہی دن کی، یہ جدائی ہے، یہ مانا لیکن
بے مزہ ہو گئے یہ دن بخدا تیرے بعد

مبارکہ

(اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۶۲۴)

# شوہر کی مثالی تیمارداری اور وفات پر بے مثال صبر

صاحبزادی آپا محمودہ بیگم صاحبہ تحریر کرتی ہیں کہ امی جان نے ابا میاں کی آخری بیماری میں بہت خدمت کی کبھی لاہور لے کر جاتیں اور کبھی شملہ۔ قادیان میں بھی، جب تک بیمار رہے کبھی چھوڑ کر نہیں جاتی تھیں۔ والد کی طبیعت میں حجاب بہت تھا۔ خود ہی کپڑے وغیرہ بدلاتیں دوا خوراک کا ہر طرح خیال رکھتیں زیادہ طبیعت خراب ہو جاتی تو گھبرا جاتیں لیکن ابا میاں کے سامنے حوصلے سے رہتیں ہمارے ابا میاں کبھی کوئی کام امی جان کو نہیں کرنے دیتے تھے لیکن ان کی بیماری میں تو یہ حال تھا کہ ایک منٹ کیلئے بھی آرام نہیں کرتی تھیں۔ زبردستی کرنی پڑتی تھی کہ تھوڑا سا آرام کر لیں۔ ہر وقت پٹی سے لگ کر بیٹھی رہتی تھیں پٹی کی رگڑ سے سینے کے درمیان معدے کے اوپر ایک پھوڑا بننے لگا لیکن کسی کو نہیں بتایا یا شاید پریشانی میں محسوس ہی نہ کیا ہو۔ جب ابا میاں کی وفات ہوگئی دوسرے دن بتایا کہ مجھے درد ہوتا ہے۔ جب ڈاکٹروں نے دیکھا تو بڑا خطرناک پھوڑا کاربنکل کی شکل کا پیدا ہو گیا تھا غم اور اس کی تکلیف کی وجہ سے دو مہینے تک بستر سے نہ اٹھ سکیں۔ لیکن بے حد صبر کا نمونہ دکھایا۔ جب ابا کا آخری وقت آیا اور انہوں نے آخری سانس لیئے تو امی ایک دم کھڑی ہو گئیں اور خداحافظ خداحافظ کہا اور بیٹھ گئیں۔ مجھے ابھی تک وہ وقت یاد ہے بھولتا نہیں میں تڑپ کر امی جان سے لپٹ گئی تھی۔

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۳۶)

استانی حمیدہ صابرہ کہتی ہیں ''جب آپ کے گھر دارالسلام'' سے نواب صاحب کا جنازہ اٹھایا گیا تو آپ دیکھنے خدا حافظ کہنے دروازے تک میرے سہارے آئیں پھر

میں آپ کو آپ کے پلنگ تک لے گئی ساتھ والے پلنگ پر عزیزہ آصفہ انتہائی صدمے میں اوندھی پڑی تھیں آپ نے ہاتھ بڑھا کر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور لب پر دعائیں جاری تھیں- ایام عدت کے بعد آپ بہشتی مقبرہ دعا کیلئے تشریف لائیں- واپسی پر حضرت اماں جان نے آپ کا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور شفیق ماں اپنا دست شفقت ان پر پھیرتی رہیں-

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۲۷)

آپا محمودہ کہتی ہیں ''والد کی وفات کے بعد امی جان نے بہت حوصلے اور صبر سے وقت گزارہ کبھی کوئی کلمہ بے صبری کا منہ سے نہیں نکالا- قدرتی بات ہے کہ اتنے فدائی اور قدر و منزلت کرنے والے خاوند کے بعد اندر ہی اندر کتنی گھبراتی ہوں گی- حکم امی جان ہی کا چلتا تھا، ویسے اللہ کے فضل سے امی جان کو، کوئی تنگی وغیرہ نہیں دیکھنی پڑی- دوسرے بھائیوں نے بھی بہت خیال رکھا- عدت کے فوراً بعد شملہ لے گئے بعد میں بھی ہر سال لے جاتے سب ٹھیک رہے- حضرت اماں جان اور امی جان کا سب بھائی خصوصا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بہت زیادہ خیال رکھتے تھے-

(ذاتی تحریر)

نوابزادہ میاں عباس احمد خاں صاحب تحریر کرتے ہیں-

''ہماری خالہ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے اپنے شوہر، ہمارے دادا حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کی کئی سال کی لمبی بیماری میں تیمارداری اور خدمت کا وہ نمونہ دکھایا کہ دیکھنے والے اور ہماری ریاست مالیر کوٹلہ کی برادری والے اس پاک نمونہ سے بہت متاثر نظر آتے تھے-

حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کی وفات کے وقت ہماری خالہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی عمر ۴۸ سال تھی اپنے شوہر کی وفات کے بعد ہماری خالہ کے ایام بیوگی کا زمانہ تیس سال سے زائد بنتا ہے- اس عرصے میں پارٹیشن کا زمانہ آیا اور آپ گھر سے

بے گھر ہوئیں مگر یہ تمام عرصہ صبر و رضا کے ساتھ گزارہ انہی ایام میں آپ نے یہ اشعار کہے ؎

مولا سموم غم کے تھپیڑے پنہ پنہ
اب انتظام دفع بلیات چاہیے

(دخت کرام صفحہ ۲۵۴)

# اعلیٰ پایہ کی شاعرہ

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ ایک اعلی پایہ کی شاعرہ تھیں آپ کو حضرت اماں جان کے جد امجد حضرت خواجہ میر درد کی طرف سے شاعرانہ صلاحیتیں خون میں ملی تھیں جن کو حضرت مسیح موعود کی عارفانہ اور درد مندانہ دعائیہ شاعری نے جلا بخشی- آپ میں بچپن سے ہی یہ صلاحیت موجود تھی جو وقت کے ساتھ ساتھ چمکتی گئی اگرچہ شعرگوئی سے مقصد وہی تھا جو آپ کے عظیم المرتبت والد حضرت مسیح موعود کا تھا کہ ؎

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق
اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

آپ کی شاعری آپ کے اعلیٰ اسلامی، روحانی، اخلاقی جذبات کی عکاسی کرتی ہے بلکہ اس معاملہ میں نثر سے بڑھ کر ہے ایک ایک شعر میں مضامین اور جذبات کے سمندر پنہاں ہیں- اسی لئے مختلف عنوانات پر آپ کی سیرۃ اور افکار کے اظہار کیلئے آپ کے اشعار کو شامل کیا ہے کیونکہ آپ کے کلام میں قطعاً تصنّع اور بناوٹ نہیں بے ساختگی اور آمد ہے جو خیالات، قلب و ذہن میں بہ شدت آئے، اشعار کے جامع میں ڈھلتے چلے گئے- اکثر حضرت مصلح موعود جو خود اعلی پایہ کے قادر الکلام شاعر تھے- آپ کو اپنا کلام سناتے اور آپ انہیں سناتیں- حضور نے کوئی نظم لکھی تو آپ نے اس کا جواب لکھا- حضور نے کوئی مصرعہ کہا تو آپ نے اس پر گرہ لگائی-

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز جو صنف سخن کے اعلیٰ ترین شہسوار اور نباض ہیں بیگم صاحبہ کے کلام کو بہت اونچا مقام دیتے ہوئے فرماتے ہیں ''حضرت بڑی پھوپھی جان حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی نظمیں آپ پڑھ کر دیکھیں

آپ حیران ہوں گی کہ اس دور کے بڑے بڑے شاعر بھی فصاحت و بلاغت میں آپ کا مقابلہ نہیں کرتے۔ ذہن بھی روشن دل بھی روشن اور سکنیت بھی۔ ہر ابتلا میں بھی ایک سکنیت تھی کہ جو کبھی زندگی کا ساتھ نہیں چھوڑتی تھی----

(بحوالہ حوا کی بیٹیاں اور جنت نظیر معاشرہ صفحہ ۱۵۰ حضور کے خطابات جلسہ سالانہ جرمنی و کینڈا)

صاحبزادی امتہ الشکور صاحبہ (شکری) کہتی ہیں ''شاعر تو ایسی غضب کی تھیں اور شعروں میں ایسی بے ساختگی اور روانی ہے جیسے پانی کی مدھر لہریں تیرتی آرہی ہوں۔ ایک قطعہ مثال کے طور پر پیش کرتی ہوں ان دو شعروں میں کتنی بے ساختگی۔ سادگی اور گہرائی ہے اپنے دل کی کیفیت کا اظہار ہے، انسان اس میں ڈوب ڈوب جاتا ہے، کیونکہ ہر انسان پر یہ کیفیت طاری ہوتی ہے لیکن ہر شخص اسے بیان نہیں کرسکتا ۔

درد کہتا ہے بہادو خون دل آنکھوں سے تم
عقل کہتی ہے نہیں، آہ و فغاں بے سود ہے
خوف ہے مجھ کو کہ لگ جائے نہ اشکوں کی جھڑی
آج میرا مطلع دل پھر غبار آلود ہے

(تحریر ذاتی)

آپ کی شاعری میں صنف سخن کی تمام خوبیاں موجود ہیں لیکن ہمارا مقصد اس کتاب میں آپ کی شاعری کی نوک پلک کی حسن وخوبی بیان کرنا نہیں بلکہ آپ کی سیرۃ کے مختلف پہلوؤں مثلاً عشق الٰہی ۔ عشق رسول ﷺ، محبت مسیح موعود۔ ہمدردی اسلام، ہمدردی بنی نوع انسان اور اخلاق عالیہ وغیرہ کیلئے دلی جذبات کا مطالعہ ہے۔ اور دعائیہ مناجات تو جیسے ہر دل کی آواز ہیں ۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

اسی لئے آپ کے اشعار دعا کے وقت خود بخود زبان پر جاری ہو جاتے ہیں

آپ کے اشعار میں جماعت کو دعائیں کرنے کا ایک اچھا خزانہ مل گیا ہے ہر موقعہ اور محل کے مطابق اشعار موجود ہیں۔ آپ فنافی اللہ تھیں اور اللہ تعالیٰ بھی اپنے پیار کا اظہار فرماتا چنانچہ بعض دفعہ سوتے جاگتے آپ کی زبان سے شعر الہامی طور پر ادا ہوتے۔

فرماتی ہیں ''۱۹۲۴ء کو ایک خواب میں شعر آیا ؎

مایوس و غم زدہ کوئی اس کے سوا نہیں
قبضے میں جس کے قبضہ سیف خدا نہیں

''سیف خدا'' والا مصرع تو پورا یاد رہا۔ اوپر کے مصرع کا مفہوم بھی یہی تھا۔ اسی وقت اس کو بھی لکھ لیا تھا۔ ٹھیک کر کے بڑے ماموں جان مرحوم نے ''سیف خدا نہ ہو'' لکھا ہے۔ مگر اصل اسی طرح تھا جس طرح میں نے لکھا ہے۔ مبارکہ''

(درعدن صفحہ ۷۵)

مزید فرماتی ہیں ''ایک شب کو دعا کے بعد خواب میں یہ مصرع بہ آواز بلند سنائی دیا آنکھ کھلی تو حضرت اماں جان میرے قریب ہی نماز میں مصروف تھیں ؎

خیر ہی، خیر رہے، خیر کی راہیں کھل جائیں

اس پر مصرع لگایا گیا شعر ہوا ؎

وہ کرم کر کہ عدو کی بھی نگاہیں کھل جائیں
خیر ہی، خیر رہے، خیر کی راہیں کھل جائیں

(درعدن صفحہ ۷۵)

آپ کی ایک تحریر آپ کی بیٹی آصفہ مسعودہ صاحبہ نے دی جس میں آپ لکھتی ہیں ۲ اور ۳ اگست ۱۹۴۵ء کی درمیانی شب کو بمقام سولن تین بجے شب کے قریب خواب دیکھا کہ میاں مرحوم پلنگ پر لیٹے ہیں اور میں بھی پاس ہوں۔ آنکھ کھول کر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے کچھ اشعار کو پسند فرمایا ہے اس پر تمہارے لئے ایک شعر فرمایا

ہے وہ یہ ہے ۔

''خیر ہے اور خیر رہے'' السلام علیکم

یہ گویا ایک مصرع ہے اور دوسرا بھی ایسا ہی بہت اچھا ہے اور مبارک ہے مگر افسوس کہ وہ قطعی ذہن سے اتر گیا- یہ بتا کر بڑی تاکید سے کہتے ہیں کہ اس خواب کو لکھ رکھو اور ابھی سب کو بتا دو- یہ سنتے ہی میری آنکھ کھل گئی- دوسرے کمرے میں جا کر دیکھا تو بھابھی جان وغیرہ اتفاق سے اس وقت سب جاگ رہے تھے، ان سب کو اس وقت خواب سنایا اور اب لکھ بھی لیا ہے-

مبارکہ بیگم، شملہ

نیچے نوٹ لکھتی ہیں کہ ۱۹۴۵ء میں شملہ سے منجھلی بھابھی جان صاحبہ کے پاس سولن دو چار دن کیلئے آئی ہوئی تھی وہاں پر یہ خواب دیکھا-

گویا خدا تعالیٰ بھی آپ کے اشعار پر پسندیدگی کا اظہار فرماتا ہے-

بیگم صاحبہ تحریر فرماتی ہیں ''ایک روز شملہ یا سولن ۱۹۴۵ء میں یہ شعر زبان پر جاری تھا اور آواز بھی آ رہی تھی ۔

مبارک ہو فرزند عالی دماغ
سلامت رہے تیرے گھر کا چراغ

نہ معلوم اولادوں در اولادوں میں سے کس کے متعلق اشارہ ہے- واللہ اعلم مبارکہ''

اسی طرح مری میں درج ذیل مصرع زبان پر جاری ہوا تحریر کرتی ہیں-

بمقام مری ستمبر ۱۹۶۰ء کے آخری ایام میں خواب میں یہ مصرع ایک پل کی طرح کی پیچ سے گزرتے وقت زبان پر جاری ہے ۔

یارب مری خزاں کو بدل دے بہار سے

# عشق الٰہی

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا دل عشق الٰہی سے لبریز تھا اور زبان ذکر الٰہی سے تر- نمازوں میں حددرجہ محویت، خضوع وخشوع، دعاؤں سے رات دن شغف، اعمال وافعال سے محبت الٰہی کا اظہار، بات کرتیں تو خدا اور رسول ﷺ سے شروع ہوکر، خدا کی مخلوق اور کائنات تک پہنچتی اور ہر پھر کر پھر خدا کی ذات پر ہی ختم ہو جاتی، اور شدت جذبات محبت سے اشعار کی صورت میں ڈھل جاتی- آپ کا کلام ''درعدن'' اس محبت الٰہی سے پر ہے- آپ نے ''گلزارِ محبت'' کے نام سے ایک لمبی نظم لکھی جس کے چار عنوان بنائے-''آ ثارِ محبت''، ''اسرارِ محبت'' معیارِ محبت'' اور دعا بحضور سرکارِ محبت-''

''آ ثارِ محبت'' میں آپ فرماتی ہیں عشق الٰہی کا پتہ چلتا کیسے ہے؟

دل جس کا ہوا حاملِ اسرار محبت
چہرے پر برسنے لگے انوارِ محبت

اور جب محبت الٰہی کا حسین روگ لگ جاتا ہے تو؎

ہر دم دلِ بیمار کو، رہتی ہے تمنا
کچھ اور بڑھے، شدت آزارِ محبت

''اسرارِ محبت'' میں آپ فرماتی ہیں کہ محبت کے راز اور بھید کیا ہیں؎

ہر بندہ غلامی سے، وہ ہو جاتا ہے آزاد
کہتے ہیں جسے ''بندہ سرکارِ محبت''
رہتا نہیں پھر کوئی دل وعقل میں جھگڑا
ہو جاتے ہیں دونوں ہی گرفتارِ محبت

''معیارِ محبت'' میں آپ فرماتی ہیں محبت کا پیمانہ اور معیار کیا ہے۔

جو عشق میں کامل تھے ہوئے یار پر قرباں
تکمیل ہوئی بن گئے ''معیارِ محبت''
محبوب کو دل دے کے بنے ''دلبر عالم''
سر دے دیئے کہلا گئے ''سردار محبت''

چوتھا عنوان ہے ''دعا بحضور سرکارِ محبت''۔

ہم کو بھی عطا ہو کہ تری عام ہے رحمت
اک سوزِ دروں خلعتِ دربارِ محبت

کیسا دردمندانہ عجز و نیاز ہے۔

ہاتھ میں لیئے کاسہِ دل آئے ہیں مولا
خالی نہ پھریں تیرے طلب گارِ محبت

(درعدن صفحہ ۳۰ تا ۳۲)

آپ کا دل اللہ تعالیٰ کی محبت میں ڈوب چکا ہے آپ کو اس کا بھرپور احساس ہے اور آپ کو خدا کی اس محبت پر فخر و ناز ہے چنانچہ اپنی ایک لمبی نظم بعنوان ''نازِ محبت'' میں فرماتی ہیں کہ ہر ایک کو اپنی کسی نہ کسی خوبی یا اچھائی پر ناز ہے لیکن مجھے تو خدا تعالیٰ کی محبت پر ناز ہے۔

جانِ جہاں، تجھ ہی پر تو، زیبا ہے ناز بھی
یہ کیا کہ چند روز کی حالت پر ناز ہے
کیونکر کہوں کہ ناز سے خالی ہے میرا دل
پیارے مجھے بھی تیری ''محبت پہ ناز'' ہے

(درعدن صفحہ ۱۵)

کبھی آپ کا دل خداتعالیٰ کے آستانے پر مصائب اور حوادث سے گھبرا کر پگھل جاتا ہے لیکن رحمتِ خداوندی سے مایوس نہیں ہوتیں اس کی غیرت کو ابھارتے ہوئے کہتی ہیں۔

پرواہ نہیں، باقی نہ ہو، بے شک کوئی چارا
کافی ہے ترے، دامنِ رحمت کا سہارا
مایوس کبھی تیرے سوالی نہیں پھرتے
بندے تیری درگاہ سے خالی نہیں پھرتے

(درعدن صفحہ ۴۵)

بیمار بیٹی صاحبزادی منصورہ بیگم صاحبہ اور بیمار بیٹے اور بہنوئی نواب عبداللہ خاں صاحب کیلئے دعا کرتے ہوئے درخواست کرتی ہیں۔

ہر آن ترا حکم تو چل سکتا ہے مولیٰ
وقت آ بھی گیا ہو، تو ٹل سکتا ہے مولیٰ
تقدیر یہی ہے، تو تقدیر بدل دے
تو مالکِ تحریر ہے "تحریر" بدل دے
تو چاہے اگر خاک کی چٹکی میں شفا دے
ہر ذرہِ ناچیز کو اکسیر بنا دے

(درعدن صفحہ ۴۴، ۴۵)

ہمہ وقت اللہ تعالیٰ سے دعا والتجا میں مصروف رہتیں عرض کرتی ہیں کوئی ایک دعا ہو تو کروں میں تو مجسم دعا ہوں۔

کیا التجا کروں، کہ مجسم دعا ہوں میں
سرتابہ پا سوال ہوں، سائل نہیں ہوں میں

میرا، کوئی نہیں ٹھکانا تیرے سوا
تیرے سوا کسی کے بھی قابل نہیں ہوں میں

(درعدن صفحہ ۷۳)

میدان حشر کے تصور میں عرض کرتی ہیں۔

نہ روک راہ میں مولا! شتاب جانے دے

اور جانے کی وجہ تو سنیئے۔

کھلا تو ہے تیری جنت کا باب جانے دے
مجھے، تو دامن رحمت میں ڈھانپ لے یونہی

اور ناز کرتے ہوئے کہتی ہیں۔

حساب مجھ سے نہ لے ''بے حساب'' جانے دے

بخشش کا جواز کیا دیتی ہیں۔

مرے گنہ تیری بخشش سے بڑھ نہیں سکتے
ترے نثار حساب و کتاب جانے دے

(درعدن صفحہ ۵۹)

یہ نظم اس قدر پیاری ہے کہ محشر کا نقشہ کھینچ کر انسان کو لرزاں اور ترساں کر دیا ہے۔ روح آستانہ الوہیت پر پگھل کر پرُنم آنکھوں سے بار بار اس کو پڑھنے پر مجبور ہوتی ہے۔

کبھی خدا تعالیٰ سے فریاد کناں ہیں۔

مولا سموم غم کے تھپیڑے پنہ پنہ
اب انتظام دفع بلیات چاہیئے
جھلسے گئے ہیں سینہ و دل جاں بلب ہیں ہم
جھڑیاں کرم کی فضل کی برسات چاہیئے

(صفحہ ۵۶)

اور کبھی اپنے نامہ اعمال کو حوض کوثر میں ڈبونے کی عرض کرتی ہیں۔

اپنی ستاری کا صدقہ میرے ستار العیوب
حوض کوثر میں ڈبو دے نامہ اعمال کو

(صفحہ۶۰)

اور کبھی خدا کی حمد وثنا کرتے ہوئے عرض کرتی ہیں۔

فرش سے عرش پر پہنچی ہیں صدائیں میری
میرے اللہ نے سن لی ہیں دعائیں میری

(صفحہ۷۴)

آپ چاہتی ہیں کہ کوبہ کو ہر خطہ زمین سے خدا تعالیٰ کی حمد وثنا کی آوازیں بلند ہوں چنانچہ فرماتی ہیں۔

رو کے کہتی ہے زمیں، گر نہ سنے نام خدا
ایسی بستی سے تو بہتر ہے بیاباں ہونا

(درعدن صفحہ ۷۷)

علامہ اقبال نے حقیقت منتظر--- خدا تعالیٰ کو مخاطب کرکے ایک لمبی نظم میں کہا۔

کبھی اے حقیقت منتظر، نظر آ لباس مجاز میں

حضرت سیدہ کی محبت الٰہی اور غیرت جوش میں آئی اور آپ نے اس نظم کا جواب خدا تعالیٰ کی طرف سے بڑا للکار کر دیا۔

تیرے دل میں میرا ظہور ہے
ترا سر ہی خود سر طور ہے
تیری آنکھ میں مرا نور ہے
مجھے کون کہتا ہے دور ہے

مجھے دیکھتا جو نہیں ہے تو
یہ تیری نظر کا قصور ہے

(درعدن صفحہ ۶۰، ۶۱)

اللہ تعالیٰ کی محبت حضرت سیدہ کے جسم کے ہر ہر روئیں سے پھوٹی پڑتی ہے جس کے متعلق نواب زادہ میاں عباس احمد خاں صاحب جو آپ کے بھانجے ہیں اپنی والدہ کی محبت الٰہی کے ضمن میں لکھتے ہیں ''حضرت دخت کرام سیدہ امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کی زندگی کا سرورق یا دوسرے الفاظ میں آپ کی سیرۃ کا نمایاں رنگ عشق الٰہی اور اس کے آگے تسلیم و رضا کا جذبہ تھا یہ خاصہ صرف آپ ہی کا نہ تھا بلکہ آپ سمیت آپ کے پانچوں بہن بھائیوں جو کہ نسل سیدہ میں سے تھے کی سیرت کا نمایاں پہلو یعنی عشق الٰہی اور جذبہ تسلیم و رضا تھا۔ ان پانچوں کے اندر اسماعیلی عبودیت نمایاں کردار ادا کرتی نظر آتی ہے۔ یہ تمام افعل ماتومر کا نمونہ تھے اور ان سب نے اپنی گردنیں آستانہ الٰہی کے سامنے ڈالی ہوئی تھیں۔ سر تسلیم خم تھا کہ وہ جو چاہے کرے یہ تمام راضی برضا تھے۔''

(دخت کرام صفحہ ۲۵۲، مرتبہ سید سجاد احمد)

# حضرت سیدہ کی عبادات اور مستجاب دعائیں

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ پر حضرت مسیح موعود اور حضرت اماں جان کی عبادات کا گہرا اثر تھا- بہت چھوٹی عمر سے تہجد پڑھنے لگیں- چار سال کی تھیں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب (جن کی رہائش دار المسیح کے ایک حصہ میں تھی) کی بیوی جن کو مولویانی جی کہتی تھیں، ان کو کہا ہوا تھا کہ مجھے تہجد کیلئے اٹھا دیا کریں- بعض اوقات بچہ ہونے کی وجہ سے نہ اٹھا جاتا اور مولویانی جی اٹھاتی جاتیں حضرت مسیح موعود کبھی دیکھ لیتے تو فرماتے چلو نہ اٹھاؤ لیٹے ہی لیٹے تسبیح وتحمید پڑھ لو-

نماز آپ کی روح کی غذا تھی- آپ کی بہو بیٹیاں بھانجی بھتیجیاں اور خاندان کی سب ہی خواتین بتاتی ہیں کہ کس طرح ڈوب کر نماز پڑھتی تھیں- لمبی نمازوں کے بعد اکثر نہایت درجہ ضعف ہو جاتا- بالکل اسی طرح جیسے حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں ''میں اتنی دعا کرتا ہوں کہ دعا کرتے کرتے ضعف کا غلبہ ہو جاتا ہے اور بعض اوقات غشی اور ہلاکت تک نوبت پہنچ جاتی ہے-''

(ملفوظات جلد اول صفحہ ۳۰۳)

حضرت سیدہ چھوٹی آپا صاحبہ آپ کی نمازوں کے متعلق فرماتی ہیں ''بہت سوز و گداز سے لمبی نماز پڑھتی تھیں یہاں تک کہ جب کمزوری صحت کے باعث بیٹھ کر نماز پڑھنے کے قابل نہیں رہیں تو لیٹے لیٹے گھنٹوں عبادت الٰہی میں مصروف رہتیں- ساری جماعت کا درد دل میں تھا- اسلام اور احمدیت کی ترقی، جماعت کی بہبود، مبلغین اور کارکنان اور ان کے اہل و عیال اپنے عزیز، اور ان سب کیلئے جو انہیں دعاؤں کیلئے لکھتے تھے ان کیلئے کثرت سے دعائیں کرتی تھیں حتی کہ دعا کیلئے

کہنے والا جب اس کا مقصد پورا ہو جاتا اطلاع دنیا بھول جاتا اور وہ اسی طرح اس کیلئے درد سے دعا کرتی رہتی تھی نہ صرف خود بلکہ دوسروں کو بھی تحریک کرتیں جو ان کو خط لکھتا- جب تک صحت رہی اور خود لکھنے کی طاقت، اپنے قلم سے خود بہت محبت سے جواب دیتیں-‘‘

(تاریخ لجنہ جلد چہارم صفحہ ۴۴۵)

صاحبزادی امتہ الباسط صاحبہ جو آپ کی بھتیجی ہیں آپ مغرب کی نماز کے بارے میں تحریر کرتی ہیں ’’اور عشاء کی اذان ہوئے بھی کافی دیر ہو جاتی تھی مگر آپ کی نماز ختم نہیں ہوتی تھی اور جب باہر آتی تھیں تو اتنی کمزوری ہو جاتی ٹانگیں لڑکھڑا رہی ہوتی تھیں اور نڈھال ہو کر بستر پر گر جاتی تھیں پانی وغیرہ پی کر کچھ بولنے کی ہمت ہوتی تھی- اکثر بتایا کرتی تھیں کہ ’’میں نے سجدے مخصوص کئے ہوئے ہیں اور اس میں ایک سجدہ اس حصہ جماعت کیلئے بھی مخصوص تھا جس نے کبھی آپ کو دعا کیلئے لکھا بھی نہ تھا مگر آپ کی محبت اور ہمدردی ان کو بھی نہیں بھولتی تھی- جو خط لکھتے تھے ان کیلئے تو نہ جانے کتنی دعائیں کرتی ہوں گی- خطوں کے جواب اتنی باقاعدگی سے دیتی تھیں کہ حیرت ہوتی تھی-‘‘

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۲۲)

قبولیت دعا کا نشان خداتعالیٰ نے آپ کو بچپن ہی سے عطا فرمایا ہوا تھا جیسا کہ حضرت مسیح موعود کا آپ کو دعا کیلئے کہنا اور حضرت سیدہ کو رویا صادقہ سے جواب ملنا سے ظاہر ہے- سمیع و مجیب خداتعالیٰ آپ کی دعاؤں کو کثرت سے قبول فرماتا تھا اسی لئے اکثر ضرورت مند دعا کیلئے عرض پر دراز ہوتے تھے-

آپ کی بہو آپا طیبہ صدیقہ صاحبہ تحریر کرتی ہیں

’’میں نے تو انہیں اپنی شادی کے بعد ہمیشہ ہی بہت لمبی نمازیں پڑھتے اور دعائیں کرتے دیکھا ہے- جب کوئی زیادہ گھبراہٹ کا وقت ہوتا جیسا قادیان سے آنے

سے پہلے کا تھا تو نمازوں کے علاوہ سارا دن ٹہل ٹہل کر دعائیں کرتی تھیں- دارالسلام میں ایک طرف آپ کا کمرہ تھا- دوسری طرف میرا تھا- آگے لمبا برآمدہ تھا- بس اس برآمدے میں ٹہل ٹہل کر دعائیں کرتی تھیں- ان دنوں میں کوئی خواب وغیرہ دیکھی تو میں یقین سے لکھ نہیں سکتی-

جوں جوں عمر بڑھتی گئی دعاؤں میں ترقی ہوتی گئی- دروازہ اندر سے بند کر لیتی تھیں مجھے بہت گھبراہٹ ہوتی تھی کہ کہیں طبیعت نہ خراب ہو جائے- میں ہمیشہ کہتی تھی کہ دروازہ کھلا رہنے دیں کوئی اندر نہیں آئے گا- دعاؤں کے سلسلے میں ایک دفعہ کہنے لگیں کہ آصفہ (بے بی) کو پارٹیشن کے بعد جہیز دوسری بہنوں سے بہت کم ملا اس لئے میں نے اس کے لئے مستقل دوسجدے دعا کے وقف کر دیئے ہیں-" (ذاتی تحریر)

بچیوں کو دعاؤں میں رونے کی تلقین کے انداز ملاحظہ کیجئے آپا طیبہ صدیقہ بیگم تحریر کرتی ہیں-

"ایک دفعہ ہم سب افراد رمضان المبارک کی آخری دعا کے بعد حضرت اماں جان کے گھر آئے- قدرتی بات تھی سب پر دعا کا اثر تھا- سب لڑکیاں چپ تھیں- آپ فرمانے لگیں آج کون بہت رویا ہے- رونا تو پہلے ہی آ رہا تھا میں اور ایک اور لڑکی دونوں رونے لگیں- دعا کے متعلق اس طرح پوچھنا، حالانکہ میں غالبًا اس وقت ساتویں جماعت میں تھی، مجھے بہت ہی اچھا لگا- (ذاتی تحریر)

اسی طرح صاحبزادی فوزیہ شمیم صاحبہ تحریر کرتی ہیں کہ بزرگ والدین کی صحبت کے ساتھ ساتھ آپ کی فطری نیکی اور روحانیت نے آپ کو بے انتہا دعا گو بنا دیا تھا- میں نے آپ کو بچپن سے قریب سے دیکھا آپ گھنٹوں عبادت میں گزارتیں- دوپہر کو کھانے سے پہلے ظہر کی نماز علیحدہ کمرے میں ادا کرتیں اور بہت لمبا وقت دعاؤں میں لگاتیں مغرب کی نماز کا تو رنگ ہی اور تھا مغرب کے بعد نوافل عشاء تک جاری رہتے اوراس قاعدے میں میں نے کبھی فرق نہیں دیکھا اتنی عبادت بعض اوقات آپ کوضعف

کی شکایت ہو جاتی۔ یہ دستور ہمارے گھروں میں بزرگوں کی صحبت میں ایسا چلا تھا کہ ہم بچیاں بھی، الگ کمرہ یا الگ کونہ نماز پڑھنے کیلئے ڈھونڈا کرتیں۔ اور خوب رو رو کر دعائیں کرتیں۔ سڑ سڑ کرتی، جائے نماز سے بھی آگے نکل جاتیں۔ نماز میں ایک دوسرے کی سڑ سڑ کی آواز سن کر بعد میں ہم ہنستیں کہ تم زیادہ روئیں یا میں۔ غرض مغرب کے وقت نہایت پاکیزہ ماحول بن جاتا۔"

صاحبزادی امتہ الشکور صاحبہ (شکری) لکھتی ہیں۔

"بچپن سے جو بات میں نے دیکھی وہ بڑی امی کا بڑے اہتمام سے نماز پڑھنا تھا۔ اکیلے کمرے میں نیم تاریکی میں نماز پڑھا کرتی تھیں اور نماز کے وقت شور سے گھبراتی تھیں اس لئے خاموشی کا خاص خیال رکھا جاتا۔ قادیان کا مجھے یاد ہے کہ بڑی امی کے پاس جو لڑکیاں ہوتی تھیں ان میں سے کوئی نہ کوئی کمرے سے باہر بیٹھ کر اس بات کا خیال رکھتی کہ اس کمرے کے قریب کوئی شور نہ کرے اور نماز کے دوران اندر نہ جائے۔ کوئی بھی ہنگامہ ہو۔ شادی کی محفل ہو۔ بڑی امی اسی طرح وقت پر اہتمام سے نماز ادا کرتیں۔ صبح کے وقت کبھی میں جاتی تو تیار ہو کر بیٹھی قرآن شریف پڑھ رہی ہوتیں۔" (ذاتی تحریر)

صاحبزادی آپا طاہرہ صدیقہ صاحبہ بیگم صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب تحریر کرتی ہیں۔

"خالہ جان بہت عبادت گزار تھیں۔ ہم سب ہر تکلیف اور ہر پریشانی کے وقت خالہ جان کو دعا کیلئے لکھتے تھے ایک دفعہ مجھے کچھ پریشانی تھی خالہ جان کو لکھا۔ آپ کا خط آیا جس پر یہ شعر لکھا ہوا تھا۔

الٰہی شب ہے، جلدی سے گزر جائے سویرا ہو جائے
روشنی آئے نظر، دور اندھیرا ہو جائے

اور ساتھ ہی لکھا کہ تمہارے لئے، سب کے ساتھ بھی اور پھر علیحدہ نام لیکر بھی ہر نماز میں دعا کرتی ہوں اس طرح دو دفعہ دعا ہو جاتی ہے۔ وہ وجود جو ہماری تکلیفوں پر تڑپ جاتا تھا آج ان کو آنکھیں ڈھونڈ رہی ہیں۔'' (ذاتی تحریر)

حضرت بیگم صاحبہ کے متعلق خاندان کی تمام خواتین اور قریب رہنے والیوں نے یہ بات بہت نمایاں طور پر بتائی کہ آپ کی دعائیں بہت لمبی، پرسوز، حد درجہ بیقراری اور تڑپ والی ہوتی تھیں۔ یہ محویت اور جذب کی کیفیت ہی، وقت کے احساس کو ختم کر دیتی ہے۔ جتنی بے دلی کی نماز ہو گی اتنی ہی لمبی معلوم ہو گی اور جس قدر خضوع وخشوع میسر آئے گا وقت کا احساس ختم ہو جائے گا۔ یہی کیفیت بیگم صاحبہ کی ہوتی تھی کہ وقت کا احساس نہیں رہتا تھا اور لمبی نماز کے بعد ضعف ہو جاتا۔

آپ دعا کیلئے خط لکھنے والے کو تسلیاں دیتیں۔ اس کے دکھ کا مداوا کرنے کی کوشش کرتیں عزیزہ امتہ الرؤف بنت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب نے مجھے زبانی بتایا۔

''بڑی امی کا میرے اوپر بہت احسان ہے۔میری امی بتاتی ہیں کہ ''جب تم ڈھائی تین سال کی تھیں جلتی ہوئی انگیٹھی پر گر گئیں اور بے ہوش ہو گئیں تمہارا بازو بری طرح جل رہا تھا جس کی بدبو سے میں دوسرے کمرے سے بھاگی آئی دیکھا کہ تمہارا بازو اس قدر جل چکا تھا کہ ہڈی نظر آ رہی تھی۔ پریشانی میں سب بزرگوں کو دعا کیلئے خطوط لکھے۔ سب ہی دعائیں کر رہے تھے لیکن بڑی امی کا باقاعدگی سے دعا کا خط آتا جس میں خاص تاکید ہوتی کہ زخم پر برنال مرہم برابر لگاتی رہو بستر کی چادریں اور تولیے گندے ہونے کی فکر نہ کرو لڑکی ذات ہے جلے ہوئے کا نشان باقی نہ رہ جائے اور میں ان کا خط اور تاکید پڑھتے ہی پھر برنال مرہم لگاتی جاتی۔ حتی کہ داغ بالکل معمولی رہ گیا۔''

آپ کی قبولیت دعا کا مقام

غیر ممکن کو ممکن سے بدل دیتی ہے
اے مرے فلسفیو زورِ دعا دیکھو تو

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ ساری جماعت کے لیے مجسم دعاؤں اور رحمتوں کا بابرکت وجود تھیں- آپ حلیم تھیں ہر ایک کا درد اور دکھ محسوس کرتی تھیں- اپنوں سے بڑھ کر شفقت کرنے والی اور خیر خواہ ہستی تھیں- آپ تمام مخلوق کے لئے ایک مادر مہربان کی حیثیت سے تھیں- خاکسارہ نے آپ کی بابرکت صحبت میں دعا کے بے شمار اعجاز دیکھے-

احمدیت کے دشمنوں نے ایک احمدی خاندان کے تین افراد پر قتل کا جھوٹا مقدمہ کر دیا- مخالف فریق بڑی کامیابی سے آگے بڑھ رہا تھا بظاہر حالات انتہائی پریشان کن تھے ہر دوسرے روز وہ آپ کو دعا کے لئے خط بھیج رہے تھے آپ نے خط لکھوایا کہ ”میں ہر نماز میں اُن کی باعزت رہائی اور بریت کے لئے برابر دعا کر رہی ہوں ایک ماہ یا کچھ زائد عرصہ کے بعد ان کا خط آیا کہ ہم آپ کی بابرکت دعاؤں کے طفیل اللہ تعالیٰ کے فضل سے باعزت بری ہو گئے ہیں-

ایک طالب علم امتحان میں دو مرتبہ فیل ہو چکا تھا- تیسری مرتبہ بھی اسے کامیابی کی امید نہ تھی- آپ کے حضور دعا کی درخواست کی ابھی گھر پہنچا ہی تھا کہ کامیاب نتیجہ مل گیا-

اسی طرح فوزیہ کے شوہر مرزا شمیم احمد جب پہلی دفعہ بیمار ہوئے تو حضرت سیدہ بیگم صاحبہ اتنی پریشان تھیں کہ ان کے غم میں خود بیمار ہو گئی تھیں- خود بھی دعائیں کرتیں اور بار بار الفضل اخبار میں اُن کی صحت یابی کے لیے اعلان شائع کرواتیں- اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا ان کی دعاؤں کو قبول کرتے ہوئے مرزا شمیم احمد صاحب کو صحت عطا کی-

(مسودہ صفحہ ۱۲۸)

حضرت سیدہ بیگم صاحبہ کی خدمت میں ایک غیر احمدی نے دعا کا خط لکھا وہ لکھتے ہیں کہ میں نے آپ کا ایڈریس اپنے ایک احمدی دوست سے لیا ہے میں احمدی نہیں ہوں- میں آپ کی خدمت میں دعا کا خط لکھ رہا ہوں کیونکہ آپ کی دعاؤں کا اعجاز دیکھتا ہوں کہ میرے دوست اکثر آپ کو دعا کا خط لکھتے رہتے ہیں اور پھر آپ کی دعاؤں کے ثمرات سے یہ پھل کھا رہے ہیں آپ میرے لئے بھی دعا کریں کہ میں سروس کے سلسلہ میں بعض مشکلات میں ہوں چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد ان کا خط آیا کہ آپ کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے میری مشکل آسان کر دی- الحمدللہ-

(مسودہ، صفحہ ۱۲۹)

آپ اپنے آقا ﷺ کے اس ارشاد پر عمل کرتی تھیں-''کہ آپس میں محبت کرو اور ایک دوسرے کیلئے غائبانہ دعا کرو اگر ایک شخص غائبانہ دعا کرے تو فرشتہ کہتا ہے کہ تیرے لئے بھی ایسا ہو-'' کیسی عالی درجے کی بات ہے اگر انسان کی دعا منظور نہ ہو تو فرشتہ کی تو منظور ہی ہوتی ہے-''

(ملفوظات جلد اول صفحہ ۳۳۶)

گویا غائبانہ دعا کرنے والے کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے جس پر فرشتہ نے دعا کی دعاؤں کیلئے حضرت سیدہ کا دائرہ بہت وسیع تھا ایک مرتبہ میں ملاقات کیلئے حاضر ہوئی دوران گفتگو فرمایا نسیم سعید (آپ ہمیشہ ہر ایک کو پورے نام سے پکارتیں) میں تو رات کو کروٹ بھی بدلتی ہوں تو اس وقت بھی دعائیں ہی کرتی ہوں- اتفاق سے اسی وقت ایک جہاز کے اڑنے کی آواز آئی- آپ نے فرمایا یہ جہاز اڑتے ہیں نا- تو میں ان کیلئے بھی دعا کرتی ہوں- الٰہی جہاز اور سواریوں سب کی خیر ہو- جو نیک مقاصد کیلئے جا رہے ہیں ان کو ان کے مقاصد میں کامیابی دیجیو-'' جب بھی جہاز کی آواز آتی ہے بیگم صاحبہ کی تقلید میں ہونٹ خود بخود دعا کیلئے متحرک ہو جاتے ہیں جہاز اور سواریوں کیلئے بھی اور بیگم صاحبہ کیلئے بھی-

# دست مبارک سے خطوں کے جواب

حضرت سیدہ کا دل افراد جماعت کیلئے ایک حقیقی ماں کا تھا جس کی توجہ اپنے ہر بچے پر ہوتی ہے اور ان کے دکھ سکھ کا خیال لگا رہتا ہے۔ دعا کیلئے لکھنے والوں کیلئے بے چین ہو جاتیں بار بار تسلی دیتیں کہ ناامید نہ ہو دعاؤں میں لگے رہو۔ چنانچہ صادقہ فضل صاحبہ لاہور نے جب بیگم صاحبہ کو اطلاع دی کہ ان کے یہاں چھٹی بیٹی پیدا ہوئی ہے تو آپ نے جواب عطا فرمایا۔

''آپ کا خط لاہور سے ہو کر آج ملا۔ اس وقت بھی نماز میں آپ کے نرینہ اولاد ہونے کی دعا کر چکی تھی۔ خط میں لڑکی کی پیدائش کی خبر ملی۔ جو ہوئی، بہتری ہی ہو گی، اس کو مبارک فرمائے اللہ تعالیٰ، اس کی رضا اس وقت یہی تھی،شکر سے اس نعمت کو قبول کریں۔ اور دعا نہ چھوڑیں۔ خداتعالیٰ صحت سے رکھے اور آپ کو نیک بلند اقبال بیٹا عنایت فرمائے---- میں پھر لکھتی ہوں کہ مایوسی کو ہرگز دل پر حاوی نہ ہونے دیں۔ دعا جاری رکھیں۔ مولیٰ کریم کی رحمت سے مایوس ہو کر دل چھوڑ دینا ٹھیک نہیں۔ اس کی خوشی پر خوش ہوں اور بچی کو عطیہ الٰہی سمجھ کر پیار سے پرورش کریں۔ خداتعالیٰ سب کو نیک قسمت عطا فرمائے۔ والسلام مبارکہ

خط کے مضمون سے ظاہر ہے کہ آپ کو صادقہ فضل کی پریشانی، فکر اور غم کا احساس تھا اور آپ جانتی تھیں کہ بعض اوقات انسان ناامید ہو جاتا ہے۔ اور اپنے ہمدرد کی ہلکی سے ہمدردی اس کے غم کی شدت کو کم کر دیتی ہے۔ اس لئے آپ بار بار مختلف انداز میں انہیں تسلی دے رہی ہیں اور ساتھ ہی دعاؤں پر زور۔ چنانچہ خداتعالیٰ نے بیگم صاحبہ کی دعاؤں کو قبول فرمایا اور صادقہ فضل صاحبہ کو چھ بیٹیوں کے بعد بیٹا عطا فرمایا بیگم

صاحبہ نے انہیں مبارکباد کا خط لکھا کہ ’’خدا تعالیٰ نے آپ کو فرزند عطا فرمایا الحمدللہ- اللہ تعالیٰ کا صد ہزار شکر و احسان کہ اس نے خوشی دکھائی---- مبارکہ-‘‘

صفیہ بیگم شیخ مبارک احمد صاحب لکھتی ہیں- ’’میں دعا کیلئے عرض کرتی رہتی تھی- چونکہ لمبا دور پریشانیوں کا عاجزہ پر آیا جس کیلئے حضرت سیدہ کو احساس رہتا محترم شیخ صاحب کے ساتھ شادی کے بعد جب یہ خادمہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور اس عاجزہ کو اپنے ساتھ لگایا اور ماتھا چوما اور فرمایا تمہارے لئے میں نے سالہا سال دعائیں کی ہیں- حضرت مسیح موعود کے جگر گوشے کا یہ احسان کہ سالہا سال اپنی بابرکت دعاؤں سے نوازا اس ذرہ نوازی پر دل خدا کی حمد سے جھوم گیا-

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۵۳)

اسی طرح رضیہ درد صاحبہ لکھتی ہیں ’’اکثر و بیشتر خوشی وغمی کے موقع پر دعا کیلئے حاضر ہونے کا موقع ملتا- اور جب احوال اور مدعا بیان کرنے کے بعد دعا کیلئے درخواست کرتی تو وہ مجسم پیکر دعا فرماتیں ’’تم تو کبھی کبھار دعا کی یاد دہانی کیلئے آتی ہو میں تو جماعت کے خصوصاً وہ خدّام جو فوت ہو چکے ہیں ان کی اولادوں کیلئے نام لے لے کر اور مجموعی طور پر دعا کرتی رہتی ہوں- اب بھی انشاء اللہ کروں گی- فکر نہ کرنا-‘‘

(مصباح خاص نمبر صفحہ ٦٨)

مکرمہ رضیہ غوری صاحبہ لندن سے تحریر کرتی ہیں ’’حضرت بیگم صاحبہ اکثر غوری صاحب کے بارے میں پوچھتی تھیں- جب بھی میں دعا کیلئے عرض کرتی- فرماتیں ’’میں نے غوری صاحب اور تمہارے بھائی ندیم صاحب کا نام دعا والی فہرست میں لکھ لیا ہے- اور دعا کے وقت یہ نام خود ہی زبان پر آجاتے ہیں-

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۵۸)

طبیعت کی خرابی کے باوجود جب تک ہمت رہی دست مبارک سے خطوں کے

جواب دیتیں چنانچہ رضیہ غوری صاحبہ لندن لکھتی ہیں:-

''خاکسار جب افریقہ سے آئی تو بیگم صاحبہ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئی۔ حضرت سیدہ موصوفہ اپنی کوٹھی کی بالائی منزل میں اپنے کمرہ میں تشریف فرما تھیں۔ بہت سے خطوط رکھے ہوئے تھے اور ان کے جوابات تحریر فرما رہی تھیں۔ مجھے دیکھ کر فرمایا، کہاں سے آئی ہیں۔ عرض کی ''افریقہ سے آئی ہوں محمد اکرام غوری کی بیوی ہوں۔'' مسکرا کر فرمایا اچھا اچھا غوری صاحب کی بیوی ہیں سنائیں اچھی طرح سے پہنچی ہیں۔ راستہ میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔ زکام کی وجہ سے حضرت بیگم صاحبہ کی طبیعت بہت خراب تھی اور فرمایا چند ضروری خطوط کے جواب لکھ رہی ہوں۔ بیماری کی وجہ سے خط لکھنے میں تکلیف ہوتی ہے مگر لکھنے والوں کا اصرار ہوتا ہے کہ جواب ضرور ملے - گیارہ خط ہیں اور یہ ساتھ ائیر لیٹر کہ جواب ضروری دیں۔ یہ فرما کر جواب لکھنے لگ گئیں پھر فرمایا کہ آپ سمجھیں کہ میرے پاس ہی بیٹھی ہیں۔

# میرے سب بہن بھائیوں کے نام

ناسازی طبع کی وجہ سے جب خود جواب نہیں لکھ سکتی تھیں تو فکر مند ہوئیں کہ دعا کی درخواست کرنے والے کہیں مایوس نہ ہوں تو آپ نے مصباح میں نوٹ دیتے ہوئے فرمایا۔

''میرا ضعف بڑھتا جا رہا ہے سر میں معلوم ہوتا ہے گویا پتھر بندھا ہے گرا جاتا ہے آنکھیں بند ہوئی جاتی ہیں لکھنا پڑھنا محال ہے۔ ذرا نظر کا کام کروں تو دو دن تکلیف بڑھ جاتی ہے سب بھائیوں کے خطوط بغیر جواب، دھرے رہتے ہیں اور میرے سینے پر اس فکر سے گویا پتھر کی سل دھری ہے۔ التجا ہے کہ جواب کا انتظار نہ کریں اور مجھے معاف کریں مگر لکھیں ضرور، دعا کی توفیق اللہ تعالیٰ اپنے خاص احسان و کرم سے لیٹے بیٹھے ہر صورت دیئے جا رہا ہے اس خدمت سے محروم نہیں ہوں۔ الحمدللہ دعا فرمائیں۔

(مصباح مئی ۱۹۶۶ء صفحہ ۶)

آپا طیبہ صدیقہ صاحبہ آپ کی بہو تحریر کرتی ہیں۔ دعا کیلئے بے انتہا خطوط ہر ملک اور شہر سے آتے تھے۔ ربوہ آنے کے بعد ایک لڑکی بشریٰ باقاعدہ روزانہ آ کر آپ کے خطوط کے جواب لکھا کرتی تھی۔ اس طرح ان کی باتوں سے یہ بات بھی علم میں آتی تھی کہ ہر دعا کیلئے لکھنے والے کو روزانہ اپنی دعاؤں میں یاد رکھتی ہیں۔ (ذاتی تحریر)

**خطوط کے جوابات لکھنے والی کی گواہی:**

بشریٰ طیبہ یوسف صاحبہ جن کو بیگم صاحبہ کے خطوط کے جوابات لکھنے کی گیارہ سال خدمت کی توفیق ملی تحریر کرتی ہیں۔

مختلف وقتوں میں گزرے ہوئے حقائق کو میں نے قلم بند کیا ہے یہ تمام

سچائیاں ایک عرصہ پر پھیلے ہوئے واقعات پر مشتمل ہیں- چند دنوں سے آپ علیل تھیں- جواب طلب بہت خطوط جمع تھے- آپ نے لیٹے ہوئے سب کے جواب لکھوائے جب مکمل ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اتنی دیر کے لئے بھی بیٹھنا مشکل ہے کہ میں سب خطوط پر دستخط کرسکوں- میری صحت کے متعلق لکھو اور آخر میں میرا نام لکھ دو- میں نے ایک خط کے آخر میں ''نواب مبارکہ'' لکھا- آپ نے پوچھا ایسے کیوں لکھا ہے صرف ''مبارکہ'' لکھو میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام یہی رکھا ہے- آپ مسکرائیں اور فرمایا تمہیں کس نے بتایا میں نے کہا کہ میں نے تذکرہ میں پڑھا ہے- حضور کی کتب کا مطالعہ کرنے پر آپ خوش ہوتی تھیں کیونکہ آپ خود بھی کثرت سے قرآن کریم اور حضور اقدس کی کتب کا مطالعہ کرتی تھیں-

ایک مرتبہ کئی روز سے آپ کی طبیعت مسلسل خراب چلی آ رہی تھی اس کے باوجود آپ خطوط کا جواب لکھوا رہی تھیں تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ میرے بعد جماعت سے کہنا کہ ''میں کس قدر تکلیف کے ساتھ اُن کے خطوط کے جواب لکھواتی تھی-''

یہ حقیقت ہے کہ حضرت سیدہ پیاری بیگم صاحبہ ایک ایک خط کو بڑی توجہ سے پڑھتیں اور سب لکھنے والوں کے نام لے کر دعائیں کرتیں- آپ فرماتیں کہ میں تمام مبلغین کے لئے، درویشوں اور بیماروں کے لئے اور تمام ان لوگوں کے لئے جو مصائب اور مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں نیز ہر قسم کے حاجت مندوں اور ضرورتمندوں کے نیک مقاصد میں کامیابی کے لئے دعا کرتی ہوں اور اس ترتیب سے تمام افراد جماعت کو اجتماعی اور انفرادی طور پر اپنی دعاؤں میں شامل کر لیتی ہوں اللہ تعالیٰ سب کے حق میں دعائیں قبول فرمائے آمین-

ایک دفعہ کئی دن سے آپ کو ضعف تھا خطوط کا جواب لکھواتے وقت آپ نے فرمایا کہ ''تم گواہ رہنا کہ میں سب کے لئے پورے خلوص، انتہائی ہمدردی اور درد دل

سے دعا کرتی ہوں- جاننے والوں اور لکھنے والوں کے نام لے لے کر دعا کرتی ہوں-''

جو لوگ بار بار لکھتے تھے یا کثرت سے دعا کی یاد دہانی کراتے تھے اور بہت تعلق رکھنے والے تھے اُن کے خطوط آپ کے تکیئے کے نیچے رکھے رہتے تھے جب میں نکالتی تو آپ فرماتیں کہ میں ان سب کا نام لے کر دعا کرتی ہوں-

روز بروز آپ کی صحت کے متعلق پریشانی بڑھتی جا رہی تھی- میں آپ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی آپ نے مجھے وہ خطوط دیئے جن کا جواب لکھنا تھا آپ کی طبیعت اچھی نہ تھی گزشتہ تین روز سے آپ کو دوران سر کی تکلیف تھی ضعف اور کمزوری محسوس کر رہی تھیں اس کے باوجود سب کے دعا کے خطوط دیکھ رہی تھیں- عزیزوں کے خط، افراد جماعت کے خط اور ساتھ ہی آپ اُن کے جواب بھی نوٹ کرا رہی تھیں اور بہت تھکان محسوس کرنے لگیں اور آخری خط مجھے دیتے ہوئے آپ نے یہ شعر پڑھا-

کیفیت چشم اُس کی مجھے یاد ہے سوؔدا

ساغر کو میرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

جب یہ واقعہ یاد آتا ہے اور اس شعر کو دہراتی ہوں تو دل درد و الم سے بھر جاتا ہے آپ نے ایک مشفق مہربان ماں کی طرح ساری جماعت کو اپنی دعاؤں کی ٹھنڈی چھاؤں میں پناہ دی اپنے دکھ و تکلیف پر دوسروں کے دکھ و تکلیف کو ترجیح دی-''

(مسودہ صفحہ 103)

# سراپا دعا

آپ سراپا ''دعا'' تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہیں کہ اس کا احسان ہے اس نے دعا کی تعلیم دی دعا کرنی سکھائی دعا کی توفیق دی۔ اگر یہ توفیق نہ ملتی تو ہم کیا کرتے۔

یارا نہیں پاتی ہے زباں شکر و ثنا کا
احسان ہے، بندوں کو دیا اذن دعا کا
کیا کرتے، جو حاصل یہ وسیلہ بھی نہ ہوتا
یہ آپ سے دو باتوں کا حیلہ بھی نہ ہوتا

(درعدن صفحہ ۴۴)

اور یہ دعائیں اپنے پیاروں کیلئے اشعار میں بھی ڈھلتیں آپ کی صاحبزادی منصورہ بیگم صاحبہ بیمار تھیں کہ حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحب بھی بیمار پڑ گئے آپ نے نہایت دردمندانہ طور پر یہ دعائیں کیں جو تمام بیماروں اور تیمارداروں کی زبان بن گئیں۔

شافی و کافی و حفیظ و سلام
مالک و ذوالجلال والاکرام
خالق الخلق، ربی الاعلیٰ
حیّ و قیوّم محیی الموتیٰ
واسطہ تجھ کو تیری قدرت کا
واسطہ تجھ کو تیری رحمت کا

تجھ کو تیرا ہی واسطہ پیارے
میرے پیاروں کو دے شفا پیارے

(درعدن صفحہ ۴۳)

اپنی بیٹی محمودہ بیگم صاحبہ کے رخصتانے پر ایسی بے ساختگی سے دعائیں دے رہی ہیں جو تمام ہی والدین کے دل سے اٹھتی ہوئی محسوس ہو رہی ہیں۔ اسی لئے اکثر احمدی گھرانوں میں بچیوں کے رخصتانے پر یہ نظم پڑھی جاتی ہے۔

لو جاؤ تم کو سایہ رحمت نصیب ہو
بڑھتی ہوئی خدا کی عنایت نصیب ہو
ہر ایک، زندگی کی حلاوت نصیب ہو
ہر ایک، دو جہاں کی نعمت نصیب ہو
ہر ایک دکھ سے تم کو بچائے مرا خدا
ہر ہر قدم پر اس کی اعانت نصیب ہو

(درعدن صفحہ ۴۸، ۴۹)

اپنی بھتیجی صاحبزادی امتہ النصیر صاحبہ (بیگم پیر معین الدین صاحب) کے رخصتانہ پر دردمندانہ دعاؤں کی نظم بزبان حضرت مصلح موعود کہی۔

یہ راحت جاں نور نظر تیرے حوالے
یا رب مرے گلشن کا شجر تیرے حوالے
یہ شاخ قلم کرتا ہوں، پیوند کی خاطر
اتنا تھا مرا کام ''ثمر'' تیرے حوالے

(درعدن صفحہ ۵۲)

اپنے شوہر نواب محمد علی خاں صاحب کی فرمائش پر اشعار کہے جو دنیاوی عشق و محبت کی جگہ دعاؤں سے ہی بھرپور تھے۔

الٰہی فضل سے دل شاد کردے
بنائے رنج و غم، برباد کر دے
گرفتار بلا ہوں اپنے ہاتھوں
بڑھا دستِ کرام آزاد کر دے

فرماتی ہیں- مندرجہ ذیل شعر میرے میاں نواب صاحب مرحوم کی فرمائش پر ان کے کیلنڈر پر لکھے جن کو وہ ہمیشہ نئے سال کے کیلنڈر کے سرورق پر لکھتے تھے(مبارکہ)

فضل خدا کا سایہ ہم پر رہے ہمیشہ
ہر دن چڑھے مبارک ہر شب بخیر گزرے

(درعدن صفحہ ۳۶)

حضرت سیدہ ام طاہر صاحبہ کا جنازہ دیکھ کر دلی جذبات رقت سے دعائیں دیں-

الٰہی کس دلھن کی پالکی ہے
ملائک جس کو آئے ہیں اٹھانے
بصد تکریم جاتے ہیں جلو میں
فرشتے ''چادرِ انوار'' تانے
ہزاروں رحمتوں کے زیر سایہ
دعاؤں کے لئے بھاری خزانے
''محبت'' تھی مجسم میری مریم
چلی ہے پیار خالق سے بڑھانے

(درعدن صفحہ ۳۷)

گویا حضرت سیدہ نے ہر موقع ہر محل ہر تقریب کو دعاؤں سے معمور کر دیا-

# عشق رسول ﷺ

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اس کے محبوب حضرت سرور کائنات فخر موجودات محمد مصطفےٰ ﷺ سے بھی حد درجہ عشق تھا کیونکہ آپ دنیا کے عظیم ترین عاشق رسول ﷺ کی بیٹی تھیں جن کی ہر بات سے عشق و محبت کے سوتے پھوٹتے تھے جن کی آنکھیں آپ ﷺ کے ذکر سے بھیگ جاتیں اور گلا رقت سے رُندھ جاتا جن کی آنکھوں میں ہمیشہ سبزی مائل پانی تیرتا رہتا تھا جو عشق رسول کی علامت ہے۔ ایسی گود میں پلنے والی دختر بھی فدائی اور شیدائی رسول ﷺ تھی تسبیح وتحمید کے ساتھ کثرت سے درود شریف پڑھتیں اور ہر ایک کو اس کی تلقین کرتیں۔

آپا طاہرہ صدیقہ صاحبہ کہتی ہیں ”خالہ جان عشق خدا اور عشق رسول ﷺ کی تصویر تھیں ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کا ذکر تھا کہنے لگیں آنحضرت ﷺ کو آخری بیماری میں تیز بخار تھا اس وقت نہ پنکھے تھے نہ اے سی۔ اس شدید گرمی میں آپ کو کتنی تکلیف ہوتی ہوگی یہ کہہ کر آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں۔ (ذاتی تحریر)

لجنہ اماء اللہ کراچی کے ایک عظیم الشان جلسہ سیرۃ النبی ﷺ میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے حضور ﷺ کے احسانات کا ذکر کیا درود پڑھنے پر زور دیتے ہوئے فرمایا ”دل کی صفائی کا ایک بڑا نسخہ کثرت سے درود بھیجنا ہے۔ کیونکہ محبت اور صدق سے جب درود پڑھا جائے تو اپنے محسن کے احسان اور فرمان سب نظروں میں آجائیں گے اور آپ میں ایک نیک تبدیلی پیدا ہوگی اور ہمارے پیارے ہمارے محسن ومحبوب رسول اللہ ﷺ کو ٹھنڈی ہوا ہماری طرف سے پہنچے گی آپ کی مزید دعائیں ہمارے لئے رحمت لائیں گی۔“

(مصباح جولائی ۱۹۶۴ صفحہ ۲۹)

آپ کی شاعری عشق رسولﷺ میں ڈوبی ہوئی ہے جو آپ کی دلی محبت عقیدت اور پیار کی مظہر ہے۔ ''صلی علیٰ نبینا'' چالیس اشعار اور چار جز پر مشتمل نظم ہے۔ ہر جز میں آپ کی صفات، احسانات اور اسوہ حسنہ کا ذکر ہے۔

شان تیری، گمان سے بڑھ کر ہے
حسن و احسان میں نظیرِ عدیم
تیرا رتبہ ہے فہم سے بالا
سرنگوں ہو رہی ہے عقلِ سلیم

پھر آپﷺ کے احسان بتاتے ہوئے فرماتی ہیں۔

آدمی میں، نہ آدمیت تھی
اس کو، انساں بنا دیا تو نے
لے کے، آب حیات تو آیا
مر رہے تھے، جلا دیا تو نے
مصحفِ دید، عکس یزدانی
منتہائے کمال انسانی
پاک اسماء انبیاء کر دی
ہمہ بودند زیرِ صد بہتان
اے سراج منیر تو آیا
ساری دنیا میں نور پھیلایا

(درعدن صفحہ ۱۸ تا ۲۱)

حضورﷺ سے محبت کا سمندر دل میں ٹھاٹھیں مار رہا ہے جذبات ہیں کے اشعار میں ڈھلتے جا رہے ہیں چنانچہ پاک محمد مصطفےٰﷺ نبیوں کا سردار'' کے عنوان سے نظم میں آٹھ آٹھ اشعار کے تین جز ہیں، ہر جز میں ایک خصوصیت بیان کرتی ہیں۔

آپ کو حضورﷺ کی ذات پر سچا ایمان و یقین ہے کہ ہر سچا مسلمان کبھی ناامید نہیں ہوتا چنانچہ آپ فرماتی ہیں ”ہمارے پیارے نبی کریمﷺ کی پاک تعلیم کا ایک بیش بہا ثمرہ اور آپ کا ایک بڑا احسان منجملہ بیشمار احسانات کے یہ بھی ہے کہ آپ پر سچا ایمان لانے والا کبھی رنج وغم یاس و ناامیدی کا شکار ہو کر نہیں مرتا- کیا بلحاظ اس کے کہ ایک مسلمان کا مقصد اصلی دینوی اغراض یا تعلقات سے بہت اعلیٰ اور برتر ہے اور کیا اس لئے کہ مسلمان کا خدا حی و قیوم و قادر و توانا ہے- اور اس کے ایمان کا درجہ بلند- مبارکہ“

(درعدن صفحہ ۲۱،۲۲)

جز 1

ایک نا اُمید شخص کا نقشہ آپ کھینچتی ہیں اور مشکلات کا حل درود بتاتی ہیں ۔

جب ناؤ بھنور میں گھرتی ہے، جب موت نظر میں پھرتی ہے
جب حیلے سب ہو چکتے ہیں، انساں بے بس ہو جاتا ہے
جب دم سینے میں گھٹتا ہے، جب دل میں ہوکیں اٹھتی ہیں
جب جینا کڑوا لگتا ہے، جب ”مرنا“ دل سے بھاتا ہے
جب بڑے بڑے جی چھوڑتے ہیں، جاں دینے کو سر پھوڑتے ہیں
اس وقت بس ایک مسلماں ہے، جو صبر کی شان دکھاتا ہے
یہ برکت سب ”اسلام“ کی ہے، تعلیم اس رحمتِ عام کی ہے
جو ”نسخہ تسکین“ وہ لایا دل مسلم کا ٹھہراتا ہے
بے آس کی آس بندھاتا ہے
بھیج درود اس محسن پر تو دن میں سو سو بار
پاک محمد مصطفیٰؐ سب نبیوں کا سردار

جزء ۲

حضرت سیدہ بیگم صاحبہ دنیا کو پیغام دیتی ہیں کہ ''حضرت نبی اکرم ﷺ وہ اعلیٰ تعلیم لائے ''جو ہم کو قطعی ترک دنیا پر مجبور نہیں کرتی اسلام ہم کو خالق ومخلوق ہر دو کے حقوق کی الگ الگ بجا آوری کا حکم دیتا ہے اور دنیا میں رہ کر پھر دنیا سے الگ رہنا سکھاتا ہے---- بشر بن کر ہی خدا کو ڈھونڈ نا یہی نمونہ بانی اسلام نے دکھایا ہے---- مبارکہ'' پھر آپ فرماتی ہیں۔

پر شاہِ دو عالم کے پیرو کونین کے وارث بنتے ہیں
موجود ہے جو ''مقصود'' ہے جو دونوں ہی حاصل ہوتے ہیں
دنیا سے الگ، دنیا کے مکیں، ملتے ہیں مگر گھلتے یہ نہیں
دنیا تو ان کی ہوتی ہے یہ آپ خدا کے ہوتے ہیں
لاثانی اُسوہ احمد کا یہ سیدھی راہ دکھاتا ہے
بے دنیا چھوڑے مسلم کو دنیا میں خدا مل جاتا ہے
ہر طرح کرم فرماتا ہے
بھیج درود اُس محسن پر تو دن میں سو سو بار
پاک محمد مصطفےٰ سب نبیوں کا سردار

جزء ۳

آپ فرماتی ہیں مندرجہ بالا ہر دو بند تو عام احسانوں کے ذکر پر مشتمل تھے جن کو آنحضرت ﷺ کی تعلیم سے ہر ایک حقیقی فیض یاب ہونیوالا اور آپ کا سچا پیرو حاصل اور محسوس کرتا ہے مگر ذیل کا بند محض رحمۃ اللعالمین ﷺ کے ''عورت کی ہستی'' پر گراں بار احسان کی یاد دہانی کیلئے ہے- اور صرف ہماری صنف سے متعلق ہے مبارکہ۔

رکھ پیش نظر وہ وقت بہن جب زندہ گاڑی جاتی تھی
گھر کی دیواریں روتی تھیں جب دنیا میں تو آتی تھی

عورت ہونا تھی سخت خطا، تھے تجھ پر سارے جبر روا
یہ جرم نہ بخشا جاتا تھا تا مرگ سزائیں پاتی تھی
وہ رحمت عالم آتا ہے تیرا حامی ہو جاتا ہے
تو بھی انساں کہلاتی ہے سب حق تیرے دلواتا ہے
ان ظلموں سے چھڑواتا ہے
بھیج درود اس محسن پر تو دن میں سو سو بار
پاک محمد مصطفٰے نبیوں کا سردار

(درعدن صفحہ ۲۱ تا ۲۶)

چوبیس اشعار کی یہ نظم ''پاک محمد مصطفٰے، نبیوں کا سردار'' آپ کے دلی جذبات عقیدت وممنونیت ومحبت کی آئینہ دار ہے نثر میں صدہا صفحات پر جو مضامین آتے وہ آپ نے ان اشعار میں سمو دیئے۔

آپ کے دل میں محبت رسول ﷺ کا ایک نہ ختم ہونے والا سمندر ہے جو ٹھاٹھیں مار رہا ہے: نعت خیر البشر ﷺ میں آپ حضور ﷺ سے عرض کرتی ہیں۔

تشنہ روحیں، ہو گئیں سیراب تیرے فیض سے
علم و عرفانِ خداوندی کے بحر بیکراں
یہ دعا ہے میرا دل ہو اور تیرا پیار ہو
مرا سر ہو اور تیرا پاک سنگ آستاں

(درعدن صفحہ ۲۶،۲۸)

محبت وعقیدت کے جذبات بے قابو ہو کر کبھی بزبان مسیح موعود حضور ﷺ کی شان میں عرض پرداز ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ فارسی زبان میں آپ نے ''برتر گمان وہم سے احمد ﷺ کی شان ہے نظم حضرت مسیح موعود کی طرف سے لکھی۔

(درعدن صفحہ ۲۸)

# قرآن کریم سے محبت

آپ کو قرآن کریم سے دلی محبت تھی آپ کی صاحبزادی آپا آصفہ مسعودہ صاحبہ کہتی ہیں کہ صبح شام آپ تلاوت قرآن کریم کرتیں لیکن آہستہ آواز میں اور قرآن کریم نہایت غور اور تدبر سے پڑھتیں جہاں معنے اور مطالب سمجھنے میں دشواری ہوتی اس کو بار بار پڑھتیں حتیٰ کہ مسئلہ صاف ہو جاتا استانی حمیدہ صابرہ کہتی ہیں ''آپ علم و ادب کا بحر تھیں فرمایا کرتی تھیں کہ قرآن کریم پڑھتے ہوئے کسی لفظ کے ترجمہ کے متعلق طبیعت رکتی ہے تو میں لغت دیکھتی ہوں اور وہی معنے درست ہوتے ہیں جو میں سمجھتی ہوں۔''

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۳۷)

آپ کو ایمان اور یقین تھا کہ قرآن کریم کی تعلیمات پر سچے دل سے عمل ہی خداتعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا باعث ہے چنانچہ اس کی نصیحت اپنی اولاد اور اپنے پیاروں کو فرماتیں۔

آپ کی بھانجی صاحبزادی آمنہ طیبہ صاحبہ (بیگم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب) نے قرآن شریف پہلی مرتبہ ختم کیا ان کی آمین پر آپ نے نظم لکھی جس میں فرمایا۔

اسی سے منور ہو سینہ تمہارا
کرے دل میں گھر، نورِ قرآن طیب
الٰہی یہی نور، چھا جائے اتنا
کہ بن جائے، شمع شبستان طیب

اسی راستہ پر چلو، میری پیاری
یہی راہ ہے سب میں آسان طیب
ملا دے گا یہ تم کو آخر خدا سے
نکل جائیں گے دل کے ارمان طیب

(درعدن صفحہ ۴۰،۳۹)

آپ کے دل میں اپنے استاد حضرت پیر منظور محمد صاحب کی بہت قدر تھی ۱۹۵۰ء میں حضرت پیر صاحب کی وفات ہوئی تو ان کی بیٹی مکرمہ صاحبزادی اُم داؤد صاحبہ کو تعزیت کے خط میں حضرت پیر صاحب کا ذکر خیر کرتے ہوئے لکھا ''پیر جی کا خاص اپنا طریق تعلیم تھا کھیل کھیل میں پڑھانا- ہر بات بتانا- چیزیں بنا کر دکھانا- ایک ایک بات یاد آ رہی ہے---- ایک سایہ رحمت تھا وہ رخصت ہوا---- اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں اعلیٰ مقام بخشے آمین-''

(الفضل ۴ جولائی ۱۹۵۰ء صفحہ۲)

تفسیر صغیر کا پہلا ایڈیشن دسمبر ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا- حضرت سیدہ بیگم صاحبہ بہت خوش ہوئیں کہ آپ کے پیارے بھائی حضرت خلیفۃ المسیح نے قرآنی علم و معرفت کو تفسیر صغیر کی صورت میں ہر خاص و عام تک پہنچا دیا آپ نے اپنے پیاروں کو یہ تفاسیر تحفتہً دیں- اپنی چھوٹی بیٹی آصفہ مسعودہ صاحبہ کو جو تفسیر صغیر دی اس پر اپنے دست مبارک سے لکھا-

ہدیہ بے مثال وخزانہ لازوال
قرآن مجید
برائے (بے بی) آصفہ مسعودہ بیگم سلمہا
مبارکہ
۱۴ جنوری ۱۹۵۸ء

# حضرت مسیح موعود سے عشق

؎ ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے

اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدہ کو غیر معمولی حافظہ عطا فرمایا تھا- حضرت مسیح موعود کی وفات کے وقت آپ کی عمر تقریباً سوا گیارہ سال تھی لیکن آپ کا حافظہ بلا کا، یادداشت پختہ اور مشاہدہ بیمثال تھا آپ کو اپنے بچپن کی بے انتہا باتیں یاد تھیں- آپ کو حضرت اقدس مسیح موعود سے عشق کی حد تک محبت تھی- اسی وجہ سے چھوٹی سے چھوٹی بات اور واقعہ آپ کے ذہن پر نقش ہو چکا تھا آپ نہایت عقیدت و احترام پیار و محبت سے حضور کی ان حسین یادوں کا ذکر کرتیں کہ ایک نقشہ سا کھنچ جاتا، انفرادی گفتگو میں بھی اور جلسہ سالانہ کی تقاریر میں بھی-

آپ نے حضرت مسیح موعود کی وہ تمام باتیں جن سے آپ کی سیرت کے بیشمار پہلو سامنے آتے ہیں، کا ذخیرہ احباب جماعت کو دیا- گویا آپ امین تھیں حضرت اقدس کی باتوں کی اور آپ نے یہ امانت جماعت کو بحسن وخوبی سونپ دی- لجنہ اماء اللہ کے جلسہ سالانہ اور اجتماعات پر آپ ہمیشہ ''ذکر حبیب'' پر تقریر کرتیں- تقریر کرتے ہوئے معلوم ہوتا کہ آپ حضرت اقدس کے زمانے میں پہنچ گئی ہیں ان واقعات میں ڈوب کر ان کا بیان کرتیں- آپ کی آواز کا اتار چڑھاؤ بیساختگی اور روانی جملوں کی ترتیب الفاظ کا چناؤ بالکل اپنے بڑے بھائی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی جیسا تھا- جب تک آپ کی صحت رہی آپ خود تقریر فرماتیں طبیعت ناساز ہوتی تو آپ سٹیج پر بیٹھ جاتیں اور حضرت سیدہ چھوٹی آپا صاحبہ آپ کی تقریر پڑھتیں اور آپ محویت سے اس کو سنتیں-

''ذکر حبیب'' کے موضوع پر اپنی تقاریر کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں ''مجھے ہمیشہ حجاب ہی رہا کہ میں کیا لکھ سکتی ہوں اور کیا کہہ سکتی ہوں مگر تھوڑا عرصہ ہوا مجھے ایک سید زادی لڑکی جس نے میرے پاس پرورش پائی تھی کا خواب یاد آیا اور میں نے ارادہ کیا کہ اب اس عمر، آخر میں سہی، جو بھی اور جتنا بھی ہو سکے حسب توفیق کسی موقع پر کہہ ہی دیا کروں شاید یہی مقبول بارگاہ الٰہی ہو جائے۔ مالیر کوٹلہ کا ۱۹۳۴ء یا ۳۵ کا ذکر ہے اس لڑکی نے صبح اٹھ کر مجھے خواب سنایا کہ میں نے حضرت مسیح موعود کو خواب میں بڑی بیت (بیتِ اقصیٰ قادیان) میں دیکھا آپ وہاں کھڑے ہیں اور آپ دونوں بہن بھائی (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور میں) کو کہتے ہیں کہ بیت میں صفائی کرو۔ اس کو بہت تعجب ہوا کہ اور لوگوں کو نہیں کہا۔ آپ دونوں کو صفائی کا فرما رہے ہیں۔ بیت خواب میں جماعت ہوتی ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ اس خواب کا مطلب یہ ہے کہ ہر مرد اور ہر عورت، جماعت کی مع اپنے نفوس کے، روحانی اور ایمانی ترقی میں کوشاں رہے۔ خوابوں کے مطلب ظاہر کے علاوہ اکثر بہت وسعت رکھتے ہیں اس خواب کے یاد آ جانے پر، میں نے جھجک کو دور کر کے برائے نام سہی قلم اٹھانے کی نیت کر لی۔

(تاریخ لجنہ جلد سوم صفحہ ۲۷۱،۲۷۲ خطاب بر موقع اجتماع ۱۹۶۴)

ذکر حبیب بیان کرتے ہوئے آپ ایک خاص لذت محسوس کرتیں چنانچہ خود فرماتی ہیں ''خود میرے دل سے پوچھیئے تو میرے لئے اس ذکر حبیب اور ان یادوں میں ہر دم تازہ لذت اور سرور ہے۔ میرا دل اس ذکر ان یادوں اور ان تصورات سے کبھی بھر نہیں سکتا۔ میرے دل میں حضرت مسیح موعود کی باتیں بیان کرتے ہوئے جو جوش پیدا ہوتا ہے کہ کاش جس طرح میں آج بھی آپ کا روشن چہرہ آپ کی ہر حرکت گویا اس وقت بھی دیکھ رہی ہوں اور آپ کی آواز میرے کانوں سے دل میں اُتر رہی ہے۔ کوئی طریقہ ایسا ہوتا کہ میں اپنی آنکھوں سے آپ کو دکھا سکتی۔ خیر آپ کی سیرت کا نقشہ وہ تعلیم ہے جو آپ کی کتب، آپ کے مبارک خلفاء آپ کو دکھاتے رہے ہیں اور اب

بھی ایک خاص مبارک وجود آپ کو دکھا رہا ہے مگر اس دیکھنے کے لئے روحانی آنکھوں کی ضرورت ہے- خدا آپ سب کو توفیق بخشے ہر گھڑی نور ایمان زیادہ ہو-''

(الفضل، جلسہ سالانہ نمبر ۱۹۶۸)

حضرت بیگم صاحبہ مسیح موعود کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں-

آپ ظاہر و باطن ایک آئینہ شفاف کی مانند تھے جس میں سورج کی چمک سے نور ہی نور نظر آتا ہو- مگر آنکھ کے اندھوں کے لئے سو سو حجاب حائل ہوتے ہیں- آپ کا جسم بھی مصفّٰی تھا- گرمی اور پسینے کی شدت میں بھی کبھی بوئے ناخوش آپ میں سے نہیں آتی تھی- ہمیشہ ایک ہلکی مہک آتی رہتی، مشک کی خوشبو آپ کے سینہ میں معلوم ہوتی تھی- جب نہا کر نکلتے تو گیلا گیلا بدن ململ کے کرتے میں سے صاف شفاف نظر آتا- نرم نرم بالوں میں نمی سی اور چند قطرے پانی کے جو بدن خشک کرنے کے بعد بھی سر میں باقی رہتے، بہت ہی پیارے لگتے تھے-

آپ کا قد بالکل راست تھا- ذرا بھی کمزوری اور جھکاؤ نہ آیا تھا، نہ پیشانی پر نہ چہرے پر کوئی جھری تھی- صرف آنکھوں کے کویئوں کے پاس ذرا ذرا بل سے تھے- جو جوانوں کے بھی پڑ جاتے ہیں- غرض اتنی محنت بے حد کام اور اس پر دوران سر اور کثرتِ پیشاب کا جو عارضہ تھا- ان سب کے باوجود کوئی اثر آپ کے چہرے پر ہرگز نہ تھا-

(الفضل، جلسہ سالانہ نمبر ۱۹۶۸)

ایک اور مرتبہ جلسہ سالانہ پر ''ذکر حبیب'' پر تقریر کرتے ہوئے آپ نے یوں فرمایا--- میری بہنوں نے چاہا کہ میں حضرت مسیح موعود کے متعلق یعنی ''ذکر حبیب'' کے موضوع پر کچھ بیان کروں- اس میں شک نہیں ہے کہ ؎

ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے

یہ بہت پیارا مشغلہ ہے مگر پیشتر اس کے کہ میں کچھ کہوں یہ گوش گزار کر دینا چاہتی ہوں کہ میری عمر، حضرت مسیح موعود کے وصال کے وقت ۱۱ سال سے کچھ ہی

زیادہ تھی اور اس عمر کی روایات اور واقعات جو یاد رہیں- بہرحال ایسے اہم اور باریک روحانی مذہبی نکات پر مشتمل نہیں ہو سکتے جن کی آپ اُمید رکھیں-

میں اس وقت صرف چند معمولی (یعنی شاید آپ کے کیلئے معمولی) باتیں سناتی ہوں جو شائد آپ لوگوں کی نظر میں کچھ زیادہ اہمیت نہ رکھیں کیونکہ محض ذاتی ہیں مگر میرے لیے وہ ایک بیش بہا خزانہ اور بہت ہی محبوب یادیں ہیں- عمر بھر رہیں اور رہیں گی- میں اس احسان پر خدا تعالیٰ کا جتنا بھی شکر کروں کم ہے- کہ مجھے حضرت مسیح موعود کی یاد اتنی صاف اور اتنی واضح رہی ہے کہ گویا آج بھی آپ کو سامنے دیکھ رہی ہوں آپ کی باتیں سن رہی ہوں آپ کی صورت آپ کے انداز، اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا بات کرنا لیٹے ہوئے ہونا- سوتے میں کروٹ لینا- کروٹ لیتے وقت وہ لبوں کی حرکت اور ''سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم کی ہلکی ہلکی آواز میرے کانوں میں آ رہی ہے- غرض سب کچھ یاد ہے اور بہت وضاحت سے یاد ہے اور ہر یاد میرے دماغ میں ایک روشن نقش کی طرح موجود ہے- اس کی ظاہری وجہ یہ بھی ہے کہ میرے دل نے اسے بھولنے نہ دیا اور آپ کی جدائی کے بعد میرے تصور میں ہمیشہ وہ نقشے آتے رہے بہرحال یہ خدا تعالیٰ کا ہی خاص فضل ہے ورنہ اس عمر کی باتیں، بہت کم کوئی اس طرح یاد رکھتا ہے- پھر اتنا لمبا عرصہ زندگی کی مختلف الجھنوں میں گزر کر فالحمد للہ علی ذالک-

(مصباح نومبر ۱۹۶۰ صفحہ ۳۷)

اپنے بچپن کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں'' حالانکہ پڑھنے میں بھی وقت گزرتا بڑا حصہ دن کا، اور پھر کھیلنا بھی ،مگر جب بھی موقع ملتا میں ضرور وہ وقت حضرت مسیح موعود کے پاس گزارنا پسند کرتی کاش کہ اور زیادہ موقع ملتا، اکثر چھوٹی باتیں بھی آپ سے پوچھ لیتی تھی---- میری یادوں کا زمانہ، حضرت مسیح موعود کی نسبتاً کمزوری کا زمانہ تھا- اکثر چکروں کا دورہ ہوتا- مگر آپ کی انتھک محنت کی مثال نہیں ملتی باہر جانا ہے- نمازوں میں جانا ہے اس وقفہ میں آپ برابر تحریر کا کام کرتے رہتے، اتنی مصروفیت اتنے

کام، پھر خدمت اسلام اور غم اسلام کا بار کاندھوں پر۔ اپنے مشن کی اہمیت کا اندازہ آپ سے بڑھ کر کس کو ہوگا۔ کام اور عاشق صادق کا کام۔ ایمان کامل، سچی لگن کا کام۔ یقین کامل کہ میں مقرر کردہ ہوں، خدائے برتر کا، خود اپنے کو سب سے بڑھ کر حق الیقین ہے۔ پھر سوچنا چاہیے کہ کتنا بڑا کام ہوگا، جو باوجود اس امر پر ایمان کے، کہ میرا مولا میرا معین ونصیر ہے مگر جتنا ایمان و یقین، اور جتنا عشق کا درجہ بڑھا ہو، اتنا ہی احساس ذمہ داری اور لگن زیادہ ہوتی ہے مگر آپ تھے کہ دل میں یاد یار اور ہاتھ کار دوست میں۔

(تقریر ذکر حبیب، الفضل، دسمبر ۱۹۷۲، صفحہ ۱۹ تا ۲۱)

بیگم صاحبہ فرماتی ہیں ”حضور باوجود بیماری کے ہر وقت مصروف رہتے۔ مجھے یاد ہے دوران سر کے وقت بیٹھ کر نماز ادا کر لینا یا آخری ایام میں اکثر ضعف کی وجہ سے مغرب وعشاء کی نمازیں اندر زنانہ میں باجماعت ادا فرما لینا، مگر باوجود اس کے آپ کے کاموں میں کبھی سُستی یا رکاوٹ نظر نہیں آئی۔ وقت میں اتنی برکت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی کہ اب سوچ کر حیرت ہوتی ہے کہ وہ چوبیس گھنٹہ کے شب و روز تھے کہ ۴۸ گھنٹہ سے بھی زیادہ تھے۔ دن بھر بیٹھ کر بھی لکھنا اور ٹہل کر بھی لکھنا۔ آپ زیادہ تر تحریر فرماتے اور ٹہلتے جاتے تھے۔ ایک اونچی تپائی پر دوات رکھی رہتی۔ نب ٹیڑھی نوک کا باریک ہوتا تھا۔ چلتے چلتے ہولڈر ڈبو لیتے اور لکھتے رہتے۔ اسی میں دوسروں کی بات بھی سننا جواب بھی دینا۔ لوگوں کو دوا دارو بھی دینا اور پھر وہی روانی۔ آپ کا قلم گویا خدائے کریم کے ہاتھ میں تھا۔ کوئی دوسرا ہوتو ذرا سی گڑ بڑ میں سب کچھ بھول جائے۔ مضمون ہی خبط ہو جائے۔ مگر وہ تو اللہ تعالیٰ کا نور تھے۔ تمام طاقتیں سب کام وہی اپنے کرم سے کروا رہا تھا۔

(ذکر حبیب، الفضل، جلسہ سالانہ نمبر ۱۹۶۸)

فرماتی ہیں، ”دماغ بھی خدا کے تصور میں ہے ہر لمحہ، پھر بھی اس کے مقرر کردہ انسانی حقوق وفرائض ہمیشہ احسن طریق سے بشاشت سے ادا فرمائے حضرت اماں

جان کا انتہائی خیال ہے- ہر طرح بے انتہا قدر تھی حضرت اماں جان کی آپ کے دل میں بچوں پر شفقت ان کی ناز برداری اپنے مہمانوں اپنے پروانوں کا- جو گھر بار چھوڑ کر اکثر دنیا کے سارے رشتے توڑ کر- اس شمع فروزاں کے گرد جمع تھے- ہر ضرورت کا ہر وقت خیال رکھنا- سوچیں تو صاف نظر آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی خاص عطا کردہ روح کام کر رہی تھی- سبھی کو وقت دیتے تھے- کوئی دوا مانگنے آرہا ہے آپ کام کرتے کرتے دوا دے رہے ہیں حتیٰ کہ ہندو عورتیں بھی آ جاتیں- کوئی دوا مانگتی کوئی اپنے کاکے کے سر پر ہاتھ پھیرنے کو کہتی- کوئی کچھ اور کوئی کچھ- بہت کچھ یاد ہے کچھ لکھ چکی ہوں- میرا پلنگ بستر، پاس بہت ہی قریب ہوتا تھا- اور اکثر میری آنکھ رات کو کھلتی- دیکھتی کہ آنکھیں بظاہر بند ہیں، مگر لبوں پر سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم، درود اور ذکر الٰہی جاری ہے مجھے پہچان ہوگئی تھی آپ کے لبوں کی حرکت پہچان لیتی اور ہلکی سی آواز بھی سن لیتی- سرہانے موم بتی کی روشنی رکھتے تھے- کئی بار دیکھا کہ اٹھے اور لکھا (جو الہام ہوتا- صبح ہمیں بھی پتہ لگ جاتا تھا) پھر لیٹ جاتے-

ایک دن دوپہر کو کھانے سے قبل یا بعد میں ٹھیک یاد نہیں آپ حجرہ میں آرام فرما رہے تھے حضرت والدہ صاحبہ اس وقت باہر احمدی خواتین کے پاس تھیں- میں جا کر حضور کے پلنگ پر بیٹھ گئی- یہ بیوقوفی سمجھ لیں یا خوش قسمتی میں نے آپ کی پنڈلیوں پر دبانے کی نیت سے ہاتھ رکھ دیا- اس وقت آپ سیدھے لیٹے ہوئے تھے یکا یک ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی جو بیان میں نہیں آ سکتی آپ کی پنڈلیاں تھر تھر کانپنے لگیں- چہرے پر ایک بہت خاص چمک اور سرخی- پیشانی پر پسینے کے قطرے ابھرے- ہونٹ حرکت کرنے لگے جیسے کوئی غیر مرئی طاقت ان کو جنبش میں لا رہی ہے- نہ کسی تکلیف کی اور نہ کرب کی علامت تھی- معلوم ہوتا تھا کہ کسی طاقت کا آپ پر تصرف ہے- جو ایک خاص روحانی سلسلہ ہے- بالکل ایک نوزائیدہ بچے کی طرح چہرہ معصوم نظر آ رہا تھا- اس کیفیت کے بعد آپ نے آنکھیں کھولیں- اور کاغذ پر لکھا اور مجھے کہا جاؤ اپنے نانا جان

کو بلا لاؤ- (قریب تھے مل گئے اور اپنی اماں کو بھی بھاگ کر بلا لائی) آپ نے خاموشی سے وہ کاغذ نانا جان کی جانب بڑھا دیا- انہوں نے بلند آواز سے پڑھا- وہ یہ الہام تھا- ’’زبردست نشانوں کے ساتھ ترقی ہوگی-‘‘

دن کے وقت یہ خاص الہام میں نے پوری الہامی کیفیت کے ساتھ دیکھا- جب نانا جان پڑھ چکے اور دہرایا گیا- پھر آپ نے خود دہرایا- ورنہ چند منٹ، اس کے بعد آپ خاموش ہی رہے تھے- یہ مبارک الہام اور شاندار نزول کی کیفیت تھی جو میں نے دیکھی-

تمام عالم کے طبیب سارے جہاں کے عالم اور سائنس داں اکٹھے ہو جائیں اور کہیں کہ یہ کیفیت ایک بیمار کی نعوذ باللہ ہوسکتی ہے- تو جنہوں نے اس قسم کی خاص کیفیت دیکھی اور آپ کو دیکھا- آپ کے کام دیکھے- خداتعالیٰ کے فضل اور نصرت سے ان کے ایمان کو دنیا بھر، مل کر بھی، ہرگز متزلزل نہیں کرسکتی-

آپ کی خاص باتیں الہام اور ان کا پورا ہونا زمانہ دیکھ چکا ہے اور بہت کچھ دیکھنا باقی ہے دیکھتے رہیں گے انشاء اللہ تمام دنیا- اور نیک نصیب ہدایت بھی پائیں گے، باوجود ابلیس کی آخری زور کی کوشش کے-

(ذکر حبیب مصباح دسمبر ۱۹۷۲ صفحہ ۱۹ تا ۲۱)

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کو حضرت مسیح موعود کی نبوت پر ٹھوس ایمان تھا جو صرف روایات پر مبنی نہ تھا بلکہ شہادات اور روئیت پر مبنی تھا- آنکھ کھولتے ہی ایک نور کے سائے میں زندگی بسر ہوئی اور حضرت مسیح موعود کو عاشق قرآن، عاشق رسول ﷺ پایا- ہوش آتے ہی کانوں میں الٰہی بشارتیں پڑیں- حضرت مسیح موعود پر عنایات و لطف الٰہی کا مشاہدہ کیا چنانچہ اس سلسلے میں آپ نے خود فرمایا-

’’میری نظر میں اب تک وہ نقش تازہ ہیں آپ کی باتیں، آپ کا ٹہلنا، لکھنا، نماز پڑھنا، وضو کرنا، سونے کا انداز غرض سب کچھ گویا میں آج بھی دیکھ رہی ہوں واقعی

ایک نور ہی تھا- جس نے وہ زمانہ پایا اور نہ دیکھ سکا اور نہ پہچان سکا اس کی قسمت پر افسوس ہے- میں جب آپ کا چہرہ یاد کرتی ہوں تو سوچتی ہوں بجز دل کے اندھوں کے اور جن کے قلوب پر مہر لگ چکی تھی کون اس منہ کو دیکھ کر کاذب کہہ سکتا تھا؟ نور صداقت تو اس کی پیشانی سے ہی برستا تھا اور نور ہی نور آپ کی ہر بات سے مترشح ہوتا تھا- روشنی ہی روشنی، پاکیزگی ہی پاکیزگی، ظاہر و باطن، خلوت و جلوت میں نمایاں نظر آتی تھی- بشریت کے جامہ میں اس دنیا کی ملونی سے الگ خاص پاک روح، معلوم ہوتا تھا کہ خداتعالیٰ نے بھیج دی ہے- اپنے کام کے لئے جو دنیا میں ہے بھی اور نہیں بھی-

میری شہادت جو میرے اپنے ایمان اور اپنی ذات کے لئے ہے محض روایات اور تحریروں پر ہی بناء نہیں رکھتی بلکہ اول اصل اس کی روئیت پر ہے، دید وشنید پر ہے یعنی بچپن سے آپ کو بہت نزدیک سے دیکھا ہے- آپ کی باتیں سنیں، آپ کو عاشق الٰہی پایا، عاشق محمد ﷺ پایا، بہت بچپن کی تفصیلیں اگرچہ یاد نہیں مگر جو اثر آپ کے وجود کا شاید دودھ پینے کی عمر سے ٹھہرا تھا وہ ہوش سنبھالتے سنبھالتے گہرا ہی ہوتا گیا اور جتنا بھی قریب سے دیکھا نور ہی نور پایا-

(الفضل، ۳۰-اکتوبر ۱۹۶۴)

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں کہ حضرت مسیح موعود کو اللہ تعالیٰ کے لئے نہایت درجہ غیرت تھی چنانچہ تحریر کرتی ہیں:

''اپنے سب سے بڑھ کر محبوب، ذات باری تعالیٰ کا عشق ہی ہے جو آپ کے روح وتن کے ذرہ ذرہ میں موجزن تھا آپ کے ہر قول وفعل سے ہر وقت نمایاں نظر آتا تھا میں نے بغیر اوقات نماز کے بھی آپ کو اپنے رب کریم کو، تڑپ تڑپ کر پکارتے سنا ہے- میرے پیارے اللہ، میرے پیارے اللہ، کی آواز گویا اس وقت بھی سن رہی ہوں اور آپ کے آنسو بہتے دیکھ رہی ہوں- اپنے پیارے ازلی ابدی خدا تعالیٰ کے لئے غیرت کا ایک نمونہ چشم دید پیش کرتی ہوں- آپ حجرہ میں تھے باہر جانے کو

تیار تھے میں آپ کے پاس تھی حضرت اماں جان سامنے کھپرل میں تھیں۔ ہماری تائی صاحبہ کی خادمہ خاص (جو تائی صاحبہ کے قریباً ساتھ ہی احمدی بھی ہوگئی اور بہشتی مقبرہ میں دفن ہے) حضرت اماں جان کے پاس آئی اور اپنی طرف سے عزیز داری سمجھ کر ہمارے چچا مرزا امام الدین کی وفات پر اظہار افسوس کرنے لگی جس وقت اس کے منہ سے یہ الفاظ نکل رہے تھے کہ ''بڑا ہی چنگا بندہ سی وغیرہ'' حضرت مسیح موعود باہر نکلے آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا آپ نے اپنا عصا زمین پر مار کر کہا:

''بدبخت تو میرے گھر میں میرے خدا کے دشمن کی تعریف کرتی ہے۔''

ایسا جلال آپ کی آواز میں تھا کہ وہ سرپٹ بھاگی۔ مرزا امام الدین دہریہ تھے۔ آپ کب گوارا کر سکتے تھے کہ آپ کے گھر میں دہریہ کی اس قدر تعریف ہو۔ ویسے دوسرے عزیز جو محض ذاتی دشمن اور گمراہ تھے ان کی تکلیف میں آپ ہمدردی فرماتے تھے۔ حضرت منجھلے بھائی صاحب نے ایک دفعہ نظام الدین کہہ کر بات کی تو آپ نے فرمایا تھا کہ

''میاں وہ تمہارا چچا ہے''

ان کا مرزا گل محمد مرحوم سے بڑا لڑکا مرزا دل محمد جب فوت ہوا تو آپ نے اظہار افسوس کیا۔ مجھے یاد ہے آپ نے فرمایا تھا لڑکا اچھا تھا اس میں سعادت تھی میں نے دیکھا کہ حافظ نابینا (حافظ معین الدین نابینا) کا ایک دن ہاتھ پکڑ کر چلا جا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ حضرت صاحب کی بیت میں جانا ہے؟ لاؤ پہنچا دوں۔ بیت الدعا یا ہماری حجرہ کی کھڑکی سے وہ گلی نظر آتی تھی جو بیت اقصیٰ (بڑی بیت) کو جاتی ہے غالباً آپ نے اس میں سے دیکھا ہوگا۔''

(الفضل جلسہ سالانہ نمبر، ۱۱۔جنوری ۱۹۶۸)

دو روایات مذکور ہیں جن سے حضرت اقدس مسیح موعود کا عشق حضرت نبی اکرم ﷺ سے ظاہر و باہر ہے جو ایک چھوٹی بچی کے ذہن میں مرقوم ہوا۔ بیگم صاحبہ

فرماتی ہیں:-

''ایک دفعہ بالکل گھریلو ماحول کی بات ہے کہ حضرت مسیح موعود کی طبیعت کچھ ناساز تھی اور آپ گھر میں چار پائی پر لیٹے ہوئے تھے اور حضرت امان جان نور اللہ مرقدھا اور حضرت نانا جان ( سید ناصر نواب صاحب ) بھی پاس بیٹھے تھے کہ حج کا ذکر شروع ہو گیا- حضرت نانا جان نے کوئی ایسی بات کہی کہ اب تو حج کیلئے سفر اور رستے وغیرہ کی سہولت پیدا ہو رہی ہے حج کو چلنا چاہیے- اس وقت زیارت حرمین شریفین کے تصور میں حضرت مسیح موعود کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھی اور آپ اپنے ہاتھ کی انگلی سے اپنے آنسو پونچھتے جاتے تھے- حضرت نانا جان کی بات سن کر فرمایا ''یہ تو ٹھیک ہے اور ہماری بھی دلی خواہش ہے مگر میں سوچا کرتا ہوں کہ کیا میں آنحضرت ﷺ کے مزار کو دیکھ بھی سکوں گا؟

(صفحہ ۵۸۹ تاریخ احمدیت جلد سوئم)

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ حضرت مسیح موعود کے عشق رسول کے بارے میں لکھتی ہیں:

''ہمیں تو بغیر سکھائے، بتائے جہاں تک ہوش کا زمانہ یاد ہے- یقین تھا کہ آپ خدا تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کے عاشق ہیں اور بہت ہی زیادہ آپ کا دل اپنے رب کے عشق سے اور اپنے آقا نبی کریم ﷺ کے عشق سے بھرا ہوا ہے- میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نبی کریم ﷺ کا ذکر کر رہے ہوں اور آپ کی آنکھیں اشک آلود نہ ہوئیں ہوں- بات کرتے جاتے اور انگلی سے گوشہ ہائے چشم سے ٹپکتے آنسو پونچھتے جاتے تھے-

اسی طرح سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ عشق رسول ﷺ کا ایک اور واقعہ بیان فرماتی ہیں کہ محرم کا مہینہ تھا حضرت مسیح موعود اپنے باغ میں ایک چار پائی پر لیٹے ہوئے تھے آپ نے مبارک احمد اور مجھے اپنے پاس بلایا اور فرمایا ''آؤ میں تمہیں محرم کی کہانی سناؤں'' پھر آپ نے بڑے درد انگیز انداز میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے واقعات

سنائے آپ یہ واقعات سناتے جاتے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور آپ اپنی انگلیوں کے پوروں سے اپنے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔ اس درد ناک کہانی کو ختم کرنے کے بعد آپ نے بڑے کرب کے ساتھ فرمایا ”یزید پلید نے یہ ظلم ہمارے نبی کریم ﷺ کے نواسے پر کروایا مگر خدا نے بھی بہت جلد ان ظالموں کو اپنے عذاب میں پکڑ لیا“ اس وقت آپ پر عجیب کیفیت طاری تھی اور اپنے آقا ﷺ کے جگر گوشہ کی المناک شہادت کے تصور سے آپ کا دل بے چین ہو رہا تھا اور یہ سب کچھ رسول پاک ﷺ کے عشق کی وجہ سے تھا۔“

(تاریخ احمدیت جلد سوئم صفحہ ۵۹۰)

ایک اور مرتبہ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں۔

”یزید کے ذکر پر یزید پلید فرماتے تھے۔ کافی مجھے واقعات آپ نے سنائے حالت یہ تھی کہ آپ پر رقت طاری تھی، آنسو بہنے لگتے تھے جن کو آپ انگشت شہادت سے پونچھتے جاتے تھے وہ کیفیت مجھے ہمیشہ یاد آتی ہے جب آپ پر اسی رسول اکرم ﷺ کی ہتک کا اتہام لگانے کی باتیں سنتی ہوں تو دل کے ٹکڑے اُڑتے ہیں۔ میں نے شیعوں کی مجالس دیکھی ہیں رسمی رونا پیٹنا دیکھا ہے مگر دو بچوں کے سامنے گھر کی تنہائی میں وہ قیمتی آنسو، وہ خون دل کے قطرے اور انمول موتی اور جگہ دنیا میں کہاں پائے جا سکتے ہیں۔ وہ جذبہ صادق وہ درد تو اسی عاشق محمد ﷺ کا ہی حصہ تھا۔

(الفضل، جلسہ سالانہ نمبر ۱۹۶۸ء)

ایک اور واقعہ بیان کرتی ہیں کہ ”ایک دفعہ حضرت اماں جان نے کہا ایک شخص نے کہلایا ہے (نام نہیں لے سکتی) کہ فلاں سید زادی سے میرے رشتے کی آپ سفارش کر دیں اور تحریک فرمائیں میں پاس بیٹھی تھی۔ آپ نے جواب دیا کہ ”ایک لڑکی جو آل رسول کریم ﷺ سے منسوب ہے سید زادی کہلاتی ہے میں اس کا پیغام ایسے شخص کے لئے دوں جس کی قوم ہمارے ملک میں ایک گھٹیا قوم کہلاتی ہے۔“ بیشک اسلام و

احمدیت کی تعلیم یہی ہے اور آپ خود فرماتے تھے کہ ذات پات کا خیال نہ کرو اور نیکی تقویٰ دیکھو مگر وہ شریعت ہے- یہ رنگ عشق و محبت کا تھا اور اپنے محبوب آقا کا ادب تھا- ایک خاص جذبہ تھا جس نے یہ الفاظ آپ کی زبان سے نکلوائے نہ معلوم کتنے جذبات، عشق و احترام سے معمور اس وقت آپ کا دل ہو گا کہ آپ اس بات کو کہنا برداشت نہ کر سکے- آپ نے یہ نہیں کہا کہ وہ شخص پیغام نہ دے صرف اپنے جذبہء عشق و احترام کے جوش میں یہ کہا کہ میری زبان کو زیب نہیں دیتا-

(الفضل، جلسہ سالانہ نمبر ۱۹۶۸ء)

غیرتِ رسول ﷺ کا ایک واقعہ آپ سناتی ہیں کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود کے زمانے میں جلسے کے دنوں میں احمدی عورتوں کے ساتھ کوئی غیر احمدی عورت منافق قسم کی بھی آ گئی جو نیچے بیٹھی باتیں کر رہی تھی کہ جو نبی ہوتے ہیں کوئی وہ انڈا اور پلاؤ بھی کھاتے ہیں؟ میں نے اوپر جا کر حضرت مسیح موعود کو بتایا کہ وہ عورت ایسے کہہ رہی ہے آپ جوش میں اٹھ کر بیٹھ گئے آپ کے چہرے پر اس قدر جوش تھا جو آپ کو اپنے لئے نہیں گویا کہ آپ کو حضرت رسول کریم ﷺ کیلئے جوش آیا کہ حضرت رسول کریم ﷺ ہوتے تو آپ ﷺ بھی ان چیزوں کو کھاتے- آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ پاکیزہ اور حلال نعمتیں کیا باقی لوگوں کیلئے بنائی ہیں؟ اپنے پیاروں کے لئے نہیں بنائیں-'' جس زمانے کا آپ نے یہ واقعہ بیان کیا ہے آپ چھوٹی تھیں اگرچہ حضرت مسیح موعود نے وضاحت نہیں فرمائی کہ آپ کو حضرت رسول کریم ﷺ کا خیال کر کے جوش آیا- چونکہ آپ کے دل میں بچپن ہی سے حضرت رسول کریم ﷺ کی محبت اور عقیدت تھی آپ نے حضرت مسیح موعود کے جوش سے فوراً سمجھ لیا کہ یہ حضرت رسول کریم ﷺ کیلئے غیرت اور جوش ہے- (ایک ملاقات میں یہ واقعہ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے خاکسار کے ٹیپ ریکارڈر میں ریکارڈ کروایا)-

میں آپ سے جب بھی ملی آپ ضرور مجھے دو ایک واقعات حضرت مسیح موعود

کی سیرت کے سناتیں اور فرماتیں ''نسیم سعید میرے بچپن کا حافظہ زبردست تھا (مجھے تو ہمیشہ کا حافظہ ہی بے مثال معلوم ہوا) مجھے تین چار سال کی عمر کی باتیں اب تک ویسی ہی یاد ہیں- اور پھر بڑے مزے سے بچپن میں حضرت اماں جان کے نہلانے، اپنے شور کرنے، اور حضرت مسیح موعود کے تشریف لانے کا واقعہ سنایا-

## حضرت مسیح موعود کیلئے غیرت

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کو حضرت مسیح موعود کی ہر بات کی غیرت تھی کہ آپ کے ساتھ کسی قسم کی غلط بات منسوب نہ کی جائے چنانچہ اس بارے میں حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں-

''مصباح کے شمارہ دسمبر جنوری ۱۹۷۵ء میں حضرت مسیح موعود کی صحابیہ محترمہ اصغری بیگم کی روایت میں تیسری روایت بالکل غلط ہے- حضور نے کبھی نماز کے بعد یا نماز کے دوران ہاتھ اٹھا کر دعا نہیں کی- دوران سر یعنی چکروں کے دوران آپ پلنگ پر ہی نماز پڑھتے- آپ اگر کمرے میں نماز پڑھتے تھے تو خواتین صحن میں نماز آپ کے پیچھے ادا کرتی تھیں- اور کبھی آپ صحن میں بھی پلنگ پر نماز پڑھتے تھے اور میں نماز کے وقت بالخصوص موجود ہوتی تھی- میں نے کبھی بھی حضور کو ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہوئے مشاہدہ نہیں کیا راویہ کو سمجھنے میں غلطی لگی ہے ہوسکتا ہے کہ حضور نے فرض نماز کے بعد نماز کا دوسرا حصہ ادا کرنے کیلئے ہاتھ بلند کیے ہوں جس پر راویہ کو دعا کا گمان ہوا ہو-

ایک دفعہ تو غلطی ہوسکتی ہے لیکن اس روایت میں ان کے الفاظ کا تواتر سے اظہار ہے- یہ غلطی پر اور بھی سخت غلطی کی ہے- ایسا فقرہ کیوں لکھا ہوا ہے- آپ تو کبھی بھی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا نہیں کرتے تھے-

حضور جب عورتوں کی بیعت لیتے تھے تو اس کے دعائیہ الفاظ دہرانے کے بعد آپ فرماتے آؤ دعا کر لیں- آپ اس وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کرواتے جس میں باقی حاضرین بھی شریک ہو جاتے تھے- جب لوگ دعا کے لیے درخواست کرتے تو آپ

فرماتے ہاں دعا کریں گے لیکن ہاتھ اٹھا کر اسی وقت دعا نہیں کرتے تھے۔

عقلی دلائل بھی کوئی چیز ہیں کیا چکروں کی تکلیف میں آپ نماز میں پلنگ پر کھڑے ہو سکتے تھے؟ سرا سر حماقت کا فقرہ لکھا ہے بہت علالت میں یا چکروں میں یا دوران سر میں نماز پڑھتے ہوئے کیا آپ کھڑے ہو سکتے تھے پلنگ پر؟

دودھ والی بات بھی ان کی غلطی سے لکھی ہوئی ہے۔ ہرگز آپ ہر کھانے کے بعد دودھ نہیں پیتے تھے۔ کبھی کام سے تھکے بیچ میں ٹھہرنا پڑا تو تھوڑا سا دودھ پی لیتے۔ ایک یا دو بار میں نے دیکھا ہے۔

چار سال کی عمر کی تو الحمدللہ مجھے سب باتیں یاد ہیں ایک دفعہ پیا ہو گا۔ بلی کو پلا دیا ہو گا ویسے آپ پانی بھی جب کوئی لاتا تو تھوڑا سا ضرور گرا دیتے تھے یہ میں نے دیکھا ہے۔

(مصباح دسمبر جنوری ۱۹۷۵ء صفحہ ۲۸)

اسی طرح الفضل ۲۴ مئی ۱۹۵۲ء میں حضرت اماں جان کی وفات پر مولوی محمد جی صاحب ہزاروی نے اپنے مضمون میں حضرت مسیح موعود کی خوراک کے بارے میں کچھ غلط بات لکھ دی۔ حضرت سیدہ بیگم صاحبہ نے فوراً اس کی تصحیح کرنی ضروری سمجھی کہ حضرت اقدس کے بارے میں کوئی بھی غلط بات اور روایت بیان نہ کی جائے چنانچہ آپ تحریر فرماتی ہیں۔ ''مولوی صاحب کا جو بیان شائع ہوا ہے اس میں حضرت مسیح موعود کی خوراک کے متعلق ایک فقرہ ہے'' آپ کی خوراکوں میں سے ایک خوراک گھی سے چرب، خشکہ اور چپڑی ہوئی چپاتی ہوتی تھی جس پر پسی ہوئی کھانڈ ہوا کرتی تھی۔''

اس فقرہ سے چونکہ ایک خوراک کا اکثر ہونا اور تواتر ظاہر ہوتا ہے اس لئے اس کی تصحیح ضروری ہے۔ ایسا ہو کہ مولوی صاحب مکرم کو حضرت اماں جان نے شاید روٹی چپڑ کر اور بورا (دیسی کھانڈ) ڈال کر بھیج دی ہو۔ یا شاید کسی دن حضرت مسیح موعود نے اسی طرح کھایا ہو۔ مگر یہ آپ کی اکثر بلکہ گاہے گاہے کی خوراک بھی نہیں تھی۔ خشکہ

آپ کیلئے تیار ہوتا تھا مگر اسی دن جب آپ کی طبیعت خراب ہوتی یا اسہال کا دورہ ہوتا۔ (آخری کھانا جو ۲۵ مئی شام کو آپ کے سامنے لایا گیا اس میں خشکہ تھا۔) مگر وہ گھی سے چرب نہ ہوتا تھا اور چونکہ آپ کی خوراک کم تھی۔ خشکہ کی پلیٹ بظاہر ویسی کی ویسی ہی سامنے سے اٹھائی جایا کرتی تھی۔ آپ ایک طرف سے تھوڑا سا کھا لیتے تھے اکثر معلوم تک نہ ہوتا کہ اس میں سے کیا لیا ہے۔ رہی ''چپڑی چپاتی''۔ وہ مجھے تو اپنی ہوش میں ایک بار بھی یاد نہیں چپاتی سکی ہوئی آپ کے کھانے پر آتی تھی جس کے آپ ٹکڑے چھوٹے چھوٹے کر کے نوش فرماتے تھے اور ہمیشہ آپ کے سامنے بچے ہوئے چھوٹے ٹکڑے پڑے رہ جاتے تھے۔ آپ کی انگلیاں سالن سے تر نہ ہوتی تھیں۔ خشک چپاتی کے باریک ذرات آپ کی انگلیوں کے پوروں کو لگے ہوتے گویا آج بھی میں دیکھ رہی ہوں۔ پراٹھا تنور کا گاہے گاہے پکتا تھا آپ کو پسند بھی تھا۔ دوسرے پراٹھے بھی کبھی ناشتہ یا کسی خاص موقع پر پک جاتے چلّے (پوڑے) اور دال بھرے پراٹھے (بری پراٹھے) بھی جو خاص طور پر حضرت اماں جان کے اپنے ہاتھ کے بہترین ہوتے تھے پتلے پتلے اور بڑے بڑے غرض ایسی جو چیز آپ کے سامنے رکھی جاتی آپ خوشی سے کھاتے تھے بے شک۔ مگر روزمرہ اکثر تو وہی عام پھلکے یعنی چپاتی تھی۔ جس کو چپڑی صورت میں میں نے کم از کم نہیں دیکھا شاید کبھی سامنے آئی ہو گی۔ ایک آدھ بار ایسا ہوا ہو، ہوسکتا ہے۔ جو چیز خوشی سے پکا کر آپ کے سامنے لائی جاتی، خوشی سے کھاتے اور اپنی پسند اور خوشی کا اظہار بھی فرماتے تھے۔ مگر خوراک بہت کم تھی اس لئے پلیٹ رکابی دیکھ کر ہی اثر پڑتا کہ پسند کی چیز تھی پھر بھی کم کھائی ہے۔ میٹھی خستہ ٹکیاں (جن کو اردو میں ''سہال'' اور پنجابی میں ''مٹھّیاں'' کہتے ہیں) آپ کو اپنی والدہ صاحبہ (ہماری دادی صاحبہ مرحومہ کی یاد اور محبت میں پسند تھیں۔ مگر خاص اپنے کھانے کیلئے نہیں بلکہ بچوں کیلئے حضرت والدہ صاحبہ سے فرماتے تھے کہ ''وہ بنا رکھا کرو۔ ہماری والدہ ضرور ہمارے لئے بنا کر رکھا کرتی تھیں۔ جب ہمیں بھوک لگتی ہم لے لیا کرتے۔''

(الفضل ۵۲-۵-۲۹)

## ایک روایت---- ایک امانت

حضرت سیدہ بیگم صاحبہ کو خدا تعالیٰ نے غیر معمولی حافظے اور مشاہدے کی صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں چنانچہ مارچ ۱۹۶۴ء میں آپ اپنے بچپن کی ایک اہم یاد داشت تحریر فرماتی ہیں:

''اس کو احتیاط کا پہلو مدنظر رکھنا سمجھیں یا میری کمزوری بوجہ حالات جانیں- بہرحال یہ روایت تحریر کر رہی ہوں- کبھی اب آ کر ایک آدھ بار کسی عزیز کو سنانے کے علاوہ زبان پر نہیں آ سکی- چند سال ہوئے ایک کاپی میں نوٹ کر لی تھی کہ زندگی کا اعتبار نہیں میرے ساتھ ہی رخصت نہ ہو جائے- اول ایام میں حضرت مسیح موعود کی حیات میں اور پھر حضرت خلیفہ اول کی حیات میں، تو زبان سے یہ بات نکل ہی نہیں سکتی تھی- دل ہی گوارا نہ کرسکتا تھا- پھر حالات بگڑے، جو سب پر روشن ہیں کس قدر الزام لگتے تھے- حضرت اماں جان پر اور خود حضرت سیدنا خلیفۃ المسیح پر کہ خلافت کے خواہاں ہیں، غرض کیا کیا اتہام نہیں تراشے گئے- کیسی کیسی بدگمانیوں میں زبان اور قلم کے تیر اس قطعی بے گناہ وجود پر نہیں چلائے گئے- انہی وجوہات کی بنا پر میں نہ تو لکھ سکی یہ بات اور نہ ہی زبان پر لاسکی- اب ایسی عمر ہے کہ کسی وقت بلاوا آ جائے تو آج خلافت ثانیہ کے ۵۰ سال کے بعد یہ امانت جماعت کے سامنے حاضر کرتی ہوں-

انجمن کا قیام ہو رہا تھا ان دنوں کا ذکر ہے کہ باہر کوئی میٹنگ انجمن کے انتخاب کی یا مقرر شدہ لوگوں کی قوانین وغیرہ کے متعلق ہو رہی تھی- شاید انجمن بن رہی تھی یا بن چکی تھی- یہ مجھے علم نہیں نہ ٹھیک یاد ہے- حضرت سیدنا بڑے بھائی صاحب باہر سے آ کر آپ کو رپوٹ کرتے اور باتیں بتا کر جاتے آپ حضرت اماں جان والے صحن میں ٹہل رہے تھے جب حضرت سیدنا بھائی آخری بار کچھ باتیں کرکے باہر چلے گئے تو آپ دارالبرکات کے صحن کی جانب وہاں سے حجرہ میں جانے کے دروازہ کی جانب اترنے والی سیڑھی کے پاس کھڑے ہو گئے حضرت اماں جان پہلے سے وہاں کھڑی

تھیں- میں حضرت مسیح موعود کے پیچھے ساتھ چلی آئی تھی اور پیچھے کھڑی ہو گئی تھی- آپ کی پیٹھ کی جانب بالکل قریب، اس وقت آپ جیسے سیدھے کھڑے تھے- اسی طرح بغیر گردن موڑے کلام کیا- مگر بظاہر حضرت اماں جان سے ہی مخاطب معلوم ہوتے تھے فرمایا:- ''کبھی تو ہمارا دل چاہتا ہے کہ محمود کی خلافت کی بابت ان لوگوں کو بتا دیں---- پھر میں سوچتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء اپنے وقت پر خود ہی ظاہر ہو جائے گا-''

اسی ترتیب سے پہلے فقرہ میں ''ہمارا'' کہا اور دوسرے میں ''میں'' فرمایا اور غیر محسوس سے وقفہ سے یہ دوسرا فقرہ ادا فرمایا- مجھے قسم ہے اپنے مالک و خالق ازلی و ابدی خدا کی جس کے حضور میں نے، بھی اور سب نے حاضر ہونا ہے اور وہی میرا شاہد ہے- میرا حاضر و ناظر خدا جس کے پاس اب میرے جانے کا وقت قریب ہے کہ یہ سچ اور بالکل حق ہے کہ ان الفاظ میں ذرا فرق نہیں- مجھے ایک ایک لفظ ٹھیک یاد رہا اور ایسا کچھ خداتعالیٰ کے تصرف سے میرے دماغ پر نقش ہوا اور دل پر لکھا گیا کہ میں بھول نہ سکی اس وقت بھی وہاں آپ کا کھڑا ہونا پیش نظر ہے- آپ کی آواز اسی طرح کانوں میں آ رہی ہے- اس طرح میری چشم تصور آپ کو دیکھ رہی ہے جیسے آج کی، بلکہ ابھی کی بات ہو-

پہلے یہ بھی مجھے خیال رہتا تھا کہ آپ کے ساتھ پیچھے جو چلی آئی تو شاید آپ کو علم نہ ہو کہ میں سن رہی ہوں- مگر ممکن ہے اور بہت ممکن ہے کہ آپ نے میری آہٹ پالی ہو- میری چاپ پہچان لی ہو- کیونکہ اکثر آپ کے ساتھ ساتھ چل پڑا کرتی تھی اور یوں بھی میں قریباً آپ کی پشت مبارک کے ساتھ ہی تو لگی کھڑی تھی- آپ کی آواز یہ الفاظ یہ دونوں مندرجہ بالا فقرے بولتے ہوئے سرسری سی نہ تھی بلکہ بڑے ٹھہراؤ بڑے وقار و سنجیدگی سے آپ نے یہ بات کی- اور خصوصاً دوسرا فقرہ جب آپ نے بولا تو معلوم ہوتا تھا بہت دور کہیں دیکھ کر ایک عجیب سے رنگ میں یہ الفاظ آپ کے منہ سے نکل رہے ہیں- اس طرح آپ نے یہ فقرے ادا کئے جیسے اپنے آپ سے کوئی بات کر رہا ہو مگر ویسے میں یہ ہی سمجھ رہی تھی کہ حضرت اماں جان سے آپ مخاطب ہیں-

اس بات کی بناء پر مجھے ہمیشہ سے یقین رہا اور ہے کہ خلافت محمود کے متعلق آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے علم ہو چکا تھا۔ والسلام

مبارکہ

(الفضل ۱۹ مارچ ۱۹۶۴ء)

اس روایت سے جہاں آپ کے غیر معمولی حافظے اور مشاہدے کا پتا چلتا ہے وہاں آپ کی فہم و فراست کا بھی پتا چلتا ہے کہ چند معترضین جن کا نفاق حضرت خلیفہ اول اور حضرت مصلح موعود کے زمانے میں کھل کر سامنے آیا یہ لوگ حضرت مسیح موعود کی زندگی میں بھی ٹیڑھی سوچ کے حامل تھے۔ چنانچہ انجمن کے قیام یا طریق کار پر حضرت مولوی نور الدین صاحب اور نواب محمد علی خان صاحب وغیرہم کے ساتھ بات بات پر اختلاف کرتے رہے اس کی رپورٹ حضرت مسیح موعود کو سیدنا محمود دے رہے تھے جو ضروری تھی۔ حضرت سیدہ جو اس وقت ۸-۹ سال کی تھیں سب اونچ نیچ کو سمجھ رہی تھیں نہ اس وقت کسی کے سامنے ان باتوں کا اظہار کیا اور نہ بعد میں۔ چنانچہ ۱۹۶۴ء میں جبکہ حضرت مصلح موعود بیمار تھے آپ اس بات کو ایک امانت کے طور پر جماعت کو عطا کرتی ہیں اور پھر آپ کی والہانہ محبت کا پتہ چلتا ہے کہ کس طرح آپ حضرت مسیح موعود کے ساتھ ساتھ رہتی تھیں۔

حضرت مسیح موعود کی بیماری اور وفات کے بارے میں بتاتی ہیں:

''اس جدائی کی شب آپ نے عشاء گھر میں باجماعت ادا کی تھی وہ آخری نماز تھی جو میں نے آپ کے پیچھے آپ کے قریب پڑھی میں پہلے بھی بیان کر چکی ہوں کہ میرا پلنگ آپ کے قریب ہوتا تھا، کمرے میں اتنا قریب کہ بس گزرنے کو جگہ ہوتی۔ لاہور میں صحن میں بھی اسی طرح بالکل قریب تھا۔ میری آنکھ حضرت اماں جان کی سخت کرب میں دعائیں اور یاحیی یا قیوم کی آواز سے کھلی، ابھی آپ باہر ہی تھے پھر تو ایک قیامت کا حال لگتا تھا مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں۔ آپ

کو اندر لے آئے- بستر پر آپ لیٹے تھے- اردگرد ڈاکٹر یعقوب بیگ وغیرہ سب احمدی حضرت خلیفۃ المسیح الاول بھی سر جھکائے کھڑے تھے اپنی جانب سے تدبیریں ہو رہی تھیں مگر ضعف بڑھتا جا رہا تھا- حضرت اماں جان نے اسی گھبراہٹ میں نور محمد ملازم کو دوڑا کر میرے میاں نواب صاحب (میرا نکاح ہو چکا تھا رخصتانہ آپ کی وفات کے بعد ہوا) کو بھی بلوایا تھا اس وقت کوئی ہوش نہ تھا- میں سر پر چادر لے کر کبھی اندر جاتی کبھی باہر آتی- حضرت بڑے بھائی صاحب بھی کسی کو بلانے یا کسی کام کو گئے ہوئے تھے، جلدی ہی پہنچ گئے، مگر ضعف بڑھ رہا تھا اب آپ بول بھی نہیں سکتے تھے کچھ کہنا چاہا تھا غالباً مگر کہا نہ گیا تھا-

حضرت بڑے بھائی صاحب خلیفۃ المسیح الثانی رو رو کر دعائیں کر رہے تھے اور حضرت اماں جان بھی، میں نے حضرت بھائی صاحب کو یہ کہتے سنا، اس کرب میں کہ میں دنیا سے چلا جاؤں مگر یہ مفید وجود رہ جائے- آخر لوگوں کی گردنیں جھک گئیں سب رونے لگے- حضرت خلیفہ اول کی تو گویا کمر ٹوٹ گئی تھی- باہر آ کر چار پائی پر جھک کر بیٹھ گئے- چہرہ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ جیسے اس غمگین شخص کا سب کچھ لُٹ گیا ہو- میں بھاگ کر اندر چلی گئی- حضرت بڑے بھائی میرے بہت پیارے بھائی نے میری گردن میں ہاتھ ڈال کر میرا سر جھکایا کہ آپ کو خدا نے بلا لیا اب پیشانی پر بوسہ دو- میں نے بوسہ دیا ورنہ جھجکتی رہ جاتی- پیارے بھائی کا یہ بھی مجھ پر بڑا احسان ہے- پھر جس جوش سے انہوں نے آپ کے بستر کے پاس پائینتی کھڑے ہو کر دعائیں اور عہد کئے ہیں وہ ہمیشہ نقش رہیں گے جن کو میں نے نظم کیا ہے- چند الفاظ میں صرف

میں کروں گا عمر بھر تکمیل تیرے کام کی
میں تیری تبلیغ پھیلا دوں گا برِرُوئے زمین

وہ درد میں ڈوبی آواز، وہ عزم، وہ شاندار لہجہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یکدم اللہ کی تقدیر وارد ہو جانے کے بعد غم کو ضبط کر رہے ہیں اور خدمت دین اور احمدیت کی تبلیغ

وغیرہ سب ذمہ داریاں اپنے ذمہ لینے کا عہد کر لیا- ایسے بھی الفاظ بولے تھے کہ کوئی ساتھ نہ دے میں اکیلا بھی ہوں جب بھی تیرے ہی کام میں زندگی گزار دوں گا وغیرہ-

حضرت اماں جان اسی پلنگ پر بیٹھی رہی تھیں جب تک غسل وغیرہ کی تیاری کی وجہ سے اٹھنا نہ پڑا-

ایک بات کو حضرت اماں جان کی تو حضرت منجھلے بھائی صاحب لکھ چکے ہیں آپ نے فرمایا تھا، اُس دعاؤں کے وقت

''کہ اے خدا! انہوں نے تو ہمیں چھوڑ دیا مگر تو کبھی ہم کو نہ چھوڑنا-''

(ذکر حبیب، الفضل، جلسہ سالانہ نمبر ۱۹۶۸)

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے متعلق آپ کی بیٹی مکرمہ آپا محمودہ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں ''حضرت مسیح موعود کے وصال کے وقت امی جان کی عمر صرف ۱۱ سال تھی ان کو سننے اور دیکھنے والے کو حیرت ہوتی تھی کہ اتنی چھوٹی سی عمر میں اتنی باتیں کس طرح یاد رکھیں- یہ صرف اس لیے تھا کہ ان کو حضرت مسیح موعود سے صرف باپ ہونے کی حیثیت سے ہی بے انتہا محبت نہ تھی بلکہ ان کا جو مقام اللہ تعالیٰ کے نزدیک تھا اس سے عشق تھا اور اس مقام کی پہچان تھی- یہ بھی ان پر خدا تعالیٰ کا خاص فضل تھا- یوں معلوم ہوتا کہ آپ کے ہر فعل ہر بات کو غور سے دیکھتی اور سنتی تھیں اور پھر حافظے میں محفوظ کر لیتی تھیں اس عشق اور محبت کی وجہ سے ہماری جماعت کو بہت سی روایات نصیب ہوئیں- ورنہ اتنی چھوٹی عمر میں کس کو یاد رہتا ہے- حضرت مسیح موعود کو اکثر خواب میں دیکھتی تھیں- جیسا کہ ان کی تقریروں اور مضامین میں کئی جگہ ذکر ہے- حضرت مسیح موعود کو خواب میں دیکھ کر بہت خوش ہوتی تھیں-

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۳۷)

حضرت مسیح موعود سے غایت درجہ کی محبت کی وجہ سے آپ نے حضور کے فارسی کلام میں سے دو نظموں کا اردو ترجمہ کیا تاکہ فارسی سے نابلد بھی اس کلام سے مستفیض

ہوں مثلاً حضور کی نظم ۔

اے محبت عجب آثار نمایاں کر دی
زخم و مرہم، برہ یار تو یکساں کر دی

آپ کا ترجمہ:

اے محبت کیا اثر تو نے نمایاں کر دیا
زخم اور مرہم کو رہ جاناں میں یکساں کر دیا
وہ مسیحا جس کو سنتے تھے ''فلک پر ہے مقیم''
لطف ہے اس خاک سے تو نے نمایاں کر دیا

(درعدن صفحہ ۳۳، ۳۴)

حضور کی دوسری فارسی نظم ۔

اے خداوند من گنا ہم بخش
سوئے درگاہ خویش راہم بخش

آپ نے ترجمہ کیا جس کو اس قدر قبولیت عامہ ملی کہ ہر جگہ یہ نظم پڑھی جانے لگی ۔

مولا مرے، قدیر مرے، کبریا مرے
پیارے مرے، حبیب مرے، دلربا مرے
بار گنہ بلا ہے مرے سر سے ٹال دو
جس رہ سے تم ملو مجھے اس رہ پر ڈال دو
اِک نور خاص میرے دل و جاں کو بخش دو
مرے گناہ ظاہر و پنہاں کو بخش دو

(درعدن صفحہ ۳۵)

# حضرت اماں جان سے عقیدت مندانہ محبت

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے حالات زندگی کے سلسلہ میں اگر آپ کی والدہ حضرت اماں جان حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم کا ذکر نہ کیا جائے تو یہ مضمون تشنہ رہ جائے گا- وہ وجود جس کی گود میں آپ نے پرورش پائی، جس کی تربیت حاصل کی کوئی معمولی وجود نہ تھا- یہ وہ پاک امانت تھی جو حضرت مسیح موعود کے لئے مقدر کی گئی تھی- اور اس کے ذریعے ایک نئے خاندان کا وجود میں آنا مقدر تھا جس کے بطن سے مصلح موعود نے جنم لیا-

یہاں مختصراً پڑھیئے کیونکہ حضرت سیدہ اماں جان پر ایک بھرپور جامع کتاب الگ تحریر کر رہی ہوں-

اس مبارک وجود کے لئے حضرت مسیح موعود نے جو مصرعہ تحریر فرما دیا وہی ایسا جامع ہے کہ اس سے بڑھ کر تعریف نہیں ہوسکتی- یعنی

''چن لیا تو نے مجھے اپنے مسیحا کے لئے''

اللہ تعالیٰ کا کسی کو چن لینا کیا چیز ہے- اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس محسن و رحمٰن خدا نے کیا کیا جوہر اس روح میں رکھ دیئے ہوں گے- جس کو اس نے اپنے مسیحا کے لئے تخلیق کیا- میں ان کی تعریف اس لئے نہیں کروں گی کہ وہ میری والدہ ہیں- بلکہ اس نظر سے کہ وہ فی زمانہ (احمدیوں) کی ''ماں'' ہیں- اور خدا کو حاضر و ناظر جان کر اس امر کی گواہی ہمیشہ دوں گی کہ وہ اس منصب کے قابل ہیں- خدا نے میری والدہ پر یہ فضل و احسان فرمایا کہ ان کو اپنے مسیحا کے لئے چن لیا- مگر انہوں نے بھی خدا کی ہی نصرت کے ساتھ دکھا دیا کہ وہ اس کی اہل ہیں- اور اس انعام اور احسانِ خداوندی

کی بے قدری و ناشکری ان سے کبھی ظہور میں نہیں آئی اور خدا کا شکر ہے کہ یہ بارانِ رحمت بے جگہ نہیں برسا بلکہ بارآور زمین اس سے فیضیاب ہوئی۔

حضرت مسیح موعود کے زمانہ تک بے شک ہمارے دلوں پر آپ کی شفقت کا اثر، والدہ صاحبہ سے زیادہ تھا۔ مگر آپ کے بعد آپ کو دنیا کی بہترین شفیق ماں پایا اور آج تک وہ شفقت ومحبت روز افزوں ثابت ہو رہی ہے۔ ہمیشہ آپ کی کوشش رہی ہے خصوصاً لڑکیوں کے لئے کہ ان کے مہربان باپ کی کمی کو پورا فرماتی رہیں۔ یہ تڑپ اس لیے بھی رہی کہ دراصل آپ کو حضرت اقدس کی ہم پر مہر ومحبت وشفقت کا خوب اندازہ تھا۔

مجھے آپ کا سختی کرنا کبھی یاد نہیں۔ پھر بھی آپ کا ایک خاص رعب تھا اور ہم بہ نسبت آپ کے حضرت مسیح موعود سے دنیا کے عام قاعدہ کے خلاف بہت زیادہ بے تکلف تھے اور مجھے یاد ہے کہ حضور اقدس کے حضرت والدہ صاحبہ کی بیحد قدر ومحبت کرنے کی وجہ سے آپ کی قدر میرے دل میں بھی بڑھا کرتی تھی۔

(الفضل، ۲۵-اپریل ۱۹۵۲ء)

حضرت اماں جان کے متعلق حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے ایک مبشر خواب بیان فرمایا:

''حضرت اماں جان کی بلندئ درجات پر یقین، بے شک ہر احمدی کے لئے داخل ایمان ہے۔ مگر اس خواب نے مجھے اس قدر مسرور کیا کہ دل چاہا کہ اس کو سپرد قلم کر کے سبھی بہن بھائیوں تک پہنچا سکوں تو خوب ہے۔

کل شب جمعہ کو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک دیوار پر ایک بچہ کی تصویر لگی ہے۔ جس کے اردگرد اور بھی دو تین بچوں کی تصاویر ہیں۔ میں اس تصویر کو دیکھ کر پہچانتی ہوں اور کہتی ہوں کہ یہ تو بالکل میرے بھائی مبارک احمد (مرحوم) کی تصویر معلوم ہوتی ہے۔ میرے دیکھتے دیکھتے وہ تصویر زندہ بچہ بن کر دیوار سے اتر آتی ہے اور

مبارک احمد میرے سامنے آ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کو مل کر مجھے بہت خوشی محسوس ہو رہی ہے۔ مگر پہلی بات میں اس سے یہی کرتی ہوں ''تم اماں جان کے پاس رہتے ہو؟'' مبارک احمد جواب دیتا ہے کہ ''ابھی تو مجھے وہاں بلوایا نہیں گیا۔'' میں پھر دوسرا سوال کرتی ہوں کہ ''آخر تم وہاں سے آئے ہو، تم کو پتہ ہو گا، بتلاؤ کیا اماں جان کی ملاقات رسول کریمﷺ سے ہو گئی ہے؟'' اس پر وہ جواب دیتا ہے کہ وہ تو وہاں ہی رہتی ہیں ان کے پاس۔'' میں پھر پوچھتی ہوں کہ ''کیا اسی محل میں'' مبارک احمد بڑے زور سے کہتا ہے۔ ''محل کیا بلکہ ایک ہی کمرہ میں'' یہ سن کر ایک خوشی کی لہر میرے بدن میں دوڑ جاتی ہے اور میرے دل میں خیال آتا کہ حضرت مسیح موعود کے ساتھ حضرت اماں جان حضرت رسول کریمﷺ کے کمرہ میں رہتی ہوں گی۔ میں اب کچھ نہیں بولتی۔ مگر مبارک احمد بچوں کے انداز میں بڑے جوش اور خوشی کے ساتھ کہتا ہے کہ وہ جگہ تو بس عجیب ہی چیز ہے۔ بس کچھ نہ پوچھو وہ ایسی جگہ ہے، محل تو ایسا ہے کہ جیسے ایک موتی سے بنا ہوا ہے۔ وہ تعریفی کلمات خوش ہو ہو کر کہہ رہا ہے اور میری یہ حالت کہ شدت جذبات سے بولا نہ جاتا تھا کہ اسی میں آنکھ کھل گئی۔

اللھم صل علی محمد و علی ال محمد

(الفضل ۳ -فروری ۱۹۵۳ء)

''حضرت سیدہ چھوٹی آپا صاحبہ فرماتی ہیں کہ عاجزہ کے نزدیک اس خواب میں خلافت ثالثہ کی طرف بھی اشارہ ہے۔ مریم صدیقہ''

آپ کو حضرت اماں جان سے حد درجہ محبت تھی ان کو شعائر اللہ میں سے مانتی تھیں۔

آپ کی بیٹی صاحبزادی آپا محمودہ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں۔ حضرت اماں جان سے بے انتہا محبت تھی اور حضرت اماں جان کو ان سے۔ مجھے یاد ہے جب ہم مالیرکوٹلہ میں تھے جب بھی اماں جان کی بیماری کی اطلاع ملتی خواہ معمولی ہو۔ امی تڑپ اٹھتی تھیں۔

فوراً قادیان کیلئے روانہ ہو جاتیں- ایک بار قادیان میں بھی حضرت اماں جان بہت بیمار ہو گئیں- جس وقت سنا بہت گھبرا گئیں، برقعہ پہنا، جہاں تک مجھے یاد ہے پیدل ہی دارالمسیح کی طرف چل پڑیں- ہم لوگ بھی پیچھے پیچھے پہنچے تو امی جان کی عجیب حالت دیکھی دونوں ہاتھوں سے کمر پکڑی ہوئی تھی کبھی اندر جاتی تھیں کبھی باہر- نماز میں تڑپ تڑپ کر دعائیں کرتی تھیں- جب تک تسلی بخش حالت نہ ہوگئی دن رات وہیں رہیں- حضرت اماں جان کو بھی بیٹیوں سے بے انتہا محبت تھی ان کے لئے ہمیشہ ایک خاص کمرہ ٹھیک کروا کے رکھتیں کہ جب آئیں یہاں ٹھہریں- ان کو کوئی تکلیف نہ ہو- کھانے کا خاص اہتمام کرتیں- ہمیں بچپن میں انتظار ہوتا تھا کہ امی جان قادیان سے آئیں گی تو بہت سی چیزیں لائیں گی- امی جان کے ساتھ بہت سے تھیلوں، کنستروں اور ٹوکروں کا ایک انبار اترتا- سب اماں جان نے ساتھ کئے ہوتے- خاص طور پر حلوہ سوہن، ابا میاں کے لئے اپنے ہاتھ سے بنا کر بھیجتیں اور جب کبھی اماں جان مالیر کوٹلہ آتیں تو بس ہم سب کی عید ہو جاتی امی جان خوشی خوشی پھر رہی ہوتیں- ابا میاں بھی حضرت اماں جان کا بے حد ادب اور احترام کرتے- کبھی نظر اٹھا کر بات نہیں کرتے تھے- ان کی آسائش کا خاص خیال رکھتے- امی جان حضرت اماں جان کی آخری بیماری میں تمام وقت پاس رہیں- وفات کا دل پر بہت اثر لیا- ہر وقت اداس رہتیں یا دعائیں کرتیں- حضرت مسیح موعود کے ساتھ رشتہ کی ایک کڑی تھی جو ٹوٹ گئی- کوئی معمولی ماں تو نہیں تھیں- لاہور واپس جانے لگیں تو بہت روئیں- میں ان کے ساتھ لاہور گئی تاکہ ذرا دل بہل جائے تنہائی میں اور نہ گھبرائیں لیکن وہاں بھی بہت اداس رہتیں-

(مصباح دسمبر ۷۷ جنوری ۷۸ صفحہ ۳۷،۳۸)

آپ کی چھوٹی صاحبزادی آصفہ بیگم (بے بی) تحریر کرتی ہیں ''حضرت اماں جان تو ماں تھیں ماں بیٹی میں جو پیار محبت ہونا چاہیے وہ تو تھا، یہی حال میرے ابا میاں کا تھا- ہم میں سے کسی کی مجال نہیں تھی کہ حضرت اماں جان کے کسی حکم سے سرتابی

کریں- حالانکہ حضرت اماں جان بذات خود بہت نرم مزاج تھیں اس سے فائدہ اٹھا کر ہم لوگ لاڈ میں آ کر ایسی ویسی حرکتیں کر جاتے تھے- مثلا سوتے سوتے جگا کر کہہ دینا کہ اماں جان چلغوزے دیں یا کوئی اور کھانے کی چیز مانگتے اور اماں جان بغیر برا مانے چپکے سے اٹھتیں اور بیت الدعا سے گزرتی ہوئی پچھلے کمرے میں جا کر جو بطور سٹور تھا ہمیں چیزیں دیتیں اور پھر سو جاتیں مگر ان کا کہنا ٹالنا ہمارے بس کی بات نہ تھی-

صاحبزادی امتہ الشکور (شکری صاحبہ) کہتی ہیں:

آنحضرتﷺ بہت محبت تھی آنحضرتﷺ کا ذکر بے حد محبت سے کرتیں کبھی کوئی حدیث سناتیں کبھی کوئی تاریخی واقعہ اور آنحضورﷺ کے اسوہ پر چلنے کی پوری کوشش کرتیں-

حضرت مسیح موعود اور حضرت اماں جان سے عشق تھا اکثر اوقات باتیں کرتے کرتے آپ دونوں کا ذکرضرور آتا اس قدر کامل ایمان آپ کو حضرت مسیح موعود پر تھا اور اتنا ہی یقین حضرت اماں جان پر تھا گویا آپ کی شخصیت حضرت صاحب کا ہی دوسرا عکس تھی-

بڑی امی نے کوئی بات سمجھانی ہوتی تو ہمیشہ حضرت اماں جان کا حوالہ دیکر بات کرتیں- مثلاً ایک بار میں بچوں کو کھیل کود میں کپڑے گندے کرنے پر ڈانٹ رہی تھی- تو بڑی امی نے مجھے ٹوکا کہ کھیلنے دو اماں جان تو کہا کرتی تھیں- خاص طور پر لڑکوں کے بارے میں کہ "پھکے گھٹا ہوئے کٹا" یعنی دھول پھانک کر ہی بچے مضبوط بنتے ہیں- زندگی کی معمولی باتوں میں حضرت اماں جان کی کوئی نصیحت کوئی اصول کوئی مقولہ سنا دیا کرتیں- اوریا پھر اپنے بچپن کے حوالے سے حضرت مسیح موعود کی کہی ہوئی کوئی نہ کوئی بات بتایا کرتیں اور یہ بات تو سبھی جانتے ہیں کہ زیادہ ذکر آدمی اسی کا کرتا ہے جس سے سب سے زیادہ محبت وعقیدت ہو-

# خلفاء سے عقیدت

## حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سے عقیدت ومحبت

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے دل میں مقام خلافت کیلئے حد درجہ احترام تھا حضرت صاحبزادی آپا ناصرہ بیگم صاحبہ بیگم صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب فرماتی ہیں ’’پھوپھی جان کے دل میں خلافت کا بہت زیادہ احترام تھا۔ خلافت کے مقام کے لحاظ سے جیسا احترام حضرت مصلح موعود کا تھا ویسا ہی حضرت خلیفہ اول کا، اس مقام کے لحاظ سے احترام میں ذرہ بھی فرق نہیں دیکھا۔ اسی طرح حضرت بھائی جان کا، مقام خلافت پر متمکن ہونے پر یہی نظارہ دیکھا۔ (ذاتی تحریر)

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کو حضرت خلیفۃ المسیح الاول سے نہایت درجہ محبت اور عقیدت تھی چنانچہ آپ کی صاحبزادی مکرمہ آپا محمودہ بیگم صاحبہ کہتی ہیں کہ ’’بچپن سے لے کر اب تک آپ کا ذکر اور اس زمانے کی باتیں اس پیار بھرے لہجے اور انداز میں بتاتیں کہ معلوم ہوتا تھا روئیں روئیں سے ان کے لیے عقیدت اور محبت پھوٹ رہی ہے۔ جب آپ حضرت خلیفہ اول کا اپنے ساتھ، ابا میاں اور حضرت مسیح موعود کی تمام اولاد کے ساتھ نہ صرف مشفقانہ بلکہ ادب سے بھرپور سلوک، کے حالات بتاتیں، تو اس عاشقِ صادق اور عظیم الشان انسان کے لیے، ہمارے دل محبت سے بھر جاتے۔ بچپن سے ہمیں حضرت مسیح موعود اور حضرت خلیفہ اول کے زمانے کے چھوٹے بڑے سب حالات بتایا کرتیں کہ اگر لکھے جاتے تو دفتر بھر جاتے۔ حضرت مسیح موعود کو حضرت خلیفہ اول سے بے اندازہ محبت اور حضرت خلیفہ اول کا حضور سے بے پناہ عشق

کہ دل پکار اٹھتا کاش ہم بھی وہ زمانہ دیکھتے (پھر خدا کا شکر کرتے ہیں کہ خدا نے ہمیں بھی بے حد شاندار زمانہ دکھایا ہے) فرمایا کرتیں تھیں کہ کسی کی چغلی کرنے کی حضرت مسیح موعود کی طرف سے سخت ممانعت تھی اور اس بات کو بہت ناپسند فرماتے تھے۔ لیکن میں چونکہ بچپن سے ہی حضرت خلیفہ اول سے بہت مانوس تھی ہر وقت ان کے گھر آنا جانا رہتا تھا۔ مجھے صرف حضرت خلیفہ اول کے متعلق اجازت تھی کہ (حضرت) مولوی صاحب کو کوئی تکلیف گھر میں یا کسی اور سے پہنچی ہو ان کا اچھی طرح خیال نہ رکھا جاتا ہو تو مجھے ضرور بتاؤ، آپ کو ان کا بہت خیال رہتا تھا۔

(مصباح دسمبر ۷۷ جنوری ۷۸)

حضرت مسیح موعود کو آپ کی ایک ایک بات کی فکر رہتی تھی۔ جب آپ کی دوسری شادی ہوئی تو حضرت سیدہ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں ''مجھے اُن کے گھر بھیج کر اندر کی ایک ایک بات معلوم کرواتے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کو اماں جی یعنی حضرت خلیفہ اول کی بیگم کی وفات پر بیگم صاحبہ نے خط لکھا جس میں ذکر فرمایا ''بچپن کے سارے زمانے اور ان بزرگوں کے قدیم حالات کے نقشے آنکھوں میں پھر رہے ہیں۔ مجھے حضرت مسیح موعود کی طرف سے ہر روز صبح حضرت خلیفہ اول کا حال اور خیریت بتانے کا خاص حکم تھا اور حضرت مسیح موعود ہر روز پوچھتے تھے کہ مولوی صاحب کو ناشتہ ٹھیک ملا تھا یا نہیں۔ صغریٰ (یعنی اماں جی) نے کسی بات میں ستایا تو نہیں۔ گھر میں کوئی شکایت تو پیدا نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت مسیح موعود کو حضرت خلیفہ اول سے محبت تھی اور ان کے آرام کا خاص خیال رہتا تھا، اور اس بات کا حضرت خلیفہ اول اور اماں جی دونوں کو علم تھا کہ حضرت مسیح موعود مجھ سے روزانہ پوچھتے ہیں اور میں بتاتی ہوں اسی بنا پر حضرت خلیفہ اول بھی گویا باقاعدہ رپورٹ دیا کرتے تھے اور کبھی کبھی محبت اور بے تکلفی کے رنگ میں شکایت بھی کر دیتے تھے۔ مگر یہ خدا کی بندی (حضرت اماں جی) ذرہ بھر بُرا نہ مانتیں بلکہ بعض اوقات خود کہہ دیا کرتیں کہ آج مجھ سے فلاں غلطی ہو

گئی ہے۔ کبھی ایک دفعہ بھی میری طرف، اس ڈیوٹی کے ادا کرنے پر بُری آنکھ سے نہیں دیکھا اسی طرح آگے پیچھے بھی بے حد محبت سے پیش آتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

حضرت اماں جان کا، اماں جی سے ہنسنا بولنا چھیڑنا بہت یاد آتا ہے اور میری آنکھوں کے سامنے گویا ایک تصور بن جاتا رہا ہے۔ ایک دفعہ حضرت خلیفہ اول کی وفات کے بعد حضرت اماں جان نے اپنی قلبی کیفیت کا ان مختصر الفاظ میں ذکر کیا کہ دل کو چین نہیں آتا زندگی کا مزہ نہیں رہا اور اس وقت حضرت اماں جان نے ایک شعر بھی پڑھا جس سے مراد یہ تھی کہ حضرت مسیح موعود کی وفات کے بعد یہ پہلا صدمہ ہے اور معلوم نہیں آگے چل کر کیا کیا حالات اور کیا کیا صدمات پیش آتے ہیں---- مبارکہ

(تاریخ لجنہ جلد دوم صفحہ ۳۹۴،۳۹۳)

حضرت سیدہ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں ''میرا بچپن ان کی (حضرت خلیفۃ المسیح الاول) کی گود میں کھیل کر گزرا اور بچپن سے ان سے پڑھنا شروع کیا روز کا آنا جانا تھا۔ گویا ایک ہی گھر تھا---- بلا مبالغہ قریباً روز ہی بڑے پیار سے فرماتے کہ ''یہ اولاد اور یہ عبدالحی جو میری بڑھاپے کی نرینہ اولاد ہے یہ بھی، تم لوگوں سے زیادہ مجھے پیارے نہیں'' ہم سب کیلئے مجموعی طور پر بھی ایسے الفاظ استعمال فرماتے اور خصوصیات سے اور اکثر بہت زور دے کر فرماتے کہ ''محمود سے زیادہ یہ اولاد مجھے پیاری نہیں۔'' سالوں تک میں نے اس بات کو بہ تکرار سنا ہے۔ اب تک تو دل پر یہی اثر تھا کہ چونکہ آپ کو حضرت مسیح موعود سے انتہائی عشق تھا تو ان کی اولاد بھی پیاری تھی خصوصاً وہ جوہرِ قابل، جس کو ان کی نگاہِ معرفت پرکھ چکی تھی۔ مگر اب میں سوچتی ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے خاص مقبول بندے تھے، یہ ان کا بیوی بچوں کی گھریلو مجلس میں روزانہ محبت جتلانا بھی، کسی خاص اشارہ کی وجہ سے نہ ہو۔

ضمناً ایک واقعہ بھی یاد آ گیا۔ آپ کے صاحبزادے میاں عبدالسلام مرحوم

چھوٹے تھے۔ میں جب پڑھنے کو روز صبح جاتی تو ان کے لئے جیب میں بادام اخروٹ وغیرہ لے جاتی اور جیسا کہ بچوں کے کھیل ہوتے ہیں، روز ہی ان سے پوچھتی کہ بتاؤ عبدالسلام تم کتنے اخروٹ کے نوکر ہو؟ وہ روز جواب دیتے دو اخروٹ کا نوکر ہوں۔ ایک دن میاں عبدالحی مرحوم نے غصہ سے کہا کہ عبدالسلام نوکر کیوں کہتے ہو؟ تم کوئی نوکر ہو؟ کہہ دو میں نوکر نہیں ہوں۔'' اندر کمرے میں حضرت خلیفہ اول سن رہے تھے۔ نہایت جوش سے کڑک کر فرمایا۔ ''عبدالحی یہ کیا کہا تم نے---؟ یہ نوکر ہے۔'' اور فرمایا ''عبدالسلام اندر آؤ۔'' ہم دونوں اندر گئے۔ فرمایا کہو میرے سامنے ''میں نوکر ہوں'' بچہ نے دہرا دیا۔ اس جذبہ کا اندازہ وہی لگا سکتے ہیں جو حضرت خلیفہ اول کی طبیعت سے واقف ہوں یا آپ کی صحبت میں رہ چکے یا آپ کی سیرت کا مطالعہ کر چکے ہوں۔ وہ کوہ وقار تھے، غیور تھے، خود دار تھے ان کا سر کبھی کسی کے سامنے نہ جھکا تھا۔ جھکا تو اپنے محبوب آقا کے سامنے جھکا اور اس عشقِ کامل کا نتیجہ تھا کہ حضور کی ایک کم عمر لڑکی، جو ان کی شاگرد بھی تھی۔ اس کے لئے بھی اپنے پیارے بچے کا اتنا کہنا ''کہو میں نوکر نہیں ہوں۔'' سخت ناگوار گزرا آپ کا چہرہ مجھے آج تک یاد ہے۔ ایسا اثر تھا کہ صرف غصہ اور ناگواری ہی نہیں بلکہ بہت صدمہ گزرا ہے۔ حالانکہ جیسا وہ والدین کی مانند، بے انتہا لاڈ پیار مجھ سے بے تکلف کرتے تھے۔ ان کا حق تھا وہ بہ آسانی مجھے بھی کہہ سکتے تھے، سمجھا سکتے تھے کہ بچے سے ایسے نہیں کہلواتے ذلیل ہو جاتا ہے۔ عزت نفس نہیں رہتی۔ تم اس کو جو چاہو، ویسے ہی دے دیا کرو۔ اور مجھے بھی آپ کا روکنا ذرا بھی برا نہ معلوم ہوتا۔ کیونکہ ان کی محبت کا پلڑا بہت بھاری تھا۔ مگر انہوں نے اپنے طبعی وقار کے خلاف، صرف اپنے خاص جذبہِ عشق ومحبت کے تحت الٹا بچے سے اپنے سامنے کہلوایا کہ کہو میں نوکر ہوں۔''

(تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۶۱۰، ۶۱۱)

حضرت سیدہ کو حضرت خلیفہ اول سے بہت محبت تھی جس کا اظہار آپ ہمیشہ فرماتیں صاحبزادی امتہ الباسط صاحبہ فرماتی ہیں ''ہم دونوں (یعنی آپا باچھی اور آپ کے

شوہر میر داود احمد صاحب) کبھی کبھی شام کو ان کے یہاں جاتے تھے اور پھوپھی جان سے کہتے کوئی بات بتائیں تو پھوپھی جان ہلکی سی مسکراہٹ لیئے ہوئے پرانے واقعات بیان کرتی تھیں حضرت مسیح موعود کی زندگی کے متعلق اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے اور اسی قسم کے واقعات بیان کرتی تھیں جب وہ بات کرتی تھیں تو ایسا اثر ہوتا تھا کہ گویا ہم بھی اسی زمانے میں بیٹھے ہیں اور سب کچھ ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۲۱)

حضرت خلیفہ اول کا جب بھی ذکر کرتیں تو بے حد محبت اور احترام کے ساتھ مجھے کبھی بھی یاد نہیں کہ ہم گئے ہوں اور حضرت مسیح موعود کے ذکر کے ساتھ ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح الاول کا ذکر نہ ہو۔ کہا کرتی تھی اگر بیمار ہوتی تھی تو حضرت خلیفۃ المسیح الاول کو بلایا کرتی تھی۔ اور آپ بھی سب کام چھوڑ کر فوراً تشریف لاتے، باوجود اس کے کہ آپ خلیفہ تھے، کہتی تھیں مجھے تسلی ہو جاتی تھی دوائیوں کے ساتھ دعا بھی شامل ہو جاتی تھی۔

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۲۴)

حضرت سیدہ بیگم صاحبہ نے بتایا کہ جب ہمارے گھر میں کسی کی طبیعت خراب ہوتی اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول دیکھنے کے لئے آتے یا ملنے کے لئے آتے اور انہیں بیٹھنے کے لئے کرسی پیش کی جاتی مگر وہ عقیدت اور محبت کے جذبات سے چارپائی کے پاس قالین پر بیٹھ جاتے آپ کے دل میں ہم سب کے لئے اتنی محبت اور عقیدت تھی جس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ آپ کے چہرے اور آنکھوں سے احترام و محبت کی شعائیں پھوٹ رہی ہوتی تھیں۔ اپنے بچوں سے بڑھ کر ہمارا خیال رکھتے، کیونکہ آپ کو حضرت اقدس مسیح موعود سے عشق تھا۔ آپ نے سب کچھ اپنے آقا کی محبت میں قربان کر دیا ہوا تھا۔

(مسودہ صفحہ ۹۱)

# حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے محبت

## خلافت کی حفاظت کی ذمہ داری

''۷، ۸ نومبر ۱۹۶۵ء کی درمیانی شب حضرت مصلح موعود کا وصال ہوا اور حضرت مسیح موعود کی، مصلح موعود کے متعلق یہ پیشگوئی پوری ہوئی ''تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا۔''

(اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء)

''حضرت مصلح موعود کا وصال جماعت کیلئے ایک زلزلہ تھا، ہوش و خرد سے بیگانہ لوگ ایک دوسرے کو دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں سوال کرتے تھے اب کیا ہو گا؟ اللہ تعالیٰ اپنی پیاری جماعت کو کبھی ضائع نہیں کرتا، سب کچھ اس کی تقدیر کے مطابق ہونا تھا۔ تا قدرت ثانیہ کا تیسرا مظہر اپنی پوری شان کے ساتھ جلوہ گر ہو۔ لیکن انسانی فطرت کمزور ہے باوجود خدائی وعدوں کے اس وقت غم زدوں کا یہ حال تھا کہ ہر شخص یہ محسوس کر رہا تھا کہ میری کمر ٹوٹ گئی۔ ہر نفس چاہتا تھا کہ کوئی دوسرا اسے تسلی دے، ایسے نازک موقع پر حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے، اس عہدِ مبارک کے گرد کھڑے ہوئے بچوں کو اس وقت کی اہمیت کے پیش نظر دعائیں کرنے اور اپنے فرائض سمجھنے اور حضرت مصلح موعود کے اس عہد کو جو آپ نے حضرت مسیح موعود کی وفات کے موقع پر کیا تھا یاد رکھنے اور خدمت دین کیلئے کمر بستہ رہنے کی تلقین فرمائی۔''

(بیان حضرت سیدہ چھوٹی آپا صاحبہ بحوالہ تاریخ لجنہ جلد چہارم صفحہ ۵۰۷)

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے اس نازک موقع پر جو کردار ادا کیا۔ اس کا احوال آپ کی بیٹی مکرمہ آپا محمودہ بیگم صاحبہ تحریر کرتی ہیں کہ ''گو امی جان حضرت

مصلح موعود کی وفات سے نڈھال تھیں لیکن امی جان نے اس وقت ایسا حوصلہ دکھایا کہ مثال ملنی مشکل ہے سب لوگ مچھلی کی طرح تڑپ رہے تھے کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا- شائد کسی ایک آدھ کی، آواز کے ساتھ سسکی بھی نکل گئی ہو- لیکن اچانک ایک کڑک دار آواز کان میں پڑی، دیکھا کہ امی جان نے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں- حضرت مصلح موعود کے پلنگ کے پاس کھڑی ہیں- کہہ رہی ہیں، سنو خاموش ہو جاؤ، میری بات سنو، مجھے وہ وقت یاد ہے، یہ وہ ہیں، جنہوں نے حضرت مسیح موعود کے جنازے پر کھڑے ہو کر یہ عہد کیا تھا کہ:

''اگر سب میرا ساتھ چھوڑ دیں، میں اکیلا رہ جاؤں تو بھی میں عہد کرتا ہوں کہ اس مشن کو میں پورا کروں گا جس کے لیے آپ بھیجے گئے تھے-''

دیکھو میری آنکھوں نے دیکھا انہوں نے ہر لحاظ سے اس عہد کو پورا کیا- آخر دم تک اس عہد پر قائم رہے دین کی خدمت میں ہی جان دی- اب رونے کا وقت نہیں دعائیں کرو- خدا کے سامنے عہد کرو کہ تم بھی ان کے نقش قدم پر چلو گے اب تم پر یہ ذمہ داری ہے- خدا کی طرف سے- سب مبہوت کھڑے امی جان کی باتیں سن رہے تھے- عجیب ایمان افروز نظارہ تھا- ایسا صبر اور ضبط دکھایا کہ حیرانی ہوتی تھی- یا تو یہ حالت تھی کہ ان کی ذرا سی بھی تکلیف برداشت نہ کرسکتیں سخت بے چین ہو جاتیں- وفات سے کچھ دیر پہلے یہ حالت تھی کہ گر گر پڑتیں، تجربہ کار نظروں نے پہچان لیا تھا کہ آخری وقت آ پہنچا ہے- پھر وفات کے بعد، خدا نے وہ ہمت دی کہ دوسروں کو حوصلہ دلاتیں- دعاؤں کی تلقین کرتیں یہی حالت رہی جب تک خلافت ثالثہ کا انتخاب نہیں ہو گیا- انتخاب کے بعد گھر آ کر نڈھال ہو کر پڑ گئیں- نماز سے فارغ ہوئیں تو آنکھیں سوجی ہوئیں- ان آنکھوں نے حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کی وفات پر جو فتنہ دیکھا تھا اس کا دل پر بے حد اثر تھا لگاتار دعائیں کرتیں اور کرواتیں رہیں- بعد میں یہی کہتیں، خدا

کا شکر ادا کرو، اللہ نے ہر قسم کے فتنہ سے محفوظ رکھا- جماعت کو پھر ایک ہاتھ پر متحد کیا، خلافت کے صحیح مقام کو خوب پہچانتی تھیں-''

(مصباح دسمبر ۷۷ جنوری ۷۸ صفحہ ۳۹،۴۰)

اس وقت کا حال آپا طاہرہ صدیقہ بیگم مرزا منیر احمد صاحب کے الفاظ میں بھی پڑھیے-

''سلسلہ کیلئے بہت غیرت رکھتی تھیں بڑے ماموں جان (حضرت خلیفہ الثانی) کا آخری وقت تھا سارا خاندان جمع تھا اپنے بھی، لاہور سے بھی ایک دو غیر از جماعت ڈاکٹر آئے ہوئے تھے وہ بڑا سخت وقت تھا- دل دھڑک رہے تھے دعائیں سینہ سے ابل رہی تھیں- ماموں جان کی وفات پر سسکیوں، آہوں اور رونے کی آوازیں بلند ہوئیں اس وقت خالہ جان جو اپنے بھائیوں کی عاشق تھیں خاص طور پر بڑے ماموں جان سے بڑی محبت تھی بڑے جوش سے اٹھیں اور بہت بلند آواز سے مخاطب ہوئیں ''اس وقت رونے کا وقت نہیں دعاؤں کا وقت ہے- سب دعاؤں میں لگ جائیں اللہ ہمارے سلسلہ کی حفاظت فرمائے-'' اس وقت جو غیر از جماعت ڈاکٹر تھے وہ بھی خالہ جان کے حوصلے اور الفاظ سے بہت متاثر ہوئے-

(تحریر ذاتی آپا طاہرہ صدیقہ)

اور سب چھوٹے بڑے دعاؤں میں لگ گئے افراد خاندان میں، آپ نے مذکورہ معرکتہ آلارا تقریر کرنے کے بعد، پوری جماعت کے نام ایک اہم پیغام لکھا جس کا ایک ایک فقرہ اور نصیحت، دلوں کو سہارا دینے والی اور خلافت کے ساتھ وفا کرنے والی تھی- آپ نے یہ پیغام حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ کو بھجوایا کہ وہ پڑھ کر حاضرین کو مسجد مبارک میں سنا دیں- چنانچہ ذیل کا اہم پیغام جو تاریخ احمدیت کا ایک عظیم سرمایہ ہے حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ نے ۸ نومبر ۱۹۶۵ء کو مسجد مبارک ربوہ میں نماز عشاء کی ادائیگی کے بعد زخمی دلوں پر مرہم رکھنے کیلئے سنایا-

## ایک پیام---- ہم سب کے نام

اسلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ

آج ہمارا محبوب آقا جو رحمت کا نشان تھا، رحمت بن کر آیا- رحمت بن کر رہا اور عالم کے گوشے گوشے میں، جس کے دوران خلافت میں، اس کی کوشش سے رحمتہ للعالمین کا جھنڈا گاڑا گیا- سلامتی کا پیغام پہنچایا گیا- وہ مصلح موعود خلیفہ ہم سے جدا ہو کر اپنے پیارے اللہ تعالیٰ کے حضور میں سرخرو ہو کر حاضر ہو گیا- انا للہ و انا الیہ راجعون-

ہمارے دل غم سے بھر گئے ہیں- یہ جدائی برداشت سے باہر نظر آتی ہے مگر یہ نازک وقت رونے سے بڑھ کر، دعاؤں کا وقت ہے جماعت احمدیہ کے لیے یہ تیسرا زلزلہ ہے- جو بوجہ کثرتِ جماعت اور قلتِ صحابہ کے جنہوں نے حضرت مسیح موعود---- کا چہرہ دیکھا اور صحبت اٹھائی تھی بہت بڑا ہے- کیونکہ جب زمانہ گزرتا ہے- الٰہی سلسلہ پھیل جاتا ہے- تو بعض کمزوریاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں اور اس وقت تو، ہر وقت کے ناصح خلیفہ کی لمبی علالت بھی، بعض غفلتوں اور کمزوریوں کو، بیمار طبائع میں پیدا کرنے کی وجہ بن گئیں-

اس وقت جبکہ آپ سب کے دل درد مند ہیں اور ایک اہم فیصلہ کا وقت ہے- ہم سب کو اپنا دکھ بھول کر دعا میں لگ جانا چاہیے اور صدق نیت سے اپنی کمزوریوں کا جائزہ لے کر سچا عہد، خدا تعالیٰ سے کرنا چاہیے، کہ ہم اپنے قلوب کو صاف کریں گے اور نیک نمونہ احمدیت کا بننے میں کوشاں رہیں گے- جیسا کہ حضرت مسیح موعود کی خواہش، حضرت خلیفہ اول کی تمنا اور اس ہمارے تازہ زخم جدائی دے جانے والے، موعود خلیفہ کی تڑپ تھی- پس دعا کریں اور بہت دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو پاک کرے جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے- ہم فتنوں سے بچیں- صادق ہوں اور صادقوں کے ساتھ رہیں خلافت سے وابستہ رہیں- ہمیں خدائے رحیم ایسا بننے سے بچائے کہ ہم

شماتت اعدا کا موجب بن جائیں۔

حضرت مسیح موعود کا ایک اندازی الہام ہے۔ انی مھین من اراد اھانتک ، دریدہ دہن مخالف کیلئے اس کا بڑی شان سے پورا ہونا، آپ سب کے علم میں ہے اور بعض افراد کو ذاتی تجربہ بھی ہے، کہ جو حد سے بڑھا، اور آپ کی اہانت کی وہ ذلیل ہوا۔ مگر آپ صرف یہ سوچ کر مطمئن نہ ہوں کہ یہ دشمنان اسلام و احمدیت کے لیے ہی تنبیہ ہے بلکہ ڈریں اس خدائے غالب سے جس کو ہرگز پرواہ نہیں کہ وہ اہانت کرنے والا دشمن ظاہر کے لباس میں ہے یا اپنا ہونے کا دعویٰ رکھتا ہے۔ اگر آپ خدانخواستہ تقویٰ کی راہوں سے دور جا پڑیں یا نفاق و فساد اختیار کیا یا اپنے قول وعمل سے کسی رنگ میں بھی ظاہر کر دیا کہ آپ وہ نہیں جو آپ کو ہونا چاہیے تھا اور آپ کے دل روحانیت سے خالی ہو رہے ہیں۔ آپ کی زبانیں بے لگام ہو رہی ہیں احمدیت یعنی حقیقی اسلام کے نور کا پرتو آپ پر نمایاں پڑاٹ نظر نہیں آ رہا ہے اور زمانہ دیکھتا ہے اور سوچتا ہے کہ یہ لوگ تو وہی نام نہاد مسلمان نظر آ رہے ہیں۔ جس خصوصیت کا دعویٰ تھا وہ کہاں ہے؟ تو آپ یاد رکھیں کہ اسی ذیل میں آ جائیں گے۔ اور اپنے آقا کی اہانت کرنے والے ٹھہریں گے۔ اگر ایسا ہوا، اور خدا نہ کرے کہ ہو تو ہمارا ٹھکانا کہاں ہو گا، کہیں کے نہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی دعاؤں کو نصرت طلب کرنے کی توفیق بخشے اور نیک ارادوں میں استقامت عطا فرمائے۔

اس وقت ایک بہت بڑی چوٹ آپ کو لگی ہے۔ آپ کے دل درد سے بھرے ہوئے اور نرم ہیں اور اس وقت سے فائدہ اٹھائیں اور تڑپ تڑپ کر اپنے مولیٰ کو پکاریں کہ وہی ہمارا حافظ و ناصر ہو جائے۔ ہماری کمزوریوں کو معاف فرمائے ہمارے گناہوں پر ہمارا غفار و ستار خدا ستاری کی چادر ڈال دے اور بخشش سے نوازے۔

اے ہمارے ازلی ابدی خدا بیڑیاں پکڑ کر آ اور ہماری خاص نصرت فرما اپنے دست رحمت کو پھر ہماری جانب بڑھا اور ہم کو اسے مضبوطی سے تھامے رکھنے کی توفیق بخش۔

ہمیں وہ نمونہ بنا جو ہمارے سردار اور ہمارے آقا چاہتے تھے- نیکی اور تقویٰ کے بیج ہمارے دلوں اور گھروں میں ڈال دے اور ناپاکیوں، بداخلاقیوں سے پاک فرما- اے ہمارے قادر و قدیر و مقتدر خدا، قریب و مجیب خدا سمیع و بصیر خدا؟ ہماری دعاؤں کو سن اور ہم کو غلط قدم اٹھانے سے بچا لینا یہ نازک وقت ہم پر آیا ہے- دستگیری فرما- راہ نمائی فرما اور ہم کو مبارک فیصلہ کی توفیق بخش تو ہی بہتر جاننے والا ہے- ربنا اهدنا الصراط المستقيم ربنا انا نعوذ بك من جهد البلا و درك الشقاء و سوء القضاء و شماتة الاعداء- یا اللہ مدد فرما- آمین-

(تاریخ لجنہ جلد چہارم صفحہ ۵۰۷ تا ۵۱۰)

حضرت مصلح موعود کی وفات پر آپ نے اُن کی نذرِ محبت وعقیدت میں، کئی مضامین اور نظمیں لکھیں اپنے ایک مضمون میں لکھتی ہیں ؎

اُن کی خدمت میں خدا نے اسے پہنچایا
جن کو ہر وقت پہنچتا تھا سلامِ محمود

میرے بھائی بہت پیارے بھائی! عمر بھر تو نے سینہ پر تیر سہے- تمہارا نازک محبت اور رافتؑ سے معمور دل، معصوم دل طرح طرح کے الزام سنتا اور برداشت کرتا رہا- تم کو ایک ہی دھن تھی ایک ہی لگن تھی کہ دینِ حق اپنے سچے معنوں میں حقیقی صورت میں دنیا کی نظروں میں آ جائے- محمد ﷺ کا علم جس کو خدائے کریم نے حضرت مسیح موعود کے سپرد کیا تھا ان کے خادم، عالم کے گوشہ گوشہ میں بلند کرتے چلے جائیں- دینِ محمد کے چہرے سے گرد و غبار دھو کر اس کی اصل چاند سی طلعت ہر فرد بشر کو دکھلا دی جائے- حق کا سورج طلوع ہو اور باطل کا اندھیرا بھاگ جائے- تم اپنے کام میں لگے رہے، دشمن حاسد بکتے رہے، وہ اپنا کام کرتے رہے اور تم اپنا کام- تم نے اپنے درد دکھ ہمیشہ پیچھے پھینک دیئے اور دین کا درد اپنے سینہ میں سمیٹے رکھا-

(الفضل، سالانہ نمبر ۱۹- دسمبر ۱۹۶۵ء، صفحہ ۱۰)

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں:

''میں حضرت سیدنا بڑے بھائی صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے خیال میں کھوئی ہوئی تھی، گزری ہوئی یادوں نے تازہ ہوکر تصور میں آ کر مجھے زمانہ ماضی میں پہنچا دیا تھا- دل دردِ فراق سے بے چین و بے قرار ہو رہا تھا کہ خود بخود بغیر کسی شعر کہنے کے ارادے کے، حسبِ ذیل مصرعہ قلب میں گزرا- اس پر چند اشعار ہو گئے جو ارسال ہیں-

مبارک آمدن رفتن مبارک

بشارت دی مسیحا کو خدا نے تمہیں پہنچے گی رحمت کی نشانی
ملے گا ایک فرزند گرامی عطا ہو گی دلوں کو شادمانی
وہ آیا ساتھ لے کر ''فضل'' آیا بصد اکرام شاہِ دو جہانی
مٹا کر اپنی ہستی راہِ حق میں جہاں کو اُس نے بخشی زندگانی
یہی مدِنظر تھا ایک مقصد برائے دینِ احمد جانفشانی
رہی نصرت خدا کی شاملِ حال گزاری زندگی با کامرانی
ہمیں داغِ جدائی آج دے کر ہوا حاضر حضورِ یار جانی
جو اس نے نور بھیجا تھا جہاں میں ہوا واصِل بہ ربِ جاودانی

وہ جس کے قلب و روح و تن مبارک
مبارک آمدن رفتن مبارک

(الفضل، ۱۸- دسمبر ۱۹۶۵ء، صفحہ ۲)

اسی طرح چند اور اشعار ''نذرِ محمود'' کے نام سے کہے ؎

دشمن بنے جو تیرے محبوں کی جان کے
وہ خود ہی اپنی جان سے بیزار ہو گئے
جھنڈا رہا بلند محمد کے دین کا
ذلت جو چاہتے تھے سبھی خوار ہو گئے

(الفضل، جلسہ سالانہ نمبر ۱۹۷۰ء)

مقام محمود کے متعلق رویا فرماتی ہیں:

''ایک شب میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مسیح موعود صحن میں کھڑے ہیں، میں پاس کھڑی ہوں- میں نے منہ اوپر اٹھا کر آپ کے چہرہ کی جانب دیکھا اور سوال کیا کہ ''ابا'' (اسی طرح جیسے بچپن میں مخاطب کرتی تھی) کون سا لڑکا آپ کا وہ خاص نشان ہے؟ (رحمت کا نشان وغیرہ میرے ذہن میں ہے) آپ نے میری طرف سر جھکا کر میری نظروں سے اپنی نظریں ملائیں- ان نظروں کی خاص روشنی، خاص گہرائی، خاص پیار میں کبھی نہیں بھول سکتی- گو یہ میرا خواب پرانا ہے لیکن میں اس وقت بھی وہ سب کچھ دیکھ رہی ہوں- اور سن رہی ہوں اور فرمایا بہت ہی شیریں آواز میں ''کہ سارے ہی اپنے اپنے وقت پر میری دعاؤں سے فیض پائیں گے مگر یہ زمانہ محمود کا زمانہ ہے'' میرے دل نے یقین رکھا اسی وقت سے کہ وہ خاص بیٹا میرے پیارے بھائی محمود ہی ہیں-

(الفضل،۴- اپریل ۱۹۷۰ء)

(نوٹ: اس صفحہ 206 کے اشعار درعدن میں شامل نہیں ہیں)

# حضرت خلیفۃ المسیح الثالث سے محبت و احترام

حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالث آپ کے بھتیجے اور داماد دونوں ہی ہیں- یقیناً ان رشتوں سے آپ کو انتہائی محبوب اور پیارے ہیں- رشتہ اور عمر میں چھوٹے ہونے کے باوجود حضور اقدس کے خلیفہ بنتے ہی آپ دورانِ گفتگو ملاقاتی خواتین سے، حضرت صاحب کا ذکر اور نام بڑی عزت اور ادب سے لیتیں۔-جس سے احساس ہوتا ہے کہ رشتہ داری اپنی جگہ، لیکن خلافت کا ادب و احترام اس سے بالا اور افضل ہے- حضرت صاحبزادہ صاحب جب ۱۹۳۴ء میں بغرض تعلیم یورپ تشریف لے گئے تو کس قدر پیار محبت، اور جذبے سے آپ نے ان کو الوداعی دعائیں دیں-

جاتے ہو مری جاں خدا حافظ و ناصر
اللہ نگہباں خدا حافظ و ناصر
والی بنو امصار علوم دو جہاں کے
اے ''یوسفِ کنعان'' خدا حافظ و ناصر

(درعدن، صفحہ ۲۹)

چند سال سے آپ بیمار چلی آ رہی تھیں جلسہ سالانہ کا پورا پروگرام تو صحت کی خرابی کے باعث جلسہ گاہ میں بیٹھ کر سن نہیں سکتی تھیں- ہاں حضرت خلیفہ الثالث کی تقریر سے پہلے آپ اسٹیج پر تشریف لاتیں اور حضور کی تقریر بہت پیار، توجہ، عقیدت اور دعائیں کرتے ہوئے سنتیں-

مکرمہ آپا محمودہ بیگم صاحبہ تحریر کرتی ہیں کہ ''امی حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کا باوجود داماد اور بھتیجے ہونے کے خلیفہ بنتے ہی بے انتہا عقیدت اور ادب سے نام لیتیں-

آپ کہہ کر مخاطب ہوتیں- سب سے کہتیں دیکھو اب یہ ادب کے مقام پر ہیں اور حضرت صاحب بھی اتنا ہی ادب کرتے کہ حضرت مسیح موعود کی بیٹی اور پھوپھی ہیں- اور امی جان کا یہ حال کہ سب کچھ بھول گئیں کہ مجھ سے کتنا چھوٹا رشتہ ہے- صرف وہی رشتہ یاد رہا جو روحانی طور پر خدا نے بنا دیا- اگر کوئی شروع شروع میں پرانی عادت کے مطابق بے تکلفی سے کوئی بات یا ذکر کرتا تو بہت برا مناتیں- پچھلے سال کی بات ہے مجھے آہستہ سے پاس بلا کر کہا کہ دیکھو فلاں نے کس طرح نام لے لیا اور اس طرح بات کی جس سے بے ادبی ظاہر ہوتی ہے- بہت بری بات ہے بہت بری بات ہے میں نے کہا امی جان آپ سمجھیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہوئی- تب تسلی ہوئی -

(مصباح دسمبر ۷۷ جنوی ۷۸ صفحہ ۴۰)

بی بی شکری لکھتی ہیں-

''خلافت احمدیہ سے بے انتہا محبت وعقیدت تھی- جب ابا حضور کی وفات کے بعد ابا خلیفہ بنے تو فوراً مجھے بلایا اور پاس بٹھا کر میرا ہلکا سا کان مروڑا اور کہنے لگیں تم اپنے ابا سے بہت بے تکلف ہو اور بے جھجک ''پڑاں پڑاں'' کرکے باتیں کرتی ہو- اب ان کا مقام بدل گیا ہے- وہ خلیفہ بن گئے ہیں اور بے حد قابل احترام ہیں اب احترام کے ساتھ ان سے بات کرنا- اور خبردار بدتمیزی سے ابا کہہ کر بلایا تو، میں بڑی امی سے بھی بے تکلف تھی اس لیے آرام سے کہہ دیا احترام تو خود بہ خود میرے دل میں بہت بڑھ گیا اور خوف سا بھی پیدا ہو گیا- لیکن میں ابا کہنا نہیں چھوڑوں گی- آپ بھی تو حضرت مسیح موعود کو جن کا مقام خلافت سے بڑھ کر ہے ابا کہہ کر مخاطب ہوتی تھیں یہ سن کر ہنس پڑیں- پھر بولیں کہ میرے ابا کہنے میں بھی بہت احترام ہوتا تھا- تمہارا بے تکلفی کا رنگ ہے- میرا مطلب یہ ہے کہ تمیز کے دائرے میں رہ کر بات کرنی چاہیئے-

بڑی امی کی طبیعت میں بے حد عاجزی و انکساری تھی میں نے آج تک کبھی کوئی ان کے منہ سے ایسی بات نہیں سنی جس سے ذرہ بھی بڑائی کی بو آتی ہو، اور خلیفہ

وقت کے آگے تو مجسم انکسار ہوتی تھیں- ابا کی خلافت کے بعد میں نے کبھی ابا کا نام لیتے نہیں سنا مخاطب کرتیں تو ''میاں'' کہہ کر- ہم سے بات کرتیں تو تمہارے ابا کہہ دیتیں اوروں سے یا خادموں سے ہمیشہ حضرت صاحب کہہ کر بات کرتیں اور جب ربوہ آ گئیں- تو سفر پر جانا ہوتا تو ہمیشہ اجازت لیکر جاتیں-کوئی مسئلہ ہوتا تو مشورہ لیتیں- اور ابا بھی ان سے مشورہ لیتے-'' (ذاتی تحریر)

۱۹۵۳ء میں جماعت کے خلاف جو ایک عظیم فتنہ اٹھا اس نے جہاں ساری جماعت کو لپیٹ میں لیا وہاں خاندان حضرت مسیح موعود پر بھی دست درازی کی اور ایک جھوٹا مقدمہ بنا کر حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کو گرفتار کر کے لے گئے اس پر، درد وغم سے بیتاب ہو کر آپ نے درج ذیل اشعار صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کو قادیان بدر میں اشاعت کیلئے بھیجے- جو اگرچہ درعدن میں شامل نہیں ہیں لیکن میرے پاس آپ کی لکھائی میں آپ کی عطا موجود ہے۔

چلّاؤ کوئی جا کر مزار مسیح پر
نصرت جہاں کی، گود کے پالوں کو لے گئے
آقا تمہارے باغ میں داخل ہوئے عدو
گلزار احمدی کے نہالوں کو لے گئے
روبہ صفات دشمن بد، پس بہ مکرو زور
قیدی بنا کر شیر مثالوں کو لے گئے
جائے گرفت ہاتھ نہ آئی تو بدسرشت
دھبہ لگا کے نیک خصالوں کو لے گئے

(تاریخ احمدیت جلد ۱۶ صفحہ ۲۵۷)

مندرجہ بالا اشعار میں بے قراری ہے تو یہ کہ حضرت مسیح موعود اور حضرت اماں

جان کی گود کے پالوں کی خیر ہو۔

درج ذیل اشعار میں بھی سارا، زور ہے خلیفہِ وقت موعود ابنِ موعود ابنِ موعود کی سلامتی پر، حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی جلسہ سالانہ ۱۹۶۵ء میں لی گئی ایک تصویر تھی اس کو دیکھ حضرت بیگم صاحبہ نے ناسازی طبع کے باوجود لیٹے لیٹے دلی کیفیات اشعار میں ڈھال دیں ؎

خدا کا فضل ہے اس کی عطا ہے
محمدؐ کے وسیلے سے ملا ہے
''مبارک'' تھا یہ --- (حضرت اماں جان) کا
ہوا مقبول رب العالمین کا
نویدِ احمد و تنویرِ محمود
یہ ''موعود ابنِ موعودؔ'' ابنِ موعود

(مصباح صفحہ۶ ،۱۹۶۶ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ۱۹۷۶ء میں امریکہ و یورپ میں اسلام کا پیغام پھیلانے کیلئے روانہ ہونے والے تھے خود بھی دعائیں کر رہے تھے جماعت بھی دعائیں کر رہی تھی اور حضرت سیدہ بیگم صاحبہ نے بھی دعائیہ نظم لکھی اور فرمایا میں نے جو چند اشعار عزیزم حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے خواب والے مصرع ؎

تشنہ روحوں کو پلا دو شربت وصل و بقا

کے وزن پر اسی مصرعہ خاص کی شمولیت کیلئے کہے ؎

جب سے تجویز سفر تھی، سب تھے مصروف دعا
خود۔ (خلیفۃ المسیح) اور ہر غلام باوفا
رحمت حق جوش میں آئی، یہ حالت دیکھ کر
بہر تسکین و سکوں، مولا نے یہ مژدہ دیا

یہ زباں تیری ''قلم تیرا'' تیرے قلب و دماغ
ہیں سبھی میرے تصرف میں تجھے پھر خوف کیا
دل میں ایمان و یقین ہے ہاتھ میں قرآن ہے
''تشنہ روحوں کو پلا دو شربت وصل و بقا''

(مصباح دسمبر ۷۷ جنوری ۷۸ صفحہ ۴۵-۴۶)

آپ اپنی تمام تقاریر اور تحریرات میں خواتین کو ہمیشہ موثر الفاظ میں نصیحت فرماتیں کہ خلافت سے اپنا اپنے بچوں اور میاں کا تعلق مضبوط قائم رکھو- نظام جماعت کی پابندی کرو کبھی نکتہ چینی اور بدظنی نہ کرو- اپنے اور اپنے افراد خاندان کے دلوں کو ہمیشہ منافقت سے پاک رکھو- کثرت سے ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب پڑھو-

خلیفۃ المسیح کو ہمیشہ دعاؤں کیلئے لکھتی رہو- مرکز برابر آتی رہو مرکز سے تعلق پختہ رکھو-

# بھائیوں سے محبت

## حضرت مصلح موعود اور آپ کا مثالی پیار

حضرت مصلح موعود اور حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ ''مثالی بھائی بہن'' تھے- بھائی ایسا کہ فخر دیار، مولا کا یار، اہل وقار، مومنین کا سردار، صاحب دولت و شکوہ، علوم دینی و دنیاوی سے پر، قوموں کا رستگار، بہادر اور دلیر، قافلوں کا سردار غرض عالمگیر اور ہمہ گیر شخصیت کا حامل اور بہن ایسی کہ خیالات میں بھائی کی اہم آہنگ ،عزائم میں ممد معاون ہر معرکہ میں آپ کی شریک، آپ کے مصرعوں پر گرہ لگانے والی، خوشی میں بھائی کی چھوٹی بہن، اور فکروں میں فکریں بانٹنے والی ڈھارس بندھانے والی بڑی بہن بن جاتیں- حضرت سیدہ امتہ الحی بیگم صاحبہ (حرم ثانی حضرت خلیفہ المسیح الثانی) کی وفات پر حضرت خلیفہ المسیح الثانی بہت غمگین تھے- اپنے غم کا اظہار اپنے خطبات اور خطابات میں مختلف انداز میں کر رہے تھے- حضرت سیدہ بیگم صاحبہ اپنے محبوب بھائی کے رنج و الم کو بھلانے کے لئے اس حکمت سے بات کرتی ہیں جس کا اعتراف حضور اس طرح فرماتے ہیں ''میری ہمشیرہ مبارکہ بیگم نے کہا کہ امتہ الحی تو بڑی ہی خوش نصیب نکلیں، جس کے لئے اتنی دعائیں ہوئیں اور اتنے بڑے مجمع نے نماز جنازہ ادا کی پس اس کی موت پر کیسا غم اور کیسا رونا؟'' بھائی بہن کے نکتہ نواز اور بہن بھائی کا مان رکھنے والی، سبحان اللہ کیا آسمانی مخلوق ہے-

(خطاب فرمودہ ۱۳ دسمبر ۱۹۲۴ء بعد نماز عصر بیت اقصیٰ قادیان بحوالہ انوار العلوم جلد ۹ صفحہ ۱۰)

آپ فرماتی ہیں ''مجھ سے بچپن سے بے تکلف رہے ہر بات مجھ سے کر لیتے

اور میں ہر بات جو نئی سنی یا سمجھ سے باہر ہوئی ان سے پوچھتی- میری کھل کر بات یا حضرت مسیح موعود سے ہوتی تھی یا بڑے بھائی حضرت مصلح موعود سے- حضرت مسیح موعود بھی جانتے تھے کہ ہم دونوں کا آپس میں زیادہ پیار اور بے تکلفی ہے- ایک مرتبہ آپ نے تین چار بار کہا محمود کچھ چپ ہے، کبھی حاجت ظاہر نہیں کرتا نہ مانگتا ہے، تم پوچھو تو سہی کہ کیا چاہیے؟ میں نے پوچھا اور آپ نے بتا دیا- ایک بار بخاری کی جلدوں کا پورا سیٹ منگانے کیلئے کہا تھا ایک بار انگریزی کا سول اخبار جاری کروانے کیلئے کہا تھا-

ہم لڑتے نہیں تھے کم از کم بہنوں سے لڑنے کی تو قسم ہی ہمارے ہاں تھی- مبارک احمد اور میں چھوٹے تھے- تینوں بڑے بھائیوں نے کبھی کچھ نہیں کہا---- میں نے تو بڑے بھائی کو حضرت مسیح موعود کی طرح محبت کرنے والا پایا- ذرا بڑے ہو کر یہ محبت دوستی کا رنگ بھی اختیار کر گئی-

(سوانح فضل عمر جلد اول صفحہ ۱۴۱)

ایک اور جگہ آپ فرماتی ہیں ''حضرت بڑے بھائی صاحب نے سب بہن بھائیوں سے بڑھ کر اپنے پیار سے مجھے شرف بخشا---- بچپن سے انہوں نے مجھ سے خاص محبت کی ہمیشہ میرا خیال رکھا آڑے وقتوں میں میری مدد کی---- بچپن میں تو غلطیاں بھی ہوتی ہیں، کبھی بڑے بھائی بہن کو گھڑک جھڑک بھی لیتے ہونگے، مگر یہاں تو محض پیار اور ناز برداری ہی تھی، ایک دفعہ بھی ٹیڑھی نظر سے نہ دیکھا، میرا بھی یہ حال تھا کہ ہر بات پر، شکایت یا ابا سے یا بڑے بھائی سے کرتی- میں بہت چھوٹی تھی آپ باہر ڈھاب (جوہڑ) میں کشتی چلانے گئے ہوئے تھے دو لڑکے آئے اور کہا کہ میاں ٹب مانگ رہے ہیں- ٹب دے دیا گیا اور میں نے اس وقت اپنی زندگی میں پہلا شعر کہا- جب آئے تو خوشی سے لپٹ کر کہا- بڑے بھائی میں نے تمہارے لیے شعر بنایا ہے (اس وقت اس عمر میں ہم شعر کہتے نہیں بناتے تھے) فرمایا بتاؤ بتاؤ کیا؟ میں نے بڑے فخر سے سنایا کہ ؎

ٹب لینا تھا ٹب لے گئے
کشتی چلانی تھی کشتی چلا گئے

اس کو یاد کر کے اب تک ہنسا کرتے تھے ایک دفعہ میرے استاد پیر منظور محمد صاحب مرزا افضل بیگ صاحب سے گراموفون مانگ لائے اور ریکارڈ چلانے لگے میں چھوٹی تھی اور وہ عجیب سے اشعار میرے لیے نئی چیز تھے میں نے کہا پیر جی میری کاپی پر یہ شعر لکھ دو انہوں نے بے خیالی میں لکھ دیا، ایک مصرعہ مجھے یاد ہے ؎

ستم سے باز آ، ظالم قیامت آنے والی ہے

میں فوراً بھاگی اور آ کر بڑے بھائی کو دکھایا کہ یہ پیر جی سے لکھوا کر لائی ہوں میرے ہاتھ سے کاپی لی اور وہیں کھڑے کھڑے کاپی پر لکھ دیا ؎

اگر لایا کئے، ایسی گھروں کو کاپیاں بچے
تو حضرت آپ کی، اک روز شامت آنے والی ہے

اور کہا اب جا کر یہ کاپی پیر جی کو دکھا دو- ان دنوں وہ گول کمرے میں ہمارے ہاں ہی رہتے تھے میں نے جا کر دکھا دیا- پیر جی نے کہا توبہ توبہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ مجھ سے بڑی غلطی ہوگئی اور چاک کرنے لگے میں نے کہا اپنے شعر کو پھاڑ دو پر بڑے بھائی کا شعر نہیں پھاڑنے دوں گی-

فرماتی ہیں میرے بھائی اور ماموں مل کر باتیں کرتے کبھی فضول بات میں نے نہیں سنی کیونکہ جہاں یہ سب مل کر بیٹھتے، میں ضرور جا پہنچتی تھی کئی بار ہنس کر فرماتے تھے کہ ؎

لڑکی وہ جو لڑکیوں میں کھیلے
نہ کہ لڑکوں میں ڈنٹر پیلے

فرماتی ہیں جب بڑی ہوگئی تو شادی کے بعد جب میں آتی میری آواز سن کر یا معلوم کر کے میں آئی ہوں فوراً تشریف لاتے جو بات نئی میری غیر حاضری میں ہوتی

مجھے ضرور سناتے- اپنے اشعار بالعموم پہلے مجھے سناتے دو تین بار مصرعہ میں نے لگا یا اس کو پسند کیا اور شامل کر لیا ایک بار جب آپ کے اشعار کا پہلا مجموعہ ''کلام محمود'' شائع ہوا مجھ سے پوچھا ٹھیک ٹھیک بتاؤ تم کو میرا کون سا شعر سب سے زیادہ پسند ہے میں نے کہا ؎

حقیقی عشق گر ہوتا، تو سچی جستجو ہوتی
تلاش یار، ہر ہر دل میں ہوتی، کو بہ کو ہوتی

(سوانح فضل عمر حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب صفحہ ۱۴۲ تا ۱۴۴)

آپا ناصرہ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں پھوپھی جان کا بہن بھائیوں سے بہت محبت کا سلوک تھا خاص طور پر بڑے بھائی یعنی حضرت مصلح موعود سے تو عشق کی حد تک پیار تھا اور اسی طرح بھائی بھی بہن سے بہت زیادہ پیار کرتے تھے- جب کبھی معلوم ہوتا کہ حضرت پھوپھی جان آئی ہیں- آ کر پوچھتے ''کیا مبارکہ آئی ہیں'' جب ان کے آنے کا علم ہو جاتا فوراً حضرت اماں جان کی طرف چلے جاتے پھر دونوں بہن بھائی، شام کا وقت ہوتا تو باہر تخت پوشوں پر اور صبح کے وقت کمرے میں بیٹھ کر دیر تک باتیں کرتے رہتے- حضرت ابا جان بعض مشورے جو خاص ذاتی ہوتے پھوپھی جان سے کرتے- ایک دوسرے کو اپنے اپنے تازے اشعار سناتے بہت بے تکلفی کا ماحول ہوتا- میں دور سے یہ دیکھتی رہتی اور بہن بھائی کے اس پیار سے بہت لطف اٹھاتی-

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب سے بھی بہت پیار تھا- حضرت مرزا شریف احمد صاحب سے داماد ہونے کے لحاظ سے بھی دوہرا پیار تھا- وہ بھی حضرت پھوپھی جان کا خاص خیال رکھتے تھے- جب حضرت پھوپھی جان حضرت اماں جان کے گھر آتیں حضرت ابا جان بسا واقات اپنا کھانا- اپنی باری والے گھر سے وہیں منگوا لیتے اور پھوپھی جان کے ساتھ کھاتے-

حضرت پھوپھی جان کو حضرت ابا جان کے بچوں سے بھی بہت پیار تھا ان کی

غلطیوں پر کبھی ڈانٹ بھی دیتی تھیں مگر اکثر پیار ہی دیتی تھیں۔ (ذاتی تحریر)

آپا آصفہ صاحبہ (بے بی) اس محبت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

''رتن باغ لاہور میں حضور کے کمرے سے چند کمروں کے فاصلے پر ہمارا کمرہ تھا۔ حضور ٹہلتے ہوئے بعض اوقات اپنا نیا تیار کردہ عطر سنگھانے امی جان کے پاس آتے اور وہ خوش ہو کر تعریف کرتیں۔ ایک مرتبہ مجھے بھی سنگھایا تو میں نے ناک بھوں چڑھائی (شرارت سے) تو آپ نے ہنس کر فرمایا مبارکہ دیکھو یہ تمہاری نالائق بیٹی میرے عطر پر ناک چڑھا رہی ہے۔ پھر آپ دوبارہ اور لاتے تو میں پسندیدگی کا اظہار کرتی تو فوراً ایک شیشی تحفہ مل جاتی۔'' (ذاتی تحریر)

حضرت صاحبزادی امتہ الباسط صاحبہ اس پیار کا حال لکھتی ہیں کہ:

''ابا جان سے بے حد پیار اور بے تکلفی تھی۔ کبھی کہیں اکٹھے جاتے تو شام کو اکٹھے ٹہلتے اور باتیں کرتے۔ کبھی شعر و شاعری ہوتی پھوپھی جان اپنی کہی ہوئی نظمیں ابا جان کو اور ابا جان اپنی کہی ہوئی نظمیں پھوپھی جان کو سناتے دونوں کے چہروں پر بچوں جیسی خوشی ہوتی۔ مگر ابا جان کی وفات پر اس قدر صبر کا نمونہ دکھایا ہے، چہرے پر اس قدر دکھ مگر خدا تعالیٰ کی رضا پر راضی اور جماعت کے لئے دعائیں، ان کی استقامت اور صحیح فیصلے کیلئے۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ یہ ان کی دعائیں ہی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے جماعت کو فہم عطا فرماتے ہوئے صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور پھر اس کے بعد وہی ''میاں ناصر'' ''حضرت صاحب'' بن گئے۔ اور اتنا ہی احترام اور عزت کرتی تھیں جتنا خلیفہ کا حق ہے ہمیں بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کیا کرتی تھیں اور اس کی برکات بتاتی رہتی تھیں۔

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۲۴)

حضرت مصلح موعود ۱۹۲۴ء میں یورپ تشریف لے گئے وہاں سے قادیان اور اہل قادیان کی یاد میں آپ نے ایک نظم قادیان بھیجی جس کا پہلا شعر تھا ۔

ہے رضائے ذات باری اب رضائے قادیاں
مدعائے حق تعالیٰ مدعائے قادیاں

اور آخری شعر تھا ؎

جب کبھی تم کو ملے موقع دعائے خاص کا
یاد کر لینا ہمیں اہلِ وفائے قادیاں

(کلام محمود صفحہ ۱۱۴)

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اپنے پیارے بھائی کے جذبات سے حد درجہ متاثر ہوئیں اور فوراً اس نظم کے جواب میں ایک لمبی نظم لکھ کر بھیجی کہ ؎

سیدا ہے آپ کو، شوقِ لقائے قادیاں
ہجر میں خوں بار ہیں، یاں چشم ہائے قادیاں
یاد جو ہر دم رہے، اس کو دعائے خاص میں
کس طرح دیں گے بھلا اہل وفائے قادیان

(در عدن، صفحہ ۹)

سفرِ یورپ سے واپس تشریف لانے پر ایک استقبالیہ کے جواب میں حضرت مصلح موعود نے اس نظم کے بارے میں فرمایا ''میرے نزدیک اس سفر سے بڑے بڑے فوائد کے علاوہ جن میں بعض کا ذکر مولوی شیر علی صاحب نے کیا ہے بعض چھوٹے فوائد بھی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ میرے سفر پر جانے سے کئی نئے شاعر پیدا ہو گئے ہیں- خصوصاً ہماری ہمشیرہ شاعرہ ہوگئی ہیں- یہ بھی علمی ترقی ہے-''

(خطاب استقبالیہ مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۲۴ء بیت اقصیٰ بحوالہ الفضل ۴ دسمبر ۱۹۲۴ء)

یہ حوالہ پڑھ کر میں بہت حیران ہوئی اور جلدی سے در عدن اٹھائی- دیکھا تو واقعی یہ نظم در عدن کی پہلی نظم ہے (جو ۲۹ جولائی ۱۹۲۴ء کے الفضل میں شائع ہوئی) پیارے بھائی کی فرقت اور جدائی کو آپ نے کس شدت سے محسوس کیا کہ جذبات علم و

معرفت کی گہرائیوں میں ڈوب کر اشعار کے پیمانے میں ڈھل گئے، اور واقعی حضرت مصلح موعود کے بقول آپ شاعرہ بن گئیں۔

پھر آپ نے کی تشریف آوری پر صبح مسرت کے نام سے نظم کہی جس میں اپنے دلی جذبات خوشی ومسرت کا اظہار کیا ؎

آج ہر ذرہ، سر طور نظر آتا ہے
جس طرف دیکھو وہی نور نظر آتا ہے
تازگی آ گئی چہروں پر کھلے جاتے ہیں
دل کی حالت کا زباں، کرنہیں سکتی اظہار

(درعدن صفحہ ۱۶، ۱۷)

اور ہمیشہ جب کبھی حضور باہر تشریف لے جاتے تو دعائیہ اشعار سے خدا حافظ کرتیں اور تشریف آوری پر حمدیہ اشعار سے ان کا استقبال کرتیں۔

آپ بیمار ہوئے تو محبت کی ماری بہن تڑپ اٹھیں اور ایک لمبی نظم ''تحریک دعائے خاص'' لکھی جس میں پہلے حضرت مسیح موعود کی وفات کا منظر قلمبند کیا تا کہ احباب جماعت کے دل دعا کیلئے پگھل جائیں فرماتی ہیں ؎

یاد ہے چھبیس مے، سنہ آٹھ حزب المومنیں
وہ غروبِ شمس، وقتِ صبح، محشر آفریں
جسمِ اطہر کے قریں، مرغانِ بسمل کی تڑپ
ہو رہی تھی، روحِ اقدس، داخلِ خلدِ بریں
حسرتیں نظروں میں لیکر، صورتیں سب کی سوال
اب کہاں تسکین ڈھونڈیں ''بے سہارے'' دل حزیں

پھر نیا منظر کھینچتی ہیں ؎

اک جوانِ منچلی، اٹھا بہ عزمِ استوار
اشکبار آنکھیں، لبوں پر، عہد راسخ دل نشیں
میں کروں گا عمر بھر، تکمیل تیرے کام کی
میں تیری تبلیغ، پھیلاؤں گا برروئے زمیں

اور پھر اس وعدے کو پورا کیا فرماتی ہیں ؎

کر نہیں سکتا کوئی انکار، عالم ہے گواہ
جو کہا تھا اس نے، آخر کر دکھایا بالیقین
ایسی باتیں، جن سے پھٹ جاتا ہے پتھر کا جگر
صبر سے سنتا رہا، ماتھے پر بل آیا نہیں
صرف کر ڈالیں، خدا کی راہ میں سب طاقتیں
جان کی بازی لگا دی، قول پر ہارا نہیں

حضرت صاحب کے کارنامے یاد کروا کے دعا کیلئے تیار کرتی ہیں ؎

آج فرزندِ مسیحائے زماں، بیمار ہے
دعویٰ دارانِ محبت، سو رہے جا کر کہیں
قومِ احمد! جاگ تو بھی، جاگ اس کے واسطے
اَن گنت راتیں، جو تیرے درد سے سویا نہیں
ہو دعائے دردِ دل، سالم رہے قائم رہے
یہ ''دعائے احمد ثانی'' نوید اولین

(درعدن صفحہ ۶۴ تا ۶۸)

یہ ۲۹ اشعار کی نظم دعائے خاص کیلئے دل مٹھی میں لے لیتی ہے۔

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے بارے میں ان کی منجھلی بیٹی مکرمہ آپا محمودہ بیگم صاحبہ تحریر کرتی ہیں امی جان کو اپنے بھائیوں سے بہت پیار تھا۔ ماں باپ اور

بھائی تو سب پیارے ہوتے ہیں لیکن اس پیار میں تو ایک روحانی رشتے کا جذبہ بھی شامل تھا- خاص طور پر حضرت مصلح موعود سے تو عشق تھا- جب بہن بھائی مل کر بیٹھتے تو عجیب رنگ ہوتا- دینی اور جماعتی باتیں بھی ہوتیں- اپنی اپنی نظمیں بھی سنائی جاتیں- ہنسی مذاق بھی ہوتا خاص طور پر بھاوجوں سے بھی پیار تھا- حضرت ام ناصر اور حضرت سیدہ ام طاہر سے بہت محبت تھی- ممانی جان حضرت ام ناصر کے متعلق تو بچپن سے لگاؤ تھا اور بڑی بھاوج کے ناطے سے عزت بھی کرتیں- سیدہ ام طاہر سے بے تکلفی کا رشتہ اور دوستی کا رنگ تھا- بعد میں چھوٹی آپا سیدہ ام متین سے بھی بہت پیار ہو گیا- ویسے بہن کا رشتہ بھی تھا جب کبھی ماموں جان (حضرت مصلح موعود اور چھوٹے ماموں حضرت مرزا شریف احمد صاحب) مالیر کوٹلہ تشریف لاتے تو گھر میں شادی کا گمان ہوتا- بے حد رونق ہو جاتی- ابا میاں اور امی جان بہت خوش نظر آتے- ہر وقت یہ فکر، ان کو کوئی تکلیف نہ ہو- حفاظت کا بھی اتنا ہی خیال، ہم بچے علیحدہ خوشی سے بھاگے بھاگے پھرتے- وہ دن جب یاد آتے ہیں دل ٹوٹ جاتا ہے کاش وہ دن واپس آ سکتے- منجھلے ماموں جان (حضرت مرزا بشیر احمد صاحب) سے بھی بے انتہا عقیدت اور محبت تھی لیکن ان کی طبیعت میں ایک حجاب تھا اس لیے ان سے بے تکلفی نہ تھی- وہ بھی امی جان کا بے حد خیال رکھتے تھے- افسوس تینوں بھائی ایک ایک کرکے ان کے سامنے اٹھ گئے، دل نے ان صدمات کا گہرا اثر لیا- جب سے ہی صحت گرنے لگی، لیکن کبھی بے صبری کا کلمہ منہ سے نہ نکالا- عاشق زار بہن نمازوں میں روتی تھی اور ہم سب کو صبر کی تلقین کرتی تھیں- چھوٹے ماموں جان (حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب) کی وفات اچانک ہوئی- تھر تھر کانپ رہی تھیں- لیکن ایک بڑی ذمہ داری سر پر پڑی تھی- منجھلے ماموں جان (حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب) نے علیحدہ لے جا کر سمجھایا، اپنے دل کو مضبوط کرو- ہم نے ایک بڑا اور درد انگیز فرض ادا کرنا ہے- میرے ساتھ چلو حضرت صاحب کو یہ خبر کسی طریقے سے بتانی ہے کہیں اچانک سن کر ان کو تکلیف زیادہ

نہ ہو جائے- امی جان اُن کے ساتھ گئیں نہ معلوم وہاں کس طرح یہ خبر سنائی ہو گی واپس آئیں تو آنکھیں سوجی ہوئی تھیں شاید علیحدگی میں روئی ہوں- بہن بھائی یہ دونوں بھی تھے لیکن یہ بھی ان دونوں کا جذبہ اخلاص تھا کہ بڑے بھائی کی صحت پر اس صدمہ کا اثر نہ پڑے اپنے آپ کو سنبھال لیا- یہ نہیں معلوم تھا کہ دو سال بعد منجھلے بھائی کا بھی صدمہ اٹھانا پڑے گا- اس عظیم الشان بھائی کا جنہوں نے اس وقت سلسلہ کی بے شمار ذمہ داریاں اٹھائی ہوئی تھیں- مجھے یاد ہے پہلے تو انا للہ کہہ کر اس کی رضا پر راضی ہو گئیں لیکن چلا نہ جاتا تھا ایک پلنگ پر کسی نے لٹا دیا- اس وقت مٹھیاں بھینچ گئیں اور دو تین چیخیں نکل گئیں- ہم بھاگ کر پاس گئے حیرت بھی ہوئی امی جان کی آواز کیسے نکلی- جا کر دیکھا تو اونچی آواز میں دعائیں کر رہی تھیں کہ خدایا میرے بڑے بھائی کو زندگی دینا عجیب درد انگیز منظر تھا- دو سال بعد اس عظیم حادثہ کو بھی دیکھنا پڑا جس کے لیے کوئی قلب تیار نہ تھا لیکن امی جان نے اس وقت ایسا حوصلہ دکھایا کہ مثال ملنی مشکل ہے-

(مصباح دسمبر ۷۷ جنوری ۷۸ صفحہ ۳۸، ۳۹)

صاحبزادی امتہ الشکور صاحبہ (شکری) تحریر کرتی ہیں:

تیسری بات جو میرے ذہن و دل نے ریکارڈ کی وہ بڑی امی کی اپنے بھائیوں سے محبت تھی- بہت چاہتی تھیں اپنے بھائیوں کو- خاص طور پر ابا حضور سے تو عشق تھا- حضرت مسیح موعود اور حضرت اماں جان کے بعد جو سب سے زیادہ ذکر بڑی امی سے سنا وہ ان کے ''بڑے بھائی'' کا تھا- اکثر معاملات میں انہیں اپنے بھائیوں سے مشورہ لیتے دیکھا اور ہر ایک کی طبیعت کو اچھی طرح سمجھتی تھیں- اس لیے کسی معاملے میں ایک سے مشورہ کر رہی ہوتیں تو دوسرے معاملے میں دوسرے سے- یہ بات میں نے ابا حضور (حضرت مصلح موعود) کی طویل بیماری کے دنوں میں نوٹ کی اور نہ صرف خود بھی ان سے مشورہ لیتیں دوسرے لوگوں کو بھی بھائیوں کے پاس مشورہ کیلئے بھیجتیں- بھائیوں کی

جدائی کے بعد خود کو بہت تنہا محسوس کرنے لگی تھیں۔ (ذاتی تحریر)

اپنے بھائیوں کی وفات پر آپ نے نہایت پیارے مضامین میں ان کی صفات حسنہ کا ذکر کرتے ہوئے دلی تاثرات کا اظہار فرمایا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کی وفات پر آپ نے الفضل میں مضمون لکھا آپ فرماتی ہیں:

''انہوں نے ظاہری تعلیم بہت التزام سے یا کالجوں وغیرہ میں حاصل نہیں کی تھی۔ مگر حضرت سیدنا بڑے بھائی صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) کی طرح ان پر بھی خدا تعالیٰ کا خاص فضل اس صورت میں نازل ہوا تھا کہ ان کا علم بہت وسیع تھا۔ بہت ٹھوس تھا سمجھ میں نہیں آتا کہ کس وقت پڑھا اور کہاں پڑھا؟ مگر علم دین کے ہر پہلو پر عبور تھا عربی ایسی اعلیٰ پڑھاتے تھے کہ چند دن میں پڑھنے والے کو کہیں کا کہیں پہنچا دیتے۔ رائے صائب ہوتی۔ مشورہ ہمیشہ دیانت داری سے دیتے علم تعبیر، اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص ودیعت فرمایا تھا۔ ایسی عالی تعبیر دیتے اور اتنی تفصیل سے خوابوں کے متعلق نکات بیان کرتے کہ طبیعت سیر ہو جاتی میں اپنے خواب، ان کی یہ خصوصیت دیکھ کر، ان کو ہی سنایا کرتی تھی۔ ایک بار انہوں نے خیال ظاہر کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ ایک تعبیر نامہ مرتب کروں جس میں نئی چیزوں اور خاص ہماری ملکی اشیاء کی بھی تعبیریں لکھی جائیں۔ مگر بیماریوں نے مہلت نہ دی افسوس مجھ سے صرف کچھ کم دو سال ہی بڑے تھے۔ ہم دونوں اور مبارک احمد زیادہ ساتھ کھیلے اور وہ تو ساتھ پڑھے بھی۔ مگر باوجود ان کے ہمیشہ بہت محبانہ سلوک کے اور ان کے سادہ سادہ بے تکلف طریق کے، ان کے علم وفضل، ان کی انتہائی شرافت کی وجہ سے میرے دل میں ان کی عزت اور ادب بڑھتے ہی گئے۔ علمی پہلو کے علاوہ ایک نہایت شریف اسم بامسمیٰ، نہایت صاف دل، غریب طبیعت، دل کے بادشاہ، عالی حوصلہ، صابر، متحمل مزاج وجود تھے۔

اس لیے نہیں کہ وہ میرے بھائی تھے بلکہ اس کو الگ رکھ کر کوئی بطور سچی شہادت کے مجھ سے ان کی بابت سوال کرے تو میں یہی کہوں گی اور وثوق سے کہوں گی

کہ وہ ایک ہیرا تھا نایاب، وہ سراپا شرافت تھا- ایک چاند تھا جو چھپا رہا اکثر- اور چھپے چھپے، چپکے چپکے رخصت ہو گیا- اللہ تعالیٰ کی آغوش رحمت میں پہنچ گیا-

(الفضل ۱۴ جنوری ۱۹۶۲ء)

۲ ستمبر ۱۹۶۳ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا انتقال ہوا آپ نے اپنے جذبات محبت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ” اس میرے پیارے بھائی میری اماں جان کے بشریٰ (ان کو حضرت اماں جان اب تک پیار سے بشریٰ کہہ کر اکثر پکارتی تھیں) کی کامیاب زندگی، خدمات دینی اور بڑے بھائی کے حقیقی معنوں میں قوت بازو بن کر رہے- تمام جماعت کے لیے مشعل راہ، دلوں کی تسکین ثابت ہوئے اور اپنی شان، آب و تاب سے دکھلا کر رخصت ہوئے پر اس غم میں بھی بے اختیار دل کہتا ہے اور بے حد جذبہ شکر امتنان سے کہتا ہے الحمدللہ الحمدللہ میرے بھائی نے نہایت کامیاب زندگی گزاری، جیسی ہونی چاہیے تھی- جیسی مراد حضرت مسیح موعود کی تھی ویسی ہی حیات مفید، مبارک گزار کر انجام بخیر پایا---- بڑے بھائی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی جماعت کے شفیق باپ بنے- مگر باپ آخر ازراہ تربیت کڑی نظر بھی رکھتا ہے تاکہ رعب قائم رہے- اس لئے اس کو ذرا کبھی کبھی ریزور بھی رہنا پڑتا ہے- مگر ماں بچے کی غلطیوں پر پردے بھی ڈالتی ہے- چھپ چھپ کر سمجھاتی ہے- باپ کی ناراضگی کا خوف دلاتی ہے- مارتی ہے تو فوراً سینہ سے لگا کر پیار کرتی اور پیار سے کہتی ہے- کہ دیکھو تمہارے بھلے کے لیے تو کہتی ہوں کہ اگر ابا تمہارے دیکھیں تو کیا کہیں- غرض یہ ماں کا پیار سارے خاندان ساری جماعت کے لیے ایک قدرتی سمجھوتہ کے طور پر منجھلے بھائی صاحب کے سپرد رہا- اور ہمیشہ نبھایا- وہ نیک، خوش خلق اور منکسر المزاج تھے- خود نہایت حساس، مگر دوسرے کے احساسات کا بہت خیال رکھنے والے- خدا اور رسول ﷺ کے عشق میں سرشار، مگر ہر وقت ڈرنے والے ہر وقت فکر تھا کہ گنہگار ہوں- غریب نواز، ہمدرد غرض ایک خوبیوں کا مجموعہ تھے- ایک نیکیوں کا گلدستہ تھے، جس کو اب اس

کے خالق نے اپنی جنت اعلیٰ کے لیے پسند کر لیا- ہم اس کی رضا پر راضی ہیں- مگر جب تک زندہ ہیں یاد کریں گے- خدا تعالیٰ ہم کو اس یاد کے ساتھ ان کے لیے بلندی درجات کی دعا کی توفیق دیتا رہے- خاص اپنے فضل و کرم سے اور ہماری دعاؤں کا ہدیہ ان کو بلندیوں پر پہنچتا رہے- آمین

(الفضل ۱۱ستمبر ۱۹۶۳ءصفحہ ۱، ۲)

ایک تحریک پر بھائیوں کی یاد میں

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ درج ذیل اشعار فرماتی ہیں۔

جو مجھے چاہتے تھے چاہ کو پہچانتے تھے
ان کی فرقت میں وہ تنویر، کہاں سے لاؤں؟
کاغذی عکس بھی ہیں، دل پر مرے نقش بھی ہیں
بولتی ہنستی وہ تصویر، کہاں سے لاؤں؟
وہ کہاں پیار، وہ آپس میں دلوں کی باتیں
آہ اُس خواب کی تعبیر، کہاں سے لاؤں؟
دل پژمردہ میں، باقی نہ رہی زندہ دلی
اب میں وہ شوخیٔ تحریر، کہاں سے لاؤں؟

ایک بہت پرانی دوست جو قریبی عزیز ، میرے میاں مرحوم کی بھتیجی ہیں ان کے خط کے جواب میں ایک مصرعہ آخری لکھا تھا پھر چار شعر ہو گئے- انہوں نے لکھا تھا عرصہ سے آپ کے خطوط میں وہ بات نہیں رہی، نہ وہ مزاح کا رنگ نہ چمک نہ شوخی نہ وہ مزے کی باتیں- کیا ہوا کیا بات ہے- ان کی تحریر نے اس تبدیلی کی یاد دلا دی اور اس وقت بھائیوں کی یاد میں خصوصاً سب سے زیادہ محبت کرنے والے بہت خیال رکھنے والے حضرت بڑے بھائی صاحب (حضرت مصلح موعود) کی یاد آئی- ان کا ہر بات دل کی کرنا، پرانی باتیں سننا اور سنانا یاد آ گیا- گو تینوں بھائیوں کی ہی یہی کیفیت تھی-

بہت محبت کی، بہت قدر کی، بہت ہمدردی پیار سب سے ہی پایا، سب کی یاد نے افسردہ کر دیا خصوصاً اس خاص وجود کا خاص پیار بچپن سے اب تک، جن کا گود میں اٹھانا بھی یاد آتا ہے آج تک ، باہر لاہور وغیرہ، گاہے میرے بچپن میں بھی جاتے تو کبھی کھلونے کبھی اچھے اچھے کریکرز جن میں سے پیاری پیاری چیزیں نکلتی تھیں لاتے- ہر شکایت، ہر بات میں ان کے پاس یا حضرت مسیح موعود کے پاس کرتی تھی- گویا یہ بھی باپ اور بھائی کی محبت کا مجموعہ تھے- اور بڑی ہوئی تو خاص دوست کی بھی صورت شامل ہوئی- خدا تعالیٰ میرے بھائیوں کے درجات بلند سے بلند فرمائے- ان کی اولادیں سلامت رہیں، نیک رہیں، سچے دل سے خادمِ دین رہیں اور ایسی ہی نسلیں چلیں- اور ہمیشہ میری دعا رہتی ہے کہ ہم سب کی اولادیں اور نسلیں جو رسول کریم ﷺ کے روحانی فرزند جلیل کی روحانی و جسمانی اولاد کہلانے کے ہمیشہ قابل رہیں- میرے مولا تیرا دامن رحمت کبھی ہمارے ہاتھوں سے نہ چھوٹے اور ہم کو بھی اور ہماری سب اولادوں کو ہماری نسلوں کو تا قیامت اپنے سچے عاشقِ رسول کریم ﷺ کے عاشق حضرت مسیح موعود کے فدائی بنائے رکھنا ہم جسمانی اور روحانی اولاد کہلانے کے حقیقی معنوں میں قابل رہیں- تیرے در سے کبھی نہ دھتکارے جائیں- یہی دعا آپ کی، سب روحانی نسلوں کے لئے بھی ہے- میرے قریب و مجیب نعم المجیب ہم تیرے ہی ہو جائیں اور تو ہمارا ہو جائے- تیری رضا تیری لازوال محبت کی دولت کا خزانہ نصیب ہو- آمین

والسلام

مبارکہ

(الفضل، ۲۸- مئی ۱۹۷۱ء، صفحہ ۲)

**نوٹ:** صفحہ 225 کے اشعار درعدن میں شامل نہیں ہیں-

# بہن بھائیوں کے بچوں سے محبت

صاحبزادی آپا ناصرہ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں۔

حضرت سیدہ ''اپنے تمام بھتیجے بھتیجیوں اور بھانجے بھانجیوں سے بہت محبت کرتیں ان کو مفید مشورے دیتیں اور ان کے لئے دعائیں کرتیں۔

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۲۰)

صاحبزادی امتہ الباسط صاحبہ تحریر کرتی ہیں اس قدر دعائیں کرنے والی اتنا پیار کرنے والی۔ کہ ہر شخص یہی محسوس کرتا تھا کہ سب سے زیادہ پیار مجھ سے ہی ہے۔ ہمدرد اتنی کہ ان کے پاس جا کر عجیب سا سکون محسوس ہوتا تھا۔ مجھے مضمون لکھنا نہیں آتا اور نہ ہی پہلے لکھا ہے۔ صرف چند واقعات لکھ دیتی ہوں۔ بعض مرتبہ تنبیہ بھی کرتی تھیں۔ ناراض بھی ہوتی تھیں۔ مگر بُرا نہیں لگتا تھا کیونکہ اس میں ایک ماں کا پیار اور ایک باپ کی شفقت ہوتی تھی عارضی بُرا تو لگتا تھا مگر دل جلدی صاف ہو جاتا تھا کیونکہ جب سوچتے تھے تو مجھے ابا جان بہت یاد آتے تھے۔ ابا جان کی طرح ناراض ہو کر پھر اسی طرح منا بھی لیتی تھیں دلداری بھی کرتی تھیں۔ شرم آنے لگتی تھی کہ ہم نے کیوں محسوس کیا۔ میرے میاں سے بہت محبت کرتی تھیں۔ ان کی بیماری میں جب ہم پنڈی سے ربوہ آئے تو گرمیوں میں اکثر ۴ بجے سے رات تک رہتی تھیں۔ صبح بھی آتی تھیں۔ مجھے یاد ہے ان کی وفات کے بعد میرے پاس آئیں۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور جسم کانپ رہا تھا۔ مجھے گلے لگا کر کہا، میں تمہارے صبر کا نمونہ دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور بڑی قدر ہوئی کہ تم نے بہت اعلیٰ درجے کا نمونہ دکھایا ہے۔ آخر کیوں نہ ہو۔ کس دادا کی پوتی۔ کس باپ کی بیٹی۔ کس خاوند کی بیوی اور کس سسر کی بہو ہو۔ کئی دن تک

میرے پاس آتی رہیں-''

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۲۳، ۲۴)

صاحبزادی امتہ النصیر صاحبہ کہتی ہیں کہ

ہم سے حد سے زیادہ پیار کرتیں- میں بیمار تھی میرے ٹیکے لگ رہے تھے ایک ٹیکہ Septic ہو گیا جس کی وجہ سے میں سخت بیمار ہو گئی- آپ کو جیسے ہی پتہ چلا گرمی کے باوجود پاؤں پیدل آپا ناصرہ کو ساتھ لیکر میرا حال پوچھنے آئیں- مجھے بار بار آپ کی محبت اور عیادت کا خیال آتا رہا کس قدر پیار کرنے والی ہستی ہیں-'' (ذاتی تحریر)

آپا طاہرہ صدیقہ صاحبہ بیگم مرزا منیر احمد صاحب لکھتی ہیں-

کہ میرے میاں بیمار ہوئے مجھے بار بار تسلی اور دعاؤں کے خط برابر لکھتیں ایک خط درج کیا جا رہا ہے-

میری طاہرہ السلام علیکم

دور ہوں مجبور ہوں- مگر شب و روز دعا میں مصروف، تڑپ لگی ہوئی ہے- خدا تعالیٰ منیر کو زندگی، سلامتی، صحت بخشے اور کاروبار ٹوٹے ہوئے بنا دے تم کو سب کو خوشیاں نصیب ہوں- آمین

تمہارے ہسپتال وغیرہ کے کام تو سب خدا کے فضل سے ہو ہی رہے ہوں گے ہر طرف سے، تمہاری امی بھی وہاں ہیں مگر یہ ناچیز تحفہ پانچ سو روپیہ تمہارے ذاتی خرچ کے لئے تمہاری خالہ جان ہونے کی حیثیت سے تم کو بھیجتی ہوں- امید ہے کہ تم میرے پیار کی خاطر قبول کرو گی-

والسلام مبارکہ

صاحبزادی امتہ الباسط صاحبہ تحریر کرتی ہیں بعض دفعہ ملتیں تو پوچھتیں تمہیں فلاں چیز پسند ہے- اگر کہہ دو کہ پسند ہے تو اگلی صبح ہی دروازہ کھٹکتا اور منشی صدیق وہ چیز اور ایک چھوٹا سا پرچہ لے کر کھڑا ہوتا کہ یہ بیگم صاحبہ نے بھجوایا ہے- گگو کی شادی پر مجھے

کہلا بھیجا کہ میں بیمار ہوں صبح مجھے کار بھیج کر بلوا لینا میں سارا دن تمہارے پاس رہونگی۔ تم بیمار ہو۔ ہم دونوں ایک ہی کمرے میں لیٹے رہیں گے۔ میں نے خورشید (عزیزم مرزا خورشید احمد) سے کہا وہ جا کر لے آیا۔ دوپہر کا کھانا بھی میرے ساتھ کھایا۔ یوں لگتا تھا کہ میں ان کی مہمان ہوں۔ ڈش اٹھا اٹھا کر مجھے اصرار سے کھلاتی رہیں۔ سارا دن رہیں شام کو گگو کی رخصتی کے بعد واپس تشریف لے گئیں۔ یہ ان کا میرے گھر میں آخری دفعہ آنا تھا۔ ایک دفعہ کہنے لگیں ایک میرا نیا سویٹر تھا۔ میں نے صرف ایک مرتبہ پہنا تھا۔ وہ لڑکی نے غلطی سے دھو دیا ہے اور وہ سکڑ گیا ہے مجھے پورا نہیں آتا میں نے کہا مجھے دے دیں کہنے لگیں پہنا ہوا ہے۔ میں نے کہا پھوپھی جان میں پہنا ہوا ہی لینا چاہتی ہوں۔ وہ آپ کا تبرک ہے اس سے بڑھ کر مجھے کیا چاہیے۔ کہنے لگیں شرم آتی ہے تم کیا سوچو گی۔ میں نے بہت اصرار کیا تو اگلے دن پلاسٹک کی تھیلی میں وہ سویٹر اور ساتھ ایک چٹ کہ مجھے تو سخت شرم آ رہی ہے مگر تمہارے اصرار کی وجہ سے بھجوا رہی ہوں۔ یوں تو پھوپھی جان بنے بہت دیا تھا لیکن سویٹر کی بہت خوشی ہے۔ ایک جوڑا تحفہ دیا تھا کہنے لگیں پاجامے کا رنگ ذرا مختلف ہے۔ تم اس کے ساتھ کا پاجامہ بنا لینا۔ مگر ابھی نہ پہننا۔ بی کی شادی کرو گی۔ جب پہننا پھر مجھے یاد کرنا کہ میری پھوپھی نے مجھے یہ جوڑا دیا تھا میں نے کہا کیوں پھوپھی جان خدا آپ کو سلامت رکھے۔ آپ انشااللہ بی کی شادی میں بھی شریک ہونگی کہنے لگیں انسان کا کچھ پتا نہیں۔

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۲۲،۲۳)

صاحبزادی امتہ العزیز بیگم صاحبہ بیگم صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب تحریر کرتی ہیں۔

''حضرت پھوپھی جان نے ایک دفعہ مجھے سونے کے چھوٹے بندے دیے اور کہا یہ تمہارے پھوپھا جان میرے لیے لائے تھے میں تمہیں دے رہی ہوں سنبھال کر رکھنا مگر میری کوتاہی سے غالباً وہ قادیان رہ گئے جس کا اب تک افسوس ہے۔'' (ذاتی تحریر)

# اپنے بچوں کو عشق خدا اور عشق رسولؐ کی نصیحت اور دعائیں

آپ کو ہر ماں کی طرح اپنی اولاد سے محبت تھی لیکن یہ پیار آپ کو دوسری ماؤں کی طرح دین سے غافل نہیں کرتا تھا بلکہ آپ کی پہلی نصیحت اپنے بچوں کو نماز روزے کی پابندی۔ عشق خدا عشق رسول ﷺ عشق مسیح موعود اور خلافت سے سچی وفا اور وابستگی کی ہوتی تھی چنانچہ درعدن میں کتنی ہی نظموں میں اپنے پیاروں کو نصیحت کرتی ہیں اپنی بیٹی محمودہ بیگم کو شادی کے روز رخصت کرتے ہوئے دعائیہ نظم میں فرماتی ہیں ؎

بس ایک درد ہو، کہ رہو جس سے آشنا
محبوب جاوداں کی محبت نصیب ہو
ہر وقت دل میں، پیار سے یاد خدا رہے
یہ لذت و سرور یہ جنت نصیب ہو

(درعدن صفحہ ۴۹)

اپنے سوتیلے بیٹے خالد (عبدالرحیم خاں صاحب) کو جو لندن میں فیل ہوکر بیمار بھی ہو گئے تھے کو نصیحت آموز دعائیں دیں ؎

آگاہ ہو تم پہلے، اسلام کی سنت سے
دیتی ہوں دعا خالد، پھر صدق و محبت سے
مخدوم وہی ہو گا، جو دین کا خادم ہے
سب شان ہے مسلم کی اسلام کی شوکت سے
سینچا بھی کرو اس کو پانی سے دعاؤں کے
پھل کھانے ہیں گر تم نے کچھ نخل ریاضت کے

(درعدن صفحہ نمبر ۶۹ تا ۷۱)

اپنے بیٹے نواب مسعود احمد خاں صاحب کو ان کے بچپن میں لکھ کر دعا دی

دو جہاں میں، تجھ کو حاصل، گوہر مقصود ہو
اے مرے مسعود، تیری عاقبت محمود ہو

(درعدن صفحہ۴۷)

اپنے پوتے حامد احمد خاں کو نظم لکھ کر دی ''محمدﷺ کا خدا'' تا کہ بچے کے دل میں شروع سے حضرت رسول مقبولﷺ کی اور آپ کے پیارے خدا کی محبت رچ جائے فرماتی ہیں ۔

نبھا دی اس نے، جس سے دوستی کی
پھرا ہے جب بھی، بندہ ہی پھرا ہے
نہیں کچھ اس کے احسانوں کا بدلہ
کسی نے جان بھی دے دی تو کیا ہے
ذرا آگے بڑھے اور ہم نے دیکھا
وہ خود ملنے کو بڑھتا آرہا ہے
محمدؐ کا خدا ہے پیار والا
محمدؐ کا جہاں میں بول بالا

(درعدن صفحہ۳۹)

آپ کے بھتیجے اور داماد حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب بغرض تعلیم انگلستان جاتے ہیں تو دعائیں دیتی ہیں ۔

ہر گام پر ہمراہ رہے نصرت باری
ہر لمحہ و ہر آن خدا حافظ و ناصر
ہر علم سے حاصل کرو عرفان الٰہی
بڑھتا رہے ایمان خدا حافظ و ناصر

ہر بحر کے غواص بنو، لیک بایں شرط
بھیگے نہیں دامان، خدا حافظ و ناصر

(درعدن۲۹)

اپنے ان پیارے جگر گوشوں کیلئے، نہ صرف خود دعائیں کرتیں بلکہ الفضل مصباح اور جماعتی رسائل کے ذریعے بھی دعاؤں کی تحریک کرتیں ملاقاتی خواتین اور خطوط لکھنے والوں کو بھی ان سب کیلئے دعاؤں کی تاکید کرتیں۔ جب بریگیڈیر ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب (آپ کے داماد) اور بیٹی انگلستان کچھ عرصے کیلئے گئے آپ ان کے بچوں کے پاس لاہور آ کر رہیں جب بھی میں ملنے جاتی آپ فرماتیں مجھ سے محبت ہے تو وعدہ کرو بے بی اور اس کے میاں کی ہر طرح خیریت اور کامیابی سے واپسی کی دعائیں ضرور کرو گی۔ کبھی فرماتیں نجھن (حضرت نواب مسعود صاحب کی بڑی بیٹی آپ کی پوتی) کے نیک نصیب کیلئے دعا کرو۔ کبھی فرماتیں امتہ الحی (آپ کی نواسی آپا محمودہ صاحبہ کی بیٹی) کی نیک قسمت کیلئے دعا کرو۔ اور پھر فرماتیں میں تو ساری دنیا کے بچوں کے نیک نصیب نیک قسمت ہونے کی دعا کرتی ہوں۔

# بہن جب بہو بنیں ان سے حسن سلوک اور محبت

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی چھوٹی بہن، حضرت سیدہ امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کی شادی، حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کی زوجہ اول کے بیٹے حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحب سے ہوئی- اس طرح آپ کی بہن، بہو کے نازک رشتے میں بندھ گئیں لیکن دونوں بہنوں میں مثالی پیار و محبت رہا-

آپا آصفہ بیگم نے کہا اکٹھے رہنے میں اونچ نیچ بھی ہوتی ہے- بچوں میں لڑائی جھگڑا بھی ہوتا ہے لیکن اپنے بچوں تک سے، اپنی بہن کے متعلق کوئی شکایت سننے کو تیار نہ تھیں- ایک مرتبہ خالہ جان سے کسی نے میری جھوٹی شکایت کی خالہ جان نے مجھے کافی سے زیادہ ڈانٹا اور فرمایا کہ میں تم سے نہیں بولتی- میں نے لڑکپن میں جواب دیا نہ بولیں- امی جان نے سن لیا (ہم رتن باغ میں ان دنوں رہتے تھے) امی مجھے اوپر کمرے میں لے گئیں اور اس قدر ڈانٹا اور اس قدر ناراض ہوئیں- بس مارنے کی کسر ہی رہ گئی تھی- کہ تم نے اپنی خالہ اور بھابھی کو جواب کیسے دیا؟

اسی طرح کسی قریبی نے خالہ جان کی شکایت امی سے کی، امی جان نے کہا کہ ''حضرت اماں جان کے انتقال کے بعد سے، میں نے فیصلہ کیا ہے،کبھی امتہ الحفیظ کو کچھ نہیں کہوں گی-''

اسی طرح خالہ جان نے امی جان کی وفات کے بعد ہم بہنوں کے خلاف کبھی کسی کی سچی شکایت بھی نہیں سنی اور یہ ہی کہا کہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ آپا جان کے انتقال کے بعد کبھی ان کی اولاد کے خلاف کسی کی کوئی بات نہ سنوں گی-

(تحریر آپا بے بی)

صاحبزادی فوزیہ شمیم صاحبہ تحریر کرتی ہیں۔'' جب پارٹیشن ہوا تو میں چھ سال کی تھی۔ ہجرت کی تلخیاں ہم بچے بھی خوب محسوس کرتے تھے۔ ابھی گھر چھٹنے کا غم تازہ تھا کہ ہمارے والد نواب محمد عبداللہ خاں صاحب دل کے شدید حملے سے بیمار ہو گئے کچھ عرصہ تو بچنے کی بھی کوئی امید نظر نہ آتی تھی ہماری امی پر یہ وقت صبر آزما تھا۔ ہجرت کی تلخیاں، بیمار میاں۔ چھوٹے چھوٹے بچے، غرض بہت کڑا وقت تھا اس وقت ہماری خالہ جان حضرت نواب مبارکہ بیگم (کا جن کو اپنے دادا حضرت نواب محمد علی خان صاحب سے بیاہے جانے کی وجہ سے بڑی امی کہتے تھے) نے ایک ایسا نمونہ دکھایا جو کہ احمدی خاندانوں کے لئے ایک روشن مثال ہے۔ آپ نے پورا سال اپنا پلنگ امی کے کمرے میں ڈال لیا اور اپنی چھوٹی بہن کو میاں کی تیمارداری اور چھوٹے بچوں کی تربیت میں پورا پورا سہارا دیا اور یہ سلسلہ سال کے بعد اپنے رہائشی کمروں میں واپس جا کر بھی، جاری رہا۔ مجھے یاد ہے کہ رات کو سوتے ہوئے ہم دونوں بہن بھائی کو پاکیزہ سبق آموز کہانیاں سناتیں۔ تاکہ باپ کی بیماری سے جو پژمردگی اور اداسی ہے وہ بھی کچھ رفع ہو اور ساتھ ساتھ تربیت بھی ہوتی رہے۔ آپ کا تربیت کا انداز بہت گہرا تھا۔ چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی نظر انداز نہ کرتیں۔ پیار اپنی جگہ تھا لیکن تربیت کے معاملے میں کوئی لحاظ نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ کچھ کہنے سے پہلے ہی ہم بڑوں کی آنکھیں پڑھنے لگ گئے تھے۔ ایک بار ٹوک دیا اور پھر آنکھ کا اشارہ کافی تھا۔ ہم چونکہ بہت چھوٹے تھے اس لئے ابا کی بیماری کی وجہ سے اس کمرے کے قیدی بن گئے تھے۔ وقت کی ضرورت اور مصلحت بھی یہی تھی۔ ''رتن باغ'' مختلف لوگوں سے بھرا پڑا تھا۔ ایسے ماحول میں اس عمر کے بچوں کے لئے احتیاط لازم تھی۔ دونوں بہنوں کو ہر قسم کی بات بھی کرنی پڑتی تھی۔ آج کل دیکھنے میں آیا ہے کہ بچے معصومیت میں بڑوں کی باتیں دہرا دیتے ہیں اور بڑے بھی ہنسی میں ٹال دیتے ہیں۔ میرے بچپن کا یہ گہرا تاثر ہے جو میخ کی طرح دل میں گڑا ہے۔ بڑی امی کی مشفقانہ ہر روز نصیحت آج بھی کانوں میں گونجتی ہے۔

''دیکھو بچو، بڑوں کی بات کبھی لے کر نہیں اڑتے مثل مشہور ہے چور آئی چیز چھپاؤ- لُتری آئی بات چھپاؤ'' اس نصیحت کا ایسا اثر تھا کہ برسوں ماں باپ کے ساتھ ایک کمرے میں رہے لیکن کبھی اندر کی بات باہر جا کر نہیں دہرائی- آپ بچوں کے ساتھ گفتگو میں انتہائی احتیاط سے کام لیتیں- کوئی خاص بات کرنی ہو تو بس آنکھ کا اشارہ کافی تھا ہم چوں چراں کئے بغیر باہر چلے جاتے-''

آپا محمودہ بیگم صاحبہ تحریر کرتی ہیں کہ

''جب بہن بہو بنیں تو میں بتا نہیں سکتی کیونکہ جب طیبہ بیگم پیدا ہوئیں میں صرف چھ ماہ کی تھی تب ہی میں نے خالہ جان کا دودھ پیا تھا میں نے ان کو جب بھی دیکھا پیاری خالہ کے روپ میں ہی دیکھا- امی جان کو بھی بہن کی طرح ہی دیکھا- اس رشتہ میں مجھے کوئی پیچیدگی محسوس نہیں ہوئی خالہ جان نے بڑی بہن کا احترام کیا- امی جان نے شفقت کا سلوک کیا- اگر کبھی کوئی بات ہوئی ہو گی تو ہمیں کبھی علم نہیں ہوا امی جان کا ظرف بہت بڑا تھا- ہمیں بھی ہمیشہ خالہ جان کے احترام کی تلقین کی- بھائی بھی ہم سے بہت بڑے تھے- بہت سادہ طبیعت کے تھے- ان کے ساتھ ہم بہت بے تکلفی سے بات کر لیتے تھے-''

(ذاتی تحریر)

''منجھلے بھائی اور خالو جان (نواب عبداللہ خاں صاحب) بیمار تھے لمبے عرصے تک بیماری کاٹی اس میں امی جان نے خالہ جان کا پوری طرح سے ہاتھ بٹا یا سال ڈیڑھ سال تک اپنے گھر، صرف نہانے کپڑے بدلنے آتی تھیں- دن رات ایک کر دیے تھے- میں جو اتنی لاڈلی تھی مگر ان دنوں مجھے بھی بھولی ہوئی تھیں کہ کس طرح رہ رہی ہے کیا کر رہی ہے یہ بھی ہوش نہ تھا-''

(تحریر آپا آصفہ (بے بی)

اپنے والد صاحب کی بیماری کے بارے میں آپا طاہرہ صدیقہ تحریر کرتی ہیں-

''ابا جان کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور حالت بہت نازک تھی، خالہ جان کئی مہینہ سے اپنا کمرہ چھوڑ کر امی جان ابا جان کے پاس آ گئیں ان ہی کے پاس اپنا پلنگ لگوا لیا اور جب تک ابا جان کی حالت بہتری کی طرف نہیں آئی خالہ جان کا یہی معمول رہا۔ اس وقت میری بہن فوزیہ ساڑھے سات سال کی تھی اور میرا بھائی مصطفیٰ چھ سال کا تھا۔ امی جان تو ابا جان کی بیماری کی وجہ سے بہت مصروف اور پریشان تھیں۔ خالہ جان ان دونوں بچوں کا خیال بھی رکھتیں اور ساتھ ہی ساتھ تربیت کا بھی پورا خیال ہوتا۔ چھوٹے چھوٹے سبق آموز قصے سناتیں نصیحتیں کرتیں نماز وغیرہ کی تلقین کرتی رہتیں۔''

بلکہ حضرت نواب عبداللہ خاں صاحب نے اپنی صحت یابی کے بعد شکریہ کا ایک مضمون لکھا جس میں آپ نے تحریر کیا کہ

''پھر اپنی والدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا شکریہ ادا کرنے کیلئے الفاظ نہیں پاتا۔ انہوں نے میری محبت میں ایک سال نہایت تکلیف اور بے آرامی میں گزارا۔ ہر قسم کے آرام و آسائش کو چھوڑ کر، میرے آرام میں لگی رہیں نہ صرف یہ کیا، بلکہ جماعت میں جو مضطربانہ اور بیقراری کا جذبہ دعا کیلئے پیدا ہوا۔ زیادہ تر انہی کی تحریک کا نتیجہ تھا۔ ان کی رباعیات نے جماعت میں ہلچل مچا دی۔ ایسا ولولہ پیدا کر دیا کہ اہل بیت مسیح موعود سے محبت رکھنے والے، انہی کے رنگ، مادرانہ محبت میں رنگیں ہو گئے اور اضطراب و بیقراری سے دعا کرتے تھے۔''

(تاریخ لجنہ جلد سوم صفحہ ۴۷)

نوابزدہ میاں عباس احمد خاں صاحب تحریر کرتے ہیں۔

''عمر میں میری والدہ مجھ سے صرف سولہ سال بڑی تھیں۔ خاکسار کے بچپن کا زمانہ زیادہ تر اپنے دادا حضرت نواب محمد علی خاں صاحب اور خالہ سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے ساتھ گزرا ہے اس لئے عاجز اپنی والدہ کے ساتھ زیادہ بے تکلف نہ تھا---- خالہ جو میری سوتیلی دادی بھی تھیں۔ ان سے زیادہ بے تکلف تھا۔ پارٹیشن کے بعد ہمیں

رتن باغ سے جہاں ہم ابتدا میں پناہ گزین ہوئے تھے- حکومت کی طرف سے متبادل کوٹھیوں میں جانے کو کہا گیا- اس وقت حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کو میرے والد محترم کے ساتھ ۱۰۸ اسی ماڈل ٹاؤن میں جگہ الاٹ کی گئی تھی اور اس عاجز کو اور میرے ماموں اور خسر حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کو ۵ ڈیوس روڈ پر کوٹھی پام ویو الاٹ کی گئی- لیکن میری خالہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی خواہش تھی کہ وہ میرے ساتھ رہیں- لہذا عاجز کی یہ خوش قسمتی تھی کہ وہ ۱۹۶۶ء تک ایک ہی جگہ ہمارے ساتھ رہیں- اس عاجز سے اور اپنی بھتیجی یعنی میری اہلیہ امتہ الباری بیگم سے بہت پیار کرتی تھیں اس لمبے عرصے کی خوشگوار یادیں کبھی بھولتی نہیں-''

(دخت کرام صفحہ ۲۵۸)

# اپنی بچیوں کی اعلیٰ تربیت

آپ کی صاحبزادی سیدہ محمودہ بیگم، بیگم مکرم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب فرماتی ہیں۔

''جب سے ہوش سنبھالا اس ماں کے وجود کو اپنے لیے سپر کی طرح محسوس کیا۔ بچپن میں ذرا کوئی تکلیف ہوئی کان میں درد ہوا۔ اچھی طرح یاد ہے باوجود علیحدہ کمرے میں سونے کے، پھر وہاں اپنے پلنگ پر آرام نہ ملتا تھا۔ جب تک امی جان اپنے پاس نہیں سلاتی تھیں۔ ابا میاں، دوا دیتے تھے۔ امی جان آہستہ آہستہ تھپکتی جاتیں تھیں، تب مجھے چین ملتا تھا۔ اس وقت جو لذت اور سرور ملتا تھا وہ مجھے اب بھی یاد ہے۔ بعض وقت دل چاہتا تھا ہر روز بیمار ہی رہوں، اور رات کو امی جان کا قرب ملے۔ لیکن یہ ہمارے ہاں رواج نہیں تھا کہ دو ڈھائی سال کی عمر کے بعد بچہ ماں باپ کے کمرے میں سوئے۔ بس دل تڑپ کر رہ جاتا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم سے غافل رہتی تھیں رات کو سونے سے پہلے اپنے پاس بلاتیں۔ کچھ اچھی اچھی دینی باتیں یاد کرواتیں (اس میں ہمارے والد صاحب جن کو ہم ابا میاں کہتے تھے ان کا بھی بڑا حصہ ہے) اگر ہم بیمار ہوتے تو دوا خود دیتیں۔ مالش اپنے سامنے کرواتیں۔ پھر پیار کرکے رخصت کرنا اچھی طرح یاد ہے۔ صبح صبح پھر اپنے پاس بلانا اپنے ساتھ لحاف میں بٹھا لینا۔ آتے ہی السلام علیکم کہنے کا دونوں کی طرف سے حکم تھا۔ پھر رات کی بتائی ہوئی باتیں دہرواتیں اور آنحضرت ﷺ اور تمام نبیوں کے حالات بتاتیں۔ حضرت مسیح موعود کے زمانے کی ہماری سمجھ کے مطابق باتیں بتاتیں۔ یہ معمول تھا دن میں بھی اکثر کچھ نہ کچھ نصیحت کرتے رہنا، اٹھتے بیٹھتے اور کھانے تک کے انداز دیکھنا اور غلطی پر ٹوکنا۔ اگر

بار بار وہی غلطی ہو جائے تو پیار آمیز سرزنش بھی کرنی۔ جب نماز فرض ہوئی، تو باقاعدہ نماز کی تاکید، اور صبح تلاوت قرآن کریم پر نظر رکھنی لیکن مارا کبھی نہیں۔ صرف ڈراوا دیتی تھیں۔ بات کا ہی اتنا رعب تھا، اور مار کھانے کی شرم کہ خود بخود بری عادت دور ہو جاتی۔ کھیلنے کودنے کی آزادی تھی۔ گھر میں بہت سی پروردہ لڑکیاں تھیں شریف خاندانوں کی بھی اور ملازموں کی بھی۔ کبھی منع نہیں کیا کہ ان کے ساتھ نہ کھیلو۔ صرف یہ اجازت نہیں تھی کہ دروازے بند کر کے کھیلیں گڑیاں کھیلی جاتیں۔ گھر بنائے جاتے۔ لیکن اپنی نظر میں رکھتیں۔ کمرہ بند کر کے لڑکیوں سے کھیلنے کی اجازت نہیں تھی اس وقت کم عمری کی وجہ سے حیرت ہوتی تھی مگر جوں جوں عمر بڑی ہوتی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ تو بہت اچھا تربیت کا انداز تھا کیونکہ بعض لڑکیاں گھروں میں پکی پکی اور گندی باتیں سیکھ کر آتی ہیں۔ جو ناپختہ ذہنوں کیلئے زہر کا کام دیتی ہیں۔ حکم تھا جو کوئی ایسی ویسی بات بتائے تو فوراً مجھے بتاؤ۔ شکایت تو کبھی کسی کی، نہیں کی، لیکن بات کرنے والی کو ہمیشہ ٹوک دیا کہ مجھ سے ایسی بات نہ کرو نہیں تو امی جان کو بتا دوں گی۔ ویسے لڑکیاں سب بہت شریف تھیں۔ سنبھل جاتی تھیں (ان سب لڑکیوں سے ہمیشہ اچھا سلوک کیا اور ان کی تربیت بھی ہمیشہ اسی انداز سے کرنے کی کوشش کی جس طرح اپنے بچوں کی) جب ہم ذرا لکھنے پڑھنے کے قابل ہوئے اپنی رشتہ کی بہنوں سے بچگانہ قسم کی خط و کتابت شروع ہوئی۔ امی جان کا طریقہ یہ تھا کہ جب تک میری عمر سولہ سترہ سال کی نہیں ہو گئی خط ضرور پڑھتی تھیں۔ فرمایا کرتی تھیں کچی عمر میں اس بات کا احساس نہیں ہوتا۔ بعض وقت غلط قسم کی بات بچہ لکھ دیتا ہے۔ یہ نہیں کہ ہم پر اعتماد نہیں۔ لیکن ماں باپ کو نظر رکھنی پڑتی ہے۔ ہم نے کبھی برا نہ مانا۔ اس کے بعد جب دیکھ لیا کہ سمجھ کی، عمر آ گئی ہے۔ پورا اعتبار کیا۔ بھائیوں کے ساتھ بھی ابا میاں اور امی جان کا یہی طریق تھا۔ دس بارہ سال کی عمر کے بعد ان کو مردانے میں بھیج دیا جاتا۔ جس کا زنانے مکان سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ صبح ناشتے اور دونوں وقت کے کھانے پر یا دن میں کسی وقت اندر آتے۔ ان

سے دستر خوان پر خوب باتیں ہوتیں- کچھ دیر بہنوں کے پاس اور بڑوں کے پاس بیٹھتے پھر باہر چلے جاتے- ان کے لیے ہمیشہ، قادیان سے بزرگ استاد بلا کر بطور اتالیق رکھتے جو تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر بھی کڑی نظر رکھتے- کھیل کود، ورزش کرواتے ہم لڑکیوں کو ہمیشہ اچھی کتابیں اور رسالے پڑھنے کو دیتیں- اجازت کے بغیر کوئی اور رسالہ یا ناول نہیں پڑھ سکتے تھے- میں کافی بڑی ہوگئی تو خود ہی خیال آیا کہ یہ تو ابھی تک بچگانہ کتابیں ہی پڑھ رہی ہے، کہنے لگیں اتنے اچھے رسالے اور کتابیں گھر میں آتے ہیں تم اب تک بچوں والے پڑھے جا رہی ہو میں نے کہا، آپ نے کہا ہی نہیں- اس پر ہنس پڑیں اور کہا ہمارے ہاں سب چیزیں اچھی ہی آتی ہیں- یہ پڑھا کرو- صرف مجھ سے پوچھ لیا کرو- اگر کوئی کتاب ایسی ہوگی تو میں خود منع کر دوں گی- غرض عجیب رنگ تربیت کا تھا، اعتماد بھی، کڑی نظر بھی- باتوں باتوں میں نصیحت کے طور پر کہتیں اور بار بار کہتیں میں نے حضرت مسیح موعود کو فرماتے سنا ہے بلکہ بہت چھوٹی عمر میں مجھے اپنے پاس بٹھا کر فرمایا تھا کہ لڑکی اور عورت کی عزت، موتی کی طرح ہوتی ہے اگر ایک بار اس کی آب مٹ جائے تو کبھی واپس نہیں آتی، یہ بھی جب کوئی ایسی ویسی بات باہر سے کان میں پڑ جائے یا کسی واقعہ کا ذکر اخبار وغیرہ میں ہو- تب ہمیں سنا کر یہ باتیں کرتیں تاکہ دل پر کوئی بُرا اثر نہ پڑے- کہا کرتی تھیں حضرت مسیح موعود نے باوجود اس کے کہ میں بہت چھوٹی تھی اور کسی بات کے سمجھنے کی عمر نہیں تھی، ایک بار مجھے پاس بٹھا کر عورتوں کو نصیحت فرمائی تھی کیونکہ بعض عورتوں نے کسی کے متعلق کوئی بات اڑا دی تھی اسی خیال سے ہمارے کان میں بھی یہ بات ڈالتی رہتی تھیں اور ہمیشہ ہمارے والد صاحب نے بھی، اور امی جان نے بھی، یہی بات دل میں ڈالی اور یہ خیال پختہ کیا کہ، تم میری عزت نہیں حضرت مسیح موعود کی عزت ہو- ہمیشہ نصیحت کی کبھی جھوٹ نہ بولنا- ساتھ یہ بھی کہنا، یہ تو مجھے یقین ہے تم جھوٹ نہیں بولتیں پھر بھی انسان سے غلطی ہو جاتی ہے اس سے ہمیشہ بچو- ادھر کی بات ادھر کرنے سے نفرت تھی اور یہی نصیحت حضرت

اماں جان کی تھی۔

(آپا محمودہ بیگم صاحبہ مصباح دسمبر ۷۷ جنوری ۷۸ صفحہ ۲۹ تا ۳۱)

آپ کی چھوٹی صاحبزادی آپا آصفہ بیگم (بے بی) نے انٹرویو میں بہت مفید باتیں بتائیں۔ آپ نے بتایا ''امی جان ۹ سال کی تھیں جب وہ بالغ ہوئیں سخت پریشان ہوئیں حضرت اماں جان بھی بہت گھبرائیں فکرمند ہوکر پلنگ پر لیٹی ہوئی رو رہی تھیں کہ اتنی چھوٹی بچی بالغ ہوگئی ہے۔ امی جان آنکھیں بند کئے پلنگ پر لیٹی تھیں کہ حضرت مسیح موعود تشریف لائے حضرت اماں جان کو روتا دیکھ کر حضور پلنگ پر حضرت اماں جان کے پاس بیٹھ گئے اور بہت محبت سے رونے کی وجہ پوچھی حضرت اماں جان نے بتایا حضور نے فرمایا تم کیوں روتی ہو یہ تو مبارک بات ہے اور فرمایا پھول آئے ہیں تو پھل بھی آئیں گے۔ پھر حضرت اماں جان کو تسلی ہوئی اور ضروری ہدایات حضرت امی جان کو دیں۔

حضرت امی جان نے ہم بہنوں کو اس دور کی نزاکتوں کے بارے میں بتایا مجھے اپنا یاد ہے کہ پورے گھنٹے کا لیکچر دیا، عفت عصمت پاکدامنی پر۔کتنی لطیف اور نازک چیزیں ہیں ہر چیز کا خیال رکھنا کتنا ضروری ہے پھر طبی لحاظ سے نہایت صاف ستھرا رہنا ہے۔ اچھل کود نہیں کرنی۔ پاؤں گیلے نہیں ہونے چاہئیں۔ پہلے دو تین دن تو گرمیوں میں بھی سوتی پتلی جرابیں پہناتی تھیں ٹھنڈا پانی پینے اور استعمال کرنے سے پرہیز کرواتیں۔ پھر دینی اور شرعی مسائل بتاتیں کیا کرنا ہے اور کیا نہیں۔ آج کل نہ مائیں خیال کرتی ہیں نہ لڑکیاں۔ اس لئے بچیوں کی اکثریت بعض عوارض میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔

☆ امی جان ہمیشہ نصیحت فرماتی تھیں کہ چھپ کر کبھی کسی کی بات نہیں سننی نہ ماں باپ کی نہ بھائی بہن کی نہ کسی کی۔

☆ کبھی کسی کا خط اس کی اجازت کے بغیر نہ پڑھو۔ اس بات پر امی جان کا اس

قدر عمل تھا کہ ابا جان کی ڈائری، ان کی زندگی میں انہوں نے کبھی نہیں پڑھی کہ کیا لکھتے ہیں ان کی وفات کے بعد پڑھی۔ اور جماعت کو دے دی کیونکہ وہ جماعت کی امانت تھی۔

☆ جو بات تمہیں کوئی چھپانے کیلئے کہے کہ کسی بڑے کو نہیں بتانا مجھے وہ ضرور بتانا۔ اور جس بات کو تمہارا دل خود چھپانے کو چاہے وہ بھی ضرور بتانا۔

☆ کبھی کسی کو راز دار نہ بنانا۔ نوجوانی کی عمر میں اکثر لڑکیاں اپنی سہیلیوں سے اپنے اچھے برُے خیالات کا اظہار کر دیتی ہیں جو بعد میں شرمندگی کا موجب بنتے ہیں۔

☆ کبھی کسی کو کوئی تحریر نہ دینا۔ کبھی ماں باپ کے پوچھے بغیر کسی کاغذ پر دستخط نہ کرنا۔

حضرت امی جان نے زندگی کے ہر پہلو پر نہایت گہری نظر سے نصیحتیں کیں کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا۔ وہ باتیں جو مائیں اپنی بیٹیوں سے کرتے ہوئے جھجک محسوس کرتی ہیں وہ بھی میری امی نے حیا کے پردے میں لپیٹ کر سمجھائیں۔

محترمہ آپا بے بی صاحبہ اپنے لڑکپن کی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں میں نیند کی بہت ماتی تھی۔ صبح نماز کیلئے جگاتیں اور کبھی سستی کرنے پر یہ مصرعہ اپنا جو میرے لیے جوڑا تھا پڑھتی جاتیں اور ٹہلتی جاتیں ؎

کچھ تو خوف خدا کرو بے بی
کچھ تو بے بی خدا کا خوف کرو

پھر نماز کے بعد کہتیں تمہاری بہنیں تو اس عمر میں تہجدیں پڑھتی تھیں تم فجر کی نماز کیلئے اٹھنے میں سستی کرتی ہو حالانکہ میں نماز پڑھ کر تم کو جگاتی ہوں۔ یہی عمر ہے اس میں خدا سے کچھ مانگ لو۔ بعد میں تو اور ذمہ داریاں پڑ جاتی ہیں، بچے ہوتے ہیں پھر انسان میں اتنی طاقت بھی نہیں رہتی (میری عمر اس وقت ۱۵-۱۶ سال تھی) پھر

حضرت خلیفتہ المسیح الاول کی نصیحت اکثر دہراتیں کہ ازبر ہو گئی- اپنے اچھے نصیب والی دعا، حضرت امی جان نے بتایا کہ میں اور امتہ الحی ساتھ کھیل رہی تھیں چند اور بچیاں بھی تھیں کہ حضرت خلیفتہ المسیح الاول پاس سے گزرے تو آپ نے سب بچیوں کو یہ دعا کرنے کی تلقین کی کہ اللہ میاں سے کیا شرم، تم بچیاں دعا کرو، اللہ میرا نصیب اچھا کر دے-

آپ رسالے اور کتابیں خود دیکھ کر مجھے پڑھنے کیلئے دیتی تھیں اور ساتھ ہی فرما دیتیں کہ اس میں جو رومانس ہے تم اپنے آپ کو اس سے بالا سمجھنا کیونکہ اس عمر میں عموماً لڑکیاں اس قسم کی باتوں کو اپنے اوپر چسپاں کرکے مزے لیتی ہیں اور پھر اس قسم کی چیزوں کی تلاش میں ہو جاتی ہیں-

امی جان مجھے دس روپیہ مہینہ جیب خرچ دیتی تھیں (جو بعد میں بیس روپیہ ہو گیا تھا) اور تاکید تھی کہ اس میں سے اپنا چندہ خود ادا کرو- ۱۶ سال کی عمر میں میری وصیت کرا دی تھی-

(ذاتی تحریر)

میں نے آپا بے بی سے سوال کیا کہ آپ کو کبھی امی جان سے ڈانٹ پڑی انہوں نے جواب دیا- ''امی جان کی بات، اور ان کے انداز میں ہی اتنا رعب تھا کہ ہماری مجال نہیں تھی کہ اس کے خلاف کر سکیں- امی جان سے مجھے صرف ایک چانٹا پڑا اور وہ نماز پر- ہوا یوں کہ امی عصر کی نماز کے بعد تیار ہو کر کہیں جا رہی تھیں میں نے ان سے آ کر پوچھا کہاں جا رہی ہیں؟ انہوں نے مجھے کہا جاؤ عصر کی نماز پڑھو- میں چلی گئی پھر تھوڑی دیر میں آ گئی اور پھر میں نے کچھ پوچھا، انہوں نے مجھے پھر کہا جاؤ نماز پڑھو، تھوڑی دیر بعد میں پھر آ گئی، اور پھر میں نے کچھ پوچھا امی جان نے پوچھا نماز پڑھ آئیں؟ میں نے کہا نہیں- امی جان نے مجھے ایک چانٹا مارا- میرے تو حواس گم ہو گئے کیونکہ انہوں نے کبھی نہیں مارا تھا- ایک چانٹا مجھے ابا جان سے قرآن کریم

بار بار بتانے کے باوجود غلط پڑھنے پر پڑا۔

میں چونکہ سب سے چھوٹی اولاد تھی اور ۸ سال کے وقفے سے ہوئی تھی اس لئے ابا جان اور امی جان بہت ناز برداری کرتے اور انہیں اس چیز کا احساس بھی تھا چنانچہ میری شادی سے پانچ چھ روز پہلے امی جان نے الفضل میں دعا کی تحریک کی کہ میری سب سے چھوٹی اولاد آصفہ بیگم کی شادی ہے جس کی تربیت میں لاڈ پیار کی وجہ سے کمی رہ گئی ہے احباب جماعت اس کی کامیاب شادی کے لیے دعا کریں میں نے امی جان سے کہا آپ نے بڑی آپا کی رخصتی پر اتنی دعاؤں بھری نظم کہی اور میری ہجو کی۔ کہنے لگیں ساری اولاد سے الگ تمہارے لئے ایک سجدہ مخصوص کیا ہوا ہے۔

ہم رتن باغ لاہور میں رہتے تھے میرا رشتہ طے ہو چکا تھا میں کافی نکمی تھی امی جان نے مجھے کوئی کام کہا جو مجھ سے معیار کے مطابق نہ ہوا۔ آپ نے کوئی لحاظ نہ کیا۔ کچھ فاصلے پر ممانی جان (میری ساس صاحبہ بیٹھی تھیں۔ ان کو آواز دے کر کہا کہ بھابھی جان میں آپ کو ابھی سے بتائے دیتی ہوں کہ میری بیٹی آپ کے بیٹے کا گھر، خاک میں اڑائے گی انہوں نے بھی سن کر ایک قہقہہ لگایا۔ (گویا نہ ماں نے بیٹی کا عیب بتانے میں شرم کی اور نہ ساس نے برا منایا۔ یہی اصول تو گھروں کو جنت بنانے کے ہیں۔)

میں ایک سال اپنی سسرال میں رہی میری ممانی جان (بیگم حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب) جو پشاور کی تھیں اور ذرا سخت طبیعت کی سمجھی جاتی تھیں۔ میں شادی سے پہلے ان سے بہت ڈرتی تھی۔ لیکن امی جان کی تربیت کی وجہ سے نہ مجھے ان سے اور نہ انہیں مجھ سے کوئی شکایت ہوئی۔ یہاں میں یہ بھی کہتی چلوں میری ممانی جان بذات خود بہت اچھی ساس تھیں۔ انہوں نے کبھی میری کسی کوتاہی اور غلطی پر مجھے نہیں ٹوکا۔ اب سوچ کر شرمندگی ہوتی ہے کہ انہوں نے میری بے شمار غلطیاں کس طرح خندہ پیشانی سے معاف کیں۔

میری شادی ہوئی تو ہماری پہلی پوسٹنگ کوہاٹ ہوئی- امی جان میرے پاس آ کر چند دن رہیں- ایک دن میں نے دیکھا کہ امی جان صبح سے بیٹھی خطوط لکھ رہی ہیں ایک ڈھیر خطوط کا ہو گیا- اس میں سب عزیزوں پیاروں کو لکھ رہی تھیں کہ میں بے بی کی وجہ سے بہت پریشان رہتی تھی- اس کے گھر آئی ہوں تو حیران ہوں کیسے سلیقے سے گھر چلا رہی ہے یہ خدا کا فضل ہے-

میں نے بے بی آصفہ بیگم صاحبہ سے پوچھا آپ کو سلیقہ طریقہ کس نے سکھایا؟ کیا بیگم صاحبہ خود بھی سیتی اور پکاتی تھیں- انہوں نے جواب دیا کہ امی جان کو ہر چیز بہترین پکانی آتی تھی لیکن چونکہ خادمائیں بہت تھیں ایک ایک بچے پر دو دو کام کرنے والیاں تھیں اس لئے کبھی کوئی دعوت یا خاص اہتمام ہوتا تو اپنے پاس انگیٹھی منگوا لیتیں اور سارا سامان اور طریقہ خادمہ کو بتاتی جاتیں اور ساتھ دیکھتی جاتیں- سن سن کر ہم کو بھی آ گیا آپ مٹھائیاں تک بنا لیتی تھیں-

امی جان نے سلائی کبھی نہیں کی تھی کیونکہ ابا جان ہم بچوں کے کپڑے انگریزی فرموں سے منگواتے تھے- ایک مرتبہ ایک بچے کی ٹوپی ادھیڑ کر، آپ نے دیکھی کیسے سلی ہوئی ہے اور پھر بھائی (نواب) مسعود احمد خاں صاحب کی آپ نے سی، بالکل اصل کی طرح تیار کی تھی- لیکن اپنی بیٹیوں کو انہوں نے سلائی سکھوائی- دونوں بڑی بہنوں کی شادی کے بعد سلائی مشینوں کی ضرورت ہی نہیں تھی- مشینیں ضرورت مندوں کو دے دی تھیں- میں ذرا بڑی ہوئی تو ایک مرتبہ حضرت ماموں جان (حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب) کے یہاں کچھ عرصہ قیام کر کے آئیں تو فرمانے لگیں میں دیکھ آئی ہوں، ان کی بیٹیاں اس قدر اچھے کپڑے سیتی ہیں، اور اتنا سلیقہ ہے اب تم اپنے کپڑے خود سیا کرو- کپڑے لا کر مجھے دیتیں کہ اب پہننا ہے تو سی لو- درزی سے سلا ہوا کپڑا میں نے شادی سے پہلے کبھی نہیں پہنا-

دامادوں سے بیٹیوں سے بڑھ کر پیار کیا کہتی تھیں ''مول سے بیاج پیارا ہوتا

ہے۔" میرے میاں امی سے کافی مذاق چھیڑ چھاڑ کر لیتے تھے، تو بعض وقت ہنس کر کہتیں لو دیکھو! یہ مجھے اپنی سالی سمجھتا ہے۔"

دامادوں کو پیار بھری ڈانٹ ڈپٹ کر لیتی تھیں۔ مگر حضرت خلیفتہ المسیح الثالث کے خلافت کے مقام پر فائز ہوتے ہی اپنا رویہ ایسا بدلا، گویا وہ بڑے اور امی چھوٹی ہیں۔ ہم لوگوں کے دل میں بھی خلافت کی اہمیت اور عقیدت کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔ دعا کریں ہماری آئندہ نسلیں بھی خلافت کے مقام کو سمجھتی رہیں آمین سب داماد بھی امی کی بہت عزت اور قدر کرتے تھے۔

امی جان، ابا جان اکثر کھانے کی میز پر، ہم سب کو پچھلے واقعات بزرگوں، کی باتیں کثرت سے سناتے، جب سب عزیز آتے، تو یہ باتیں اور بھی زیادہ ہوتیں۔ بار بار پرانے واقعات اور بزگوں کی باتیں سننے سے یہ لگتا، جیسے ہم ان سب واقعات کے عینی گواہ ہیں اور ان بزرگوں سے ملے ہوئے ہیں بلکہ وہ سب ہمارے ساتھ ہی رہتے ہیں، ادھر ادھر گئے ہوئے ہیں ابھی پھر آجائیں گے۔ میں نے اپنی پھوپھی بو فاطمہ صاحبہ کو نہیں دیکھا، لیکن ان کی باتیں سن کر یہ لگتا تھا کہ میں نے انہیں دیکھا ہوا ہے۔

حضرت مسیح موعود کی بے شمار باتیں بتاتیں، ہر وقت کوئی نہ کئی بات سناتیں جو ازبر ہوگئی تھیں، بلکہ ہمیں محسوس ہوتا جیسے ہم نے حضور کو خود دیکھا اور سنا ہوا ہے۔

# صبر و قناعت

صبر وتحمل:- غنا اور قناعت کا بھی ایک خاص وصف امی جان میں تھا- پارٹیشن کے بعد اپنا بھرا پڑا گھر چھوڑ کر رتن باغ لاہور کے ایک کمرے میں رہیں، جو اکثر لوگوں کے غسلخانے جانے کا رستہ تھا- آمدنی کے تمام ذرائع منقطع رہے- مگر زبان پر کبھی شکوہ نہ آیا- سب کچھ خندہ پیشانی سے برداشت کیا کسی کو تکلیف محسوس تک نہ ہونے دی-

خدا کا شکر ہے یہ عادت ہم بہن بھائیوں نے بھی امی جان سے ورثہ میں پائی سخت سے سخت وقت ہنس کر گزارا، میرا جہیز اپنی بہنوں سے حالات کی وجہ سے کم تھا- مگر مجھے کبھی احساس نہیں ہوا نہ اب ہے- اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں بے شمار فضل کیئے کہ شکر ادا نہیں ہوسکتا- بعض وقت بے ساختہ یہ مصرعہ زبان پر آتا ہے

کاش ہر موئے بدن میرا، زباں ہو جائے

پارٹیشن کے بعد میرے پاس تین جوڑے تھے جو عام پہنتی تھی بھائی حفیظ کی شادی پر انہیں کپڑوں کو رنگ رنگا کر پرانے گوٹے لگا کر پہنا- سیالکوٹ بارات میں بھی انہی کپڑوں میں گئی کسی کو احساس تک نہ ہوا کہ پرانے کپڑے ہیں- لوگ یہی سمجھتے تھے بہت بنی ٹھنی رہتی ہے-

میں چونکہ پندرہ سال کی عمر میں یتیم ہوگئی تھی- اس لئے شائد امی نے میری بہت سی بے ہودہ ضدیں وغیرہ برداشت کی تھیں- مگر کبھی کسی سنجیدہ بات پر تربیت میں کوتاہی نہیں کی مگر خود ان کا خیال تھا کہ میں تربیت کا فرض اچھی طرح ادا نہیں کر رہی- مگر میرا خیال ہے کہ میری امی، آج تک مجھے انگلی پکڑ کر چلا رہی ہیں- حتیٰ کہ میرا تکیہ کلام بن چکا ہے کہ امی یہ کہتیں تھیں امی وہ کہتی تھیں- زندگی کا کوئی پہلو انہوں نے تشنہ

نہ چھوڑا- وہ باتیں جو اکثر مائیں، اپنی بیٹیوں سے کرتے ہوئے جھجک محسوس کرتی ہیں وہ بھی میری امی نے، حیاکے پردے میں لپیٹ کر مجھے سمجھائیں اور میرا تجربہ ہے کہ جن باتوں پر میں نے بدقسمتی سے عمل نہیں کیا ان کا نقصان اٹھایا- اور جن پر عمل کیا وہ میری زندگی کا قیمتی سرمایہ بن گئیں-

دعا کریں یہ ورثہ جو میں اپنے بچوں میں تقسیم کر رہی ہوں- اللہ تعالیٰ ان کو عمل کرنے کی توفیق دے اور سب سے بڑا ورثہ تو یہ ہے کہ انہوں نے جو دعاؤں کا خزانہ ہمارے لیے اور ہماری اولادوں کے لیے چھوڑا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بھرپور حصہ لینے کی توفیق دے ان کی دعائیں ہی تھیں الحمدللہ کہ اللہ تعالی نے مجھے اُن اُن نعمتوں سے نوازا جن کی میں اہل نہ تھی-

(ذاتی تحریر)

بی بی امتہ الشکور صاحبہ (شکری) کہتی ہیں

بڑی امی کا نصیحت کرنے کا انداز بہت پیارا تھا- کبھی طنز اور طعنہ یا درشتی سے کام نہیں لیا- بلکہ حضرت مسیح موعود یا حضرت اماں جان کے حوالے سے بات کرتیں مجھے جو دو تین باتیں نصیحت کیں وہ بتا دیتی ہوں-

ایک بار میں ابا سے روٹھ گئی اور شاید دیر تک مانی نہیں یعنی چند گھنٹے- بڑی امی ہمارے گھر آئی ہوئیں تھیں- میرے کمرے میں تشریف لائیں اور قریب بیٹھ کر بڑے پیار سے سمجھایا کہ ”تم لوگ کس طرح اتنی دیر تک ماں باپ سے ناراض رہ لیتے ہو میں بھی بچپن میں ایک دفعہ حضرت اماں جان سے ناراض ہوگئی میں نے ان سے فرمائش کی کہ مجھے پراٹھا پکا کر ملائی پر بورا ڈال کر دے دیں مجھے بھوک لگی ہے- اس وقت انگیٹھی پر حضرت مسیح موعود کا کھانا اپنے سامنے خادمہ سے پکوا رہی تھیں کہنے لگیں صبر کرو اس وقت نہ چولہا فارغ ہے نہ مائی (اس کا نام مجھے یاد نہیں) تمہارے ابا کا کھانا پک جائے، تو پھر تمہیں پراٹھا پکوا دونگی میں بھوک کی وجہ سے ناراض ہو کر، اندر جا کر منہ سر

لپیٹ کے لیٹ گئی، تھوڑی ہی دیر بعد حضرت صاحب تشریف لائے اور مجھے اس طرح بے وقت لیٹا دیکھ کر حضرت اماں جان سے پوچھا کہ مبارکہ کو کیا ہوا ہے- حضرت اماں جان نے وجہ بتائی تو آپ نے فوراً ہانڈی اتروائی اپنے سامنے پراٹھا پکوایا- اوپر ملائی ڈالی پسی ہوئی چینی جسے ہم بورا کہتے ہیں وہ ڈالی، اور ٹرے میں رکھ کر میرے پاس لائے اور فرمایا ''مبارکہ اٹھو دیکھو تمہارے لئے کھانا لے آیا ہوں'' میں فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی کہ، اتنی بڑی ہستی میرے معزز باپ، خود میرے لیے کھانا لائے ہیں میں نے فورا ٹرے سامنے رکھ کر کھانا شروع کر دیا اور میں جب تک کھاتی رہی آپ وہیں بیٹھے خوش ہوتے رہے-''

ایک بار گھرداری کی بات چل نکلی تو مجھے فرمانے لگیں بجٹ نہ بنایا کرو- یعنی خرچ کی جو رقم ہے اسے ہر وقت ناپہ نہ کرو- حضرت اماں جان فرمایا کرتی تھیں کہ پیسے گننے سے برکت نہیں پڑتی وہ خدا تو بے حساب دینے والا ہے- تم بجٹ بنا کر اس کو محدود کیوں کرتی ہو-

ایک بار میں نے کسی کی وفات کی خبر بڑی امی کو دی، تو پہلے تو بہت افسوس کا اظہار کیا پھر کہنے لگیں تم بری خبریں نہ سنایا کرو- ایک بار بچپن میں میں باہر کھیل رہی تھیں ڈیوڑھی پر آ کر کسی نے مجھے کہا کہ فلاں صاحب کی وفات ہو گئی ہے حضور کو بتا دیں میں نے جا کر بتا دیا جس پر حضرت صاحب نے فرمایا ''مبارکہ تم ایسی خبریں مجھے نہ دیا کرو تمہیں اللہ تعالی نے خوشخبریاں سنانے کیلئے پیدا کیا ہے-''

اس بات کا ایسا دل پر اثر ہوا کہ میں بھی بڑی امی کی طرح آج تک ایسی ویسی خبر سنانے سے بے حد جھجک محسوس کرتی ہوں-

(ذاتی تحریر)

# بچیوں کے رکھ رکھاؤ کا خیال

صاحبزادی فوزیہ شمیم صاحبہ تحریر کرتی ہیں۔

''ہماری روحانی صحت کے ساتھ ہماری جسمانی صحت اور حسن کا بھی بہت خیال ہوتا۔ گھر کے بنائے ہوئے ڈھیروں نسخے آج بھی یاد ہیں۔ ذرا ہم لڑکیاں بڑی ہونے لگتیں تو کہنا شروع کر دیتیں کہ اب ''منہ متھے'' کا بھی خیال رکھا کرو۔ بچپن میں روڑے (بال سے چھوٹے چھوٹے پتھروں سے کھیلتے ہیں،) کھیلنے کا رواج تھا۔ ذرا بڑے ہوئے تو روک دیا کہ ہاتھوں میں ''اٹن'' پڑ جاتے ہیں۔ ننگے پاؤں پھرنے سے پاؤں بھدے اور بڑے ہو جاتے ہیں۔ مثل مشہور ہے ''سر بڑے سرداروں کے اور پاؤں بڑے گنواروں کے'' بڑی امی کو دیسی نسخے بہت آتے تھے۔ خود بھی ٹوٹکے ایجاد کر لیتی تھیں۔ دھوپ میں نکلنے سے رنگ ماند پڑ جائے، تو کھیرے کا پانی مل لو، دھوپ کا اثر دور کرنا ہو تو ثابت اسپغول بھگو کر اس کا لعاب ملنے سے چہرہ تروتازہ ہو جاتا ہے۔ گرمی دانے بھی دور ہو جاتے ہیں اور رنگت بھی کھلتی ہے۔ سردیوں میں منہ ہاتھ پھٹنے لگتے تو گلاب گلیسرین بنائی جاتی۔ گلاب کا عرق۔ گلیسرین اور نیبو کا عرق ملا کر شیشی بھر لی جاتی اور رات کو یا صبح اٹھ کر کچھ دیر لگائی جاتی۔ چہرہ ملائم اور رنگت کھلتی۔ چھوٹی مکھی کا شہد آنکھوں میں لگانے سے آنکھوں میں چمک پیدا ہوتی ہے۔ پلکوں پر کیسٹر آئل لگانے سے پلکیں لمبی ہوتی ہیں۔ غرض سینکڑوں چھوٹے موٹے نسخے بیان کرتی رہتیں۔ ہمارے ہاں شادیوں سے پہلے مایوں کے نسخے تو مشہور ہیں۔ ہماری غیر از جماعت سہیلیاں اپنے گھر کی شادی سے پہلے نسخے پوچھنے لگ جاتی ہیں۔

آج کل کے زمانے میں لڑکیوں کو لمبا عرصہ بچہ سمجھنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فطری

حیا کا زمانہ نکل جاتا ہے بڑی امی، چھوٹی عمر سے ہی بچوں میں حیا کا مادہ ڈالنا شروع کر دیتی تھیں۔ ۱۰،۱۱ سال کی عمر سے روک ٹوک کا زمانہ آ جاتا۔ پاؤں کھول کر نہیں بیٹھنا۔ بڑوں کے سامنے لیٹنے سے منع فرماتیں۔ بڑوں کی باتیں سننے سے منع کرتیں۔ آپ کہتیں بڑوں کی باتیں سننے سے بچوں کے منہ پکے ہو جاتے ہیں۔ گھر کے لڑکے بھی اگر آ جاتے تو ہمارے لیے یہ حکم تھا کہ اب کمرے سے اٹھ کر چلی جاؤ۔

باوجود اس کے کہ آپ کی بہت کم سنی میں شادی ہوئی تھی۔ آپ میں بڑی گہری سمجھ تھی۔ اور بچیوں کو بھی ازدواجی زندگی کے متعلق باتیں سمجھاتی رہتیں۔ آپ کی طبیعت میں بہت نفاست تھی۔ ہمیشہ صاف ستھرا اور دیدہ زیب لباس پہنتیں۔ آپ اس بات پر ہمیشہ زور دیتیں کہ خاوند کے سامنے بیوی کو اچھے حلیے میں رہنا چاہیئے۔ کھتری بیویوں سے میاں کا دل بیزار ہو جاتا ہے۔ آپ ہمیں سمجھایا کرتی تھیں کہ صبح اٹھو تو باسی منہ سے، کبھی میاں سے بات نہ کرو بلکہ الائچی بٹوے میں رکھو تا کہ منہ میں رکھی جا سکے۔ غسلخانے میں ہلکے رنگ کی لپ اسٹک رکھو صبح نہا دھو کر وہاں سے ہی لپ اسٹک لگا آؤ۔ آپ اکثر بتاتیں کہ، میاں سے میری عمر کا بہت فرق تھا لیکن میں نے کبھی محسوس نہ کیا۔ عمروں کے تضاد کو آپ کی فطرتی سمجھ اور عقل نے آپ کے ازدواجی تعلقات میں حائل نہیں ہونے دیا۔ ابا حضور (داداجان) بھی آپ کے بہت ناز اٹھاتے لیکن آپ نے بھی ان کے حقوق کا ہمیشہ خیال رکھا۔ جسم کی بدبو سے آپ کو نفرت تھی۔ نوکروں کو بھی اس کے دور کرنے کے نسخے بتاتی رہتیں۔ اور بچیوں کو ہر وقت تاکید ہوتی کہ عورت کو ہمیشہ صاف ستھری اور پاکیزہ حالت میں رہنا چاہیے۔ آپ کی ان باتوں کی حکمت بڑے ہو کر پتہ چلی۔ خود میرے مشاہدے میں ایسے رشتے ہیں جو صرف جسمانی صفائی نہ ہونے کی وجہ سے ٹوٹ گئے۔

(تحریر صاحبزادی فوزیہ شمیم صاحبہ صدر لجنہ لاہور)

آپا طاہرہ صدیقہ صاحبہ فرماتی ہیں ”اپنی امی جان کی نسبت خالہ جان سے

ہماری بے حد بے تکلفی تھی- لیکن ادب آداب کے ساتھ، ہر قسم کا مشورہ، ہر بات ان سے کر لیتے اور آپ بھی ہمارے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آتیں- مگر تربیت کے معاملے میں ان کی نظر بہت گہری تھی- کسی عزیزہ سے میری کچھ رنجش ہوئی خالہ جان کو بھی پتہ چل گیا پھر کچھ دن بعد جب میں جہلم سے آئی سب سے گلے ملی، اس عزیزہ سے بھی گلے ملی آپ نے بھی دیکھا بعد میں آپ نے فرمایا کہ مجھے بہت خوشی ہوئی کہ تم نے رنجش کو دور کر کے اسے گلے لگا لیا میرے دل میں تمہارے لیے محبت پیدا ہوئی گویا مجھے سبق دیا کہ وقتی رنجش کے بعد گلے لگانا ہی اچھا ہے-

تمام خواتین اور لڑکیاں پردے کی پابندی کریں چنانچہ آپ کی بہو آپا طیبہ بیگم نواب مسعود احمد خان تحریر کرتی ہیں-

''پردے کے متعلق ایک بات ہو رہی تھی یہ پارٹیشن کے بعد کا ذکر ہے- تو فرمانے لگیں کہ قرآن مجید میں سب حکم مردوں اور عورتوں کیلئے اکٹھے آئے ہیں- لیکن پردے کا حکم صرف اور صرف عورتوں کیلئے ہے- اس طرح صرف ایک حکم اللہ تعالی کا عورتوں کیلئے زائد ہے- پھر بھی عورتیں اس حکم پر صحیح عمل نہیں کرتیں-''

(ذاتی تحریر)

صاحبزادی آپا امتہ النصیر صاحبہ نے بتایا-

حضرت پھوپھی جان کسی برائی کا ذکر باتوں باتوں میں دوسروں پر مثالیں دے کر کانوں میں ڈالتی تھیں- ایک مرتبہ میں سارے دن آپ کے پاس رہی- مختلف انداز اور حکایتوں اور مثالوں میں آپ نے سچائی پر لیکچر دیا اور فرمایا کہ سچ بولنے والا کبھی کسی کے سامنے شرمندہ نہیں ہوتا-

☆ آپ ہمیشہ نصیحت کرتیں کبھی کسی کا خط اپنے آپ اٹھا کر نہ پڑھو-

☆ کبھی کسی سے بات کرید کرید کر نہ پوچھو- جتنی کوئی بتا دے سن لو- رازداری کہے تو رازداری رکھو-

☆ بچوں کو منع کرو کہ ماں کے پرس یا بیگ میں ہاتھ نہ ماریں- کام کے کاغذ زیور پیسہ رکھا ہوتا ہے-

آپ نے مزید بتایا کہ حضرت پھوپھی جان کا حضرت ابا جان سے بہت بے تکلفانہ، لیکن مودبانہ انداز گفتگو ہوتا تھا اور حضرت ابا جان بھی آپ سے کھل کر ہر قسم کی بات مشورہ کرتے جبکہ چھوٹی پھوپھی جان سے حضرت ابا جان کا بیٹیوں والا سلوک تھا-

کبھی آپ دعوت کرتیں صرف ''میاں'' کے رشتے داروں کی جس میں سب حضرت پھوپھا جان کے عزیز رشتہ دار ہوتے اور دوسروں کو فرماتیں کہ میں نے میاں کے رشتہ داروں کی دعوت کی ہے- (ذاتی انٹرویو)

# اپنی بچیوں کو شادی سے پہلے کی اہم نصائح

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اپنی بیٹیوں اور خاندان کی بچیوں کو شادی سے پہلے نصیحتیں فرماتیں۔ اور یوں بھی روزمرہ ان کے کانوں میں تربیتی باتیں ڈالتی رہتیں اور یہی باتیں کامیاب شادی کیلئے سنہری اصول ہیں اور قرآن و حدیث کی تعلیمات کے عین مطابق ہیں جیسا کہ ایک مرتبہ ”حضرت نبی اکرمﷺ نے فرمایا بہترین رفیقہ حیات وہ ہے جس کی طرف دیکھنے سے اس کے شوہر کی طبیعت خوش ہو۔ میاں جس کام کے کرنے کیلئے کہے اسے بجا لائے اور جس بات کو اس کا خاوند پسند نہ کرے اس سے بچے۔“

(نسائی بیھقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ بحوالہ حدیقۃ الصالحین مرتبہ حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب صفحہ۹۰)

کاش احمدی مائیں اپنی بچیوں کو یہ نصائح گھول کر پلا دیں ،تو تمام گھر جنت نظیر بن جائیں۔ مکرمہ آصفہ مسعودہ بیگم صاحبہ (بے بی) نے انٹرویو میں بتایا اور درج ذیل باتیں لکھ کر بھی دیں۔

☆ بچیوں کو بچپن سے یہ دعا کرنی سکھائی کہ اللہ میاں میرا نصیب اچھا کر دے۔

☆ حضرت اماں جان کو ان کی امی جان اور ان کو ان کی والدہ نے ہمیشہ یہ نصیحت کی کہ شادی کے بعد پہلے بیوی، میاں کی لونڈی بنتی ہے تو پھر میاں، بیوی کا غلام بنتا ہے۔ حضرت اماں جان نے یہ نصیحت میری والدہ کو، کی اور میری والدہ نے اپنی بیٹیوں کو کی اور یہ سلسلہ چل رہا ہے۔

(کتنی حکمت اور عقل کی بات ہے کہ بیوی، پہلے میاں کی فرمانبردار اور مطیع بنے

گی تو میاں کا دل جیتے گی، پھر میاں بیوں سے محبت اور پیار کرے گا)

☆ پھر آپ ایک عام اصولی بات، بتاتیں کہ میاں بیوی کی پرائیویٹ باتیں کبھی کسی سے نہ کرو- عورتیں اپنی سہیلیوں سے اور مرد اپنے دوستوں سے ایسی باتیں کرتے اور اپنی شیخی بگھارتے ہیں جو نہایت بری اور نامناسب ہیں-

☆ خاوند کو خوش رکھنا ہر لحاظ سے عورت پر فرض ہے-

☆ میاں جب باہر سے آئے تو تیار رہو- جب باہر جائے تو بھی تمہارا حلیہ درست ہو تا کہ جب وہ تمہارا تصور کرے تو خوشکن ہو نہ کہ بال پھلائے ہوئے ایک بدبودار عورت کا-

☆ غصے کے وقت میاں سے زبان نہ چلاؤ- بعد میں غصہ ٹھنڈا ہونے پر اس کی زیادتی پر آرام سے شرمندہ کرو-

☆ باہر سے آنے پر کبھی لڑائی نہ کرو- خواہ تمہیں کتنا ہی غصہ ہو- ہر لحاظ سے آرام پہنچا کر بیشک بھڑاس نکالو-

☆ میاں بیوی جب کمرے میں ہوں تو کبھی کسی بات پر چیخ نہ مارو سننے والے کچھ کا کچھ سوچیں گے-

☆ میاں بیوی کے رشتے میں جھوٹی انا نہیں ہونی چاہیے- اگر اپنی غلطی ہے تو بیوی، میاں کو منالے اس میں کوئی بے عزتی نہیں ہے-

☆ لڑ کر کبھی گھر سے جانے کی دھمکی نہ دو- اگر مرد غصہ میں آ کر کہدے اچھا جاؤ، چلی جاؤ تو کتنی بے عزتی ہے- اور میکے جا کر بیٹھنا تو اس وقت ہی ہے جب خدانخواستہ واقعی نہ جانا ہو- ورنہ ایسی بات، قدر کی بجائے بے عزتی کرواتی ہے-

☆ حضرت اماں جان نے امی جان کو نصیحت کی تھی کہ کوئی کام میاں سے چھپ کر نہ کرنا جو بات چھپانے کو جی چاہے وہ ہرگز نہ کرنا- اگر میاں کو پتا چل جائے

تو ساری عمر کیلئے بے اعتباری ہو جائے گی اور بے عزتی الگ۔

☆ آپ فرماتیں کہ میکہ کی بات سسرال، اور سسرال کی میکہ میں نہ کرنا تمہارے دل سے تو وہ بات مٹ جائے گی۔ لیکن بڑوں کے دل میں گرہ پڑ جائے گی۔ (کتنی سنہری باتیں بتائیں آج کل شادی کے بعد لڑکیاں میکے کی بڑائیاں اور عیش و آرام بڑھا چڑھا کر سسرال میں بیان کرتی ہیں اور سسرال کی برائیاں اور نقص میکے میں بیان کرتی ہیں لہذا جلدی ہی لڑائیاں جھگڑے خاندانوں کو کھوکھلا کر دیتے ہیں۔)

☆ امی جان خود بھی نہیں پوچھتی تھیں کہ سسرال میں فلاں کا تمہارے ساتھ کیا سلوک ہے۔ ہاں اگر کسی کے چہرے پر کوئی فکر پریشانی بھانپ لیتیں تو اظہار پھر بھی نہیں کرتی تھیں۔ ہاں دعاؤں پر زور دیتی تھیں۔

☆ اگر ہم میاں بیوی میں کوئی چھوٹی موٹی نوک جھونک امی کے سامنے ہو جاتی تو امی جان فوراً اپنے داماد کا ساتھ دیتی تھیں اور مجھے نصیحت کرتیں اور اس میں بھی حکمت تھی کہ اپنی بچی تو اپنی ہے داماد کا دل میلا نہ ہو۔

☆ ہم نے اگر امی سے کبھی کسی کی شکایت بھی کی تو امی ایسی بن گئیں کہ گویا سنا ہی نہیں یا ظاہر کرتیں کہ مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ مجھے بعض اوقات غصہ بھی بہت آتا تھا کہ آخر کس سے بات کریں۔ کس سے بھڑاس نکالیں۔ مگر اب سمجھ میں آتا ہے جب میں اپنے بچوں سے یہ ہی حرکت کرتی ہوں۔ ویسے خدا کے فضل سے میرے بچے خود کسی کی شکایت کرنے کے عادی نہیں۔

(ذاتی تحریر)

اسی طرح آپا محمودہ بیگم صاحبہ تحریر کرتی ہیں۔

میری شادی سے پہلے بہت سی نصیحتیں کیں تھیں۔ میاں سے اور گھر والوں سے تعلقات پر۔ اور بہت گہری گہری باتیں کیں تھیں کہ شادی شدہ زندگی کس طرح گزارنی

ہے- اور پھر کبھی بھی نہیں پوچھا کہ تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں- یا سب کیسے ہیں، اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے سب ٹھیک رہا- ہمیشہ اللہ تعالیٰ اپنے فضلوں کا سایہ رکھے-

(ذاتی تحریر)

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے اچھی بیوی بننے کیلئے یہ نصائح نہ صرف اپنی بچیوں بھانجیوں بھتیجیوں کو کیں، بلکہ آپ تمام لجنات، ماؤں بیٹیوں بہنوں اور بہووں کو ان پر عمل کرنے کی تلقین فرماتی تھیں- چنانچہ زکیہ خانم اہلیہ مرزا محمد صادق درویش قادیان (آف کوئٹہ) تحریر کرتی ہیں-

''کوئٹہ سے میں اجتماعات اور جلسہ ہائے سالانہ پر ربوہ آتی جلسے کے بعد دو مہینے ربوہ ٹھہرتی تو حضرت سیدہ بیگم صاحبہ کے پاس بھی حاضر ہوتی- ایک مرتبہ میرے ساتھ میری دو بیٹیاں بھی تھیں جو اگرچہ ابھی چھوٹی تھیں- میں نے عرض کیا مجھے ان بچیوں کے نصیبے کی بہت فکر ہے آپ ان کے اچھے رشتوں کیلئے دعا بھی کیجیے اور کوئی نصیحت بھی ان کو لکھ کر دیں جو میں ان کو شادی پر دوں- آپ نے ازراہ شفقت دونوں بیٹیوں کیلئے نصیحتیں بھی الگ الگ لکھ کر دیں اور ساتھ فرمانے لگیں کہ اگر کوئی رشتہ آئے تو جلدی سے منع نہیں کر دینا بلکہ اچھی طرح سوچ کر دعا کرنا یہ ۱۹۶۵ء کی بات ہے- میری ایک بیٹی تسنیم کوثر جس کی شادی ۱۹۷۳ء میں ہوئی کیلئے بیگم صاحبہ کی نصائح درج ذیل ہیں-

عزیزہ تسنیم کوثر السلام علیکم

نئی زندگی شروع ہوتی ہے خدا تعالے مبارک فرمائے اور ہر قدم پر وہ اپنے کرم سے راہ نمائی فرمائے، شوہر کی اطاعت اور اس کی خوشنودی حاصل کرنا تمہارا فرض ہونا چاہیئے- سوائے ان امور کے جو خلاف شریعت اور رضائے مولا کے خلاف ہوں-

اس کی خوشیوں میں خوشی سے شریک ہو اس کے تفکرات کے اوقات میں اس کی دلجوئی کرو- اس کی عزت اس کا مال اس کی اولاد یہ سب تمہارے پاس امانت ہونگی

ان امانتوں کی حفاظت کرنا تا کہ خدا تعالے کے سامنے سرخرو ہو- اس کے عزیزوں کو اپنے عزیز اس کے والدین کو اپنے والدین جاننا- ہر فتنہ انگریز بات سے بچنا- شکایت کبھی نہ کرنا، دعاؤں سے اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمیشہ طلب کرتی رہنا -

خدا حافظ و ناصر

والسلام مبارکہ

خالق کائنات نے عورت کی جبلت میں رکھا ہے کہ کوئی اس کو چاہے- اس کا خیال رکھے اس سے محبت اور الفت کرے اور اس پر حکم بھی چلائے اور اس کی محافظت بھی کرے- چنانچہ عورت خواہ دنیاوی طور پر کتنی بڑی ہو خواہ ملکہ وکٹوریہ ہو جس کی سلطنت اتنی بڑی تھی جس پر سورج کبھی غروب نہیں ہوتا تھا وہ بھی چاہتی تھی کہ اس کا میاں اس پر رعب ڈالے- چنانچہ ملکہ کے بارے میں ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک رات ملکہ کے شوہر باہر سے ذرا دیر سے محل میں آئے- انہوں نے اپنے بیڈروم کے دروازے پر دستک دی ملکہ نے پوچھا کون ہے جواب ملا- پرنس البرٹ ملکہ نے دروازہ نہیں کھولا- پھر پرنس نے دوبارہ دستک دی ملکہ نے پوچھا کون ہے جواب تھا پرنس البرٹ- ملکہ نے پھر دروازہ نہیں کھولا- تیسری مرتبہ پرنس نے پھر دستک دی ملکہ نے پھر پوچھا کون؟ پرنس نے پر رعب آواز میں کہا، تمہارا شوہر، اور ملکہ نے فوراً دروازہ کھول دیا- گویا ملکہ کی روح ترستی تھی کہ ان کا شوہر ان پر رعب ڈالے اور کہے میں تمہارا شوہر ہوں اور ملکہ اپنے شوہر کی عزت و تکریم کرے کیونکہ یہ وہ جذبہ ہے جو خالق فطرت نے عورت کی فطرت میں ودیعت کیا ہے کہ وہ اپنے تحفظ کیلئے اپنے شوہر پر فخر کرے لیکن پہلے اس کو شوہر کے حقوق ادا کرنے ہوں گے تب وہ اس اعلیٰ مقام فخر کو حاصل کر سکتی ہے حضرت سیدہ بیگم صاحبہ احمدی عورت کو اس کا صحیح مقام اور مرتبہ بتاتے ہوئے فرماتی ہیں-

''حضرت رسول کریم ﷺ کے اقوال مبارکہ اور تعلیم کے علاوہ آپ کے اسوہ حسنہ نے ہی اسلام میں عورت کا مقام ہر پہلو سے واضح کر کے دکھا دیا ہے- ماں

(رضاعی والدہ کی صورت میں) بیٹیوں، بیویوں سب سے آپ ﷺ کا شفقت و محبت و عزت کا سلوک جو رہا، وہ ہر مسلمان عورت کو اس کا مقام اور اسی سلوک کا حق بخشتا ہے۔ مگر یاد رہے کہ ہر مقام جو کسی کو بخشا جاتا ہے۔ اس پر اسی کے مطابق ذمہ داری بھی عائد کرتا ہے۔ عورت کو صرف یہ درجہ پا کر خوش نہیں ہو جانا چاہیے بلکہ اپنے فرائض کی دیانتدارانہ ادائیگی کا خیال، اس احسان عظیم کے شکریہ میں مزید چاہیئے۔ ماں ہے، تو محض اپنے پاؤں تلے جنت سمجھ کر ہی خوش نہ ہو، اس کو اولاد کی نیک تربیت کر کے ان کے لئے حقیقی جنت کا سامان بنانا ہے۔ اگر بیٹی، باپ بھائی کے نام اور عزت کی محافظ بن کر رہے اور بیوی شوہر کے مال اور عزت اور اس کی اولاد کی محافظ رہے، اس کے عیوب کو چھپانے والی، پردے پردے میں نیک صلاح کار اور اس کی سچی رفیق ہے تو واقعی وہ اسی مقام کے قابل ہے جو ہمارے پیارے نبی ﷺ نے اس کو بخشا۔ ورنہ جو درجہ تمام عالم کے مقابل خصوصاً مسلم خاتون کو ملا تھا۔ گویا اس نے خود رد کر دیا اللھم احفظنا۔

(مصباح مارچ ۱۹۶۳ء)

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے خاندان کی بچیوں کو شروع سے حضرت خلیفہ اول کی بتائی ہوئی نصیبے کی دعا کرنے کی عادت ڈلوا دی تھی چنانچہ صاحبزادہ مرزا غلام قادر صاحب کی اہلیہ نصرت صاحبہ اپنے شہید شوہر کی یاد میں اپنے مضمون میں لکھتی ہیں ”بچپن میں امی سے سنتے آئے تھے کہ بڑی پھوپھی جان (حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ) فرمایا کرتی تھیں کہ لڑکی کو چھوٹی عمر سے اپنے نیک نصیب کیلئے دعا مانگنی چاہیے۔ اس لئے تم لوگ بھی اپنے لئے دعا مانگا کرو۔ میں نے اپنے نیک نصیب کیلئے دعا مانگنے کے ساتھ یہ دعا بھی شامل کی کہ یااللہ میرے ہم عمروں میں جو تجھے سب سے پیارا ہو اس سے میرا نصیب باندھنا، اور جب قادر کی شہادت کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالی نے روتے ہوئے، فون پر مجھے یہ فرمایا کہ ”نچھو اللہ میاں نے اپنے گلشن کا

سب سے خوبصورت پھول چن لیا ہے'' تو چند دن بعد میری توجہ حضور کی اس بات کے ساتھ اپنی اس دعا کی طرف گئی اور میں نے سوچا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے میری دعا کو قبول فرما لیا، محض اس کی عطا ہے ورنہ ہم کس قابل ہیں۔''

(الفضل ربوہ ۱۰ جولائی ۱۹۹۹ء صفحہ ۳)

صاحبزادی آپا ناصرہ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں:

حضرت پھوپھی جان اپنے عظیم الشان باپ کی عاشق زار بیٹی، عظیم بھائی کی دلاری بہن۔ قابل احترام شوہر کی ہمدرد وغمگسار بیوی تھیں اور بچوں کی مشفق و دعا گو والدہ۔ آپ نے اپنے مقدس باپ کی تقدیس سے بھی وافر حصہ پایا تھا۔ ہمیشہ پاکیزہ اور صاف ستھری بات کرتیں۔ آہستہ آہستہ دلوں میں کھب جانیوالی، کسی سے کینہ ونفرت نہیں تھی اور ایسی طبیعت رکھنے والوں سے بیزاری کا اظہار کرتیں۔ بے فائدہ گلے شکوں کو سخت ناپسند کرتیں۔ ہر ایک کیلئے ہمدرد دل پایا تھا جو ہر ایک کے دکھ سے بے چین ہو جاتا اور اس کیلئے دعا گو، اس میں اپنے پرائے کی تمیز نہیں تھی۔ یہ شفقت عمر کے ساتھ بڑھتی رہی۔

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۱۹)

''آپ میں چشم پوشی کی صفت نمایاں تھی خواہ نوکر ہو یا رشتہ دار۔ آپ کو ٹوہ لینا بہت بُرا لگتا تھا۔ اور ٹوہ لینے والوں کو بالکل پسند نہیں کرتی تھیں۔ آپ رفع شر کی خاطر بڑی ہو کر چھوٹوں کی غلط باتیں برداشت کرلیتیں۔

آپ حسد کا نام تو گویا جانتی ہی نہ تھیں۔ دوسروں کی خوشی میں خوشی سے شریک ہوتیں اور کسی کی تکلیف کو بھی ایسے ہی محسوس کرتیں جیسے اپنی ہی ہو اور یہی باتیں اپنی اولاد اور پیاروں اور سب احمدیوں میں دیکھنی پسند کرتیں۔ شکر ہے ہمیں بھی یہی ورثہ ملا۔''

(ذاتی تحریر آپا آصفہ مسعودہ بے بی)

# ’’مبارکہ اپنی لڑکیوں کو احمدیت کی بنیادوں میں دے دو‘‘

’’حضرت مسیح موعود نے خواب میں فرمایا ’’مبارکہ اپنی لڑکیاں احمدیت کی بنیادوں میں دے دو‘‘ صاحبزادی فوزیہ شمیم صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ ’’ایک مرتبہ بڑی امی نے مجھ سے فرمایا آج رات میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مسیح موعود تشریف لائے اور مجھے مخاطب کر کے فرماتے ہیں ’’مبارکہ اپنی لڑکیوں کو احمدیت کی بنیادوں میں دیدو۔‘‘ فرمایا اس کا مطلب یہ ہی تھا کہ بچیوں کی ایسی تربیت کرو کہ ہر قربانی کر سکیں اور نئی نسل کی بہترین مائیں بن سکیں۔‘‘ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ خاندان حضرت مسیح موعود کی تمام بچیوں کیلئے ،تقوی اخلاق کردار ایثار و قربانی حسن سیرت وحسن صورت ہر پہلو سے روشنی کا ایک مینار بن گئیں۔ اور آپ کیلئے آپ کی والدہ حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم جن کو اللہ تعالی کے الہام کے مطابق حضرت مسیح موعود ’’ایک مبارک نسل کی ماں‘‘ کا خطاب دیتے ہیں روشنی کا منبع تھیں۔ جس نسل کے متعلق اللہ تعالی حضور کو بشارت دیتا ہے۔ تیری نسل بہت ہو گی اور میں تیری ذریت کو بہت بڑھاؤں گا اور برکت دوں گا---- اور تیسری نسل کثرت سے ملکوں میں پھیل جائے گی۔‘‘

(تذکرہ صفحہ ۱۴۴)

دنیا شاہد ہے کہ ’’ایک مبارک نسل کی ماں‘‘ نے اپنے نام کی مناسبت سے تمام جہان میں پھیلنے والی اپنی جسمانی مبارک نسل، کی ایسی تربیت فرمائی گویا وہ سب احمدیت کی بنیادیں بن گئیں۔ ان سے وہ پرسکون، جنت نظیر، گھر، خاندان مسیح موعود کے بنے جو زندگی کے ہر پہلو میں قال اللہ اور قال الرسول کے رنگ میں رنگین نظر آئے۔

چنانچہ صاحبزادی فوزیہ شمیم صاحبہ اس خواب کے بارے میں تحریر کرتی ہیں "اس سے مراد میرے ذہن میں یہی ہے کہ ان کی تربیت ایسی کرو کہ بہترین نسل کی مائیں بن سکیں۔ دوسرا تاثر جو مجھے ملا وہ یہ تھا کہ ان کی شادیاں کرتے وقت نیک شوہر کو ترجیح دو خواہ وقتی تکالیف سے گزرنا پڑے۔ چنانچہ ہمارے گھر میں آسائشوں سے پلنے والی بچیاں خاندان میں واقفین زندگی سے بیاہی گئیں۔ اور انتہائی صبر خوشی اور وقار سے ان رشتوں کو بھرپور نبھایا۔ میری اپنی دو بہنیں آپا آمنہ طیبہ بیگم مرزا مبارک احمد اور (آپا قدسیہ بیگم مرزا مجید احمد صاحب (والدہ غلام قادر شہید) واقف زندگی سے بیاہی گئیں۔ آپا قدسیہ نو سال اپنے شوہر کے ساتھ افریقہ میں رہیں۔ حضرت بڑی امی کی اپنی دو بچیاں ہماری حضرت پھپھی جان، منصورہ بیگم صاحبہ حرم حضرت خلیفہ المسیح الثالث ناز و نعم میں پلی بڑھیں۔ حضرت پھوپھا جان شادی کے فوراً بعد تعلیم کیلئے باہر تشریف لے گئے آپ کی غیر موجودگی میں سسرال میں رہیں اور بہت رکھ رکھاؤ اور وقار کے ساتھ۔ اپنی ضرورتوں کا اظہار سسرال اور میکہ دونوں پر نہیں کیا۔ کیونکہ کسی سے مانگنے کی غیرت، شروع سے دل میں بٹھا دی گئی تھی۔

حضرت پھوپھی جان محمودہ بیگم بھی واقف زندگی کے ساتھ بیاہی گئیں اور بہت کامیاب زندگی گزاری۔ ان کی نواسی عینی لندن میں پلی بڑھی اور اب---- واقف زندگی کی اہلیہ ہیں۔ افریقہ میں کافی وقت گزار کر آئی ہیں وہاں باوجود نسبتاً کم حالات کے ماشاءاللہ نہایت خوش رہیں۔

میری بھانجی امتہ الحسیب اکلوتی بیٹی ہیں اور بہت لاڈلی ہیں۔ جس زمانے میں اس کی شادی ہوئی بھائی منیر کا کاروبار خوب چمک رہا تھا۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثالث کے بڑے صاحبزادے، صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب کے ساتھ شادی ہوئی۔ شروع میں حالات اور ماحول کا بہت فرق لگا۔ لیکن اس طرح حالات میں رچ گئی، کہ میکے والوں کو شکوہ ہونے لگا کہ ہمیں بالکل ہی بھلا دیا۔ غرضیکہ خاندان کی لڑکیاں کثرت

سے خاندان میں واقفین زندگی کو بیاہی گئیں- اور شادی کے بعد وہ اپنے وقف کے محدود مشاہرے پر گزارہ کرتیں- خاندان سے باہر بیاہی جانے والیوں میں سے چند تو بہت ہی تھوڑی تنخواہ والوں سے بیاہی گئیں- والدین کے گھر ہر قسم کے آرام و آسائشیں اٹھانے والی یہ لڑکیاں شادی کے بعد مالی تنگی کے باوجود نہ لڑئیں نہ جھگڑیں نہ ناچاقیاں ڈالیں ، حالانکہ مالی تنگی لڑائی کی ایک بڑی وجہ ہوتی ہے- لیکن کیوں لڑائی نہ کی اس وجہ سے کہ ان کی گھٹی میں غنیٰ، غیرت ایثار اور قربانی کی صفات نمایاں طور پر ڈال دی گئی تھیں- انہوں نے گھر میں ہر قسم کے کام کیئے- جھاڑو بھی دی سودے بھی لائیں- لیکن بڑے وقار سلیقے اور رکھ رکھاؤ سے گھر چلایا نہ دیکھنے والوں کو پتہ چلا نہ والدین کو، یا عزیزوں کو حال بتایا-"

(ذاتی تحریر)

بی بی فوزیہ شمیم صاحبہ اپنے والدین کی متضاد طبیعتوں اور مزاجوں کے باوجود انہیں ایک مثالی جوڑا قرار دیتی ہیں- آپ تحریر کرتی ہیں "میرے ابا ایک سادہ درویش صفت انسان تھے اور امی ان کے مقابلے میں بہت ذہین ادبی ذوق رکھنے والی شاعرانہ مزاج، دونوں کے طبائع میں بہت تفاوت تھا لیکن امی نے اس تعلق کو (وہی جذباتی قربانیاں دے کر- ناقل) اس خوبصورتی سے نبھایا کہ ابا امی ہمارے خاندان میں مثالی جوڑ اگنے جاتے تھے امی نے ہمیشہ ابا کے فطرتی حسن پر نظر کی اور طبیعتوں کے تضادات کو محبت کے پردوں میں ڈھانکے رکھا- آج کل کی نوجوان نسل چھوٹی چھوٹی باتوں کو وجہ اختلاف بنا کر گھر برباد کر لیتی ہیں- ان کیلئے بے شک امی کا نمونہ مشعل راہ ہونا چاہیئے-"

(دخت کرام صفحہ ۳۱۱)

حضرت مسیح موعود نے جو یہ فرمایا کہ مبارکہ اپنی لڑکیوں کو احمدیت کی بنیادوں میں دے دو- بنیادوں کو مضبوط کرنے کیلئے دعائیں اور نماز اہم چیز ہیں جو جذبات کی ایک بڑی قربانی شمار کی جاتی ہے-

حضرت سیدہ نے اپنے مقدس والدین سے نمازوں اور دعاؤں کا ورثہ پایا وہ آپ سے آپ کی اولاد اور نسلوں میں چلا الحمدللہ- خاندان مسیح موعود کی خوشی غمی کی تقریبات میں راقمتہ الحروف جب بھی گئی- اور ظہر یا عصر کی نماز کا وقت ہوا تو یہ ہی دیکھا کہ سب ہی بڑے خضوع وخشوع سے نمازیں ادا کر رہے ہیں اور نوجوان بچیاں بھی لمبے سجدوں سے نماز کو سنوار کرا دا کر رہی ہیں- لاہور اور ربوہ کے بیوت الذکر اور نماز سنیٹروں میں نوجوان میاں صاحبان سنتیں اور نوافل نہایت سنوار کر پڑھتے دیکھے جاتے ہیں گویا دعاؤں کا یہ قیمتی ورثہ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا جا رہا ہے جو احمدیت کی بنیادوں کو مضبوط کر رہا ہے-

اسی طرح تمام تقریبات میں خاندان کی نوخیز بچیاں تمام انتظامات اتنے سلیقے طریقے سے سنبھال لیتی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ بڑی خواتین بیٹھی ہیں اور بچیاں خود بخود سب مہمانوں کو بٹھاتی مہمانوازی کرتی نظر آ رہی ہوتی ہیں- کیونکہ سلیقہ طریقہ ان کی گھٹی میں ڈال دیا گیا ہے جو احمدیت کی بنیادوں کی مضبوطی کا باعث بن رہا ہے خدا تعالیٰ کے فضل سے ۴۲ سال سے زیادہ مجھے مختلف بڑے شہروں میں لجنہ کی اعلیٰ ذمہ داریاں ادا کرنے کی توفیق ملتی رہی تو دیکھا کہ جو ممبرات خود رسوم سے نکلنا نہیں چاہتیں وہ بے محابہ منہ کھول کر کہہ دیتی ہیں کہ جی خاندان میں بھی مہندی ہوتی ہے یہ ہوتا ہے وہ ہوتا ہے- ان کو جواب تو میں دے دیا کرتی تھی کہ حضرت اماں جان دہلی والی تھیں دہلی میں امیر خسرو کے دوہے رخصتی اور بدھائی کے، پاکیزہ گیت گائے جاتے تھے کیونکہ شادی بیاہ اور خوشی کی تقاریب پر پاکیزہ گانے منع نہیں جیسا کہ حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے ایک عورت کو دلہن بنا کر ایک انصاری کے گھر بھجوایا- اس پر حضور نے فرمایا اے عائشہ رخصتانے کے اس موقع پر گانے بجانے کا اہتمام کیوں نہیں کیا حالانکہ انصار شادی کے موقع پر گانے بجانے کو پسند کرتے ہیں یعنی ہلکے پھلکے اچھے گانے اور ہنسی مذاق کا شریفانہ اہتمام، شادی کے موقع پر

پسندیدہ ہے منع نہیں۔‘‘

(بخاری کتاب النکاح بحوالہ حدیقۃ الصالحین صفحہ ۳۹ نیا ایڈیشن)

شادی میں رونق، چہل پہل اور خوشیوں کا اظہار ایک قدرتی بات ہے۔ لیکن دل میں میرے ٹوہ تھی، کہ دیکھوں خاندان میں یہ رونق کیسے لگائی جاتی ہے۔ حال ہی میں خاندان کی ایک بچی کی شادی کا دعوت نامہ ملا۔ میں نے انہیں پیغام بھیجا آپ مجھے بلائیں یا نہ بلائیں میں نے رات کو رونق میں ضرور آنا ہے انہوں نے بھی بہ اصرار بلایا اور میں شامل ہوگئی۔ یہ پاکیزہ مجلس اور تقریب حمد و ثنا سے شروع کر کے اعلیٰ جذبات محبت کے گانے اور غزلیں بدھیاں دعاؤں سے بھرپور نظمیں اتنی مدھرلے اور انداز میں ڈھولک پر تھیں کہ لطف آ گیا۔ نہ شور نہ شراپا، نہ ناچ نہ لڈی نہ بے ہودہ فلمی گانے، یہ پاکیزہ گانے تو جائز ہیں۔ یقیناً ان نوخیز نوجوان بچیوں کا دل دنیا زمانے کی فضول مہندیوں کیلئے قطعاً نہیں چاہتا ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے عامیانہ جذبات کی قربانی کر کے احمدیت کی بنیادوں کو مضبوط کرنا سیکھا ہوا ہے۔

اسی طرح سلیقہ کفایت شعاری تو اس خاندان پر ختم ہے۔ خوشی کی تقریبات میں ہر ایک بزرگ و جوان خاتون بہترین لباس میں نظر آئیں گی لیکن بات کریں تو پتہ چلتا ہے کہ دلہن کے کرتے پر جو چمکتا دمکتا گلے پر کام ہے یہ حضرت اماں جان کے کرتے کا، گلا لگوایا گیا ہے۔ اور اس دوپٹے کا گوٹہ بھی سنیئے حضرت اماں جان کے پوت کے دوپٹے پر سے اتار کر لگایا ہے، جو، اب چوتھی اور پانچویں نسل کے دوپٹے پر لگا ہے۔ کوئی فرماتی ہیں ’’یہ میری چھوٹی بیٹی نے جو غرارہ کرتا پہنا ہوا ہے، یہ حضرت اماں جان کا غرارہ ہے جو انہوں نے میری امی کو دیا، امی نے پہنا پھر مجھے ملا، میں نے پہنا اور اب ایک پائینچے میں سے غرارہ اور ایک میں سے کرتا بنا دیا اور دیکھنے والی خواتین کو لگتا ہے کہ خاندان کی عورتیں بہت گوٹے کناری کے کپڑے پہنتی ہیں کسی معترض خاتون نے اعتراض کیا کہ ہمیں سادہ زندگی کی تعلیم دی جاتی ہے اور خاندان کی خواتین خود گوٹے

کناری کے کپڑے پہنتی ہیں۔ حضرت مصلح موعود نے خطبہ جمعہ ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ''جہاں تک گوٹے کناری کے استعمال کا سوال ہے ہماری والدہ حضرت اماں جان دہلی کی ہیں اور دہلی کی عورتیں گوٹہ کناری کے کپڑوں کو نسل درنسل سنبھال کر رکھا کرتی ہیں اگر ہمارے خاندان کی بعض خواتین گوٹہ کناری استعمال کرتی ہیں تو یہ وہی ہے جو ان کی شادیوں پر انہیں ملا اور جسے انہوں نے سنبھال کر رکھا۔ تحریک جدید کے مطالبہ سادہ زندگی کے بعد اُنہوں نے نہیں خریدا اور اپنی چیزوں کو سنبھال کر رکھنا قابل تعریف ہے نہ کہ قابل اعتراض۔''

(تاریخ لجنہ جلد دوم صفحہ ۷۶)

اس قسم کی بیسیوں باتیں، سلیقے طریقے کی سن لیجئے۔ یہی حال زیوارت کا ہے یہ ہی گھر کے مختلف سامان کا ہے ہمارے لئے قابل تقلید ہیں یہ نمونے۔ اور یہی وہ جذباتی قربانیاں ہیں جو دنیا کی جھوٹی عزتوں پر تین حرف بھیج کر، ہر برکت اپنے بزرگوں سے لینے میں فخر کرتی ہیں۔

یہی وہ قربانیاں ہیں جن کی تربیت گھر کی بیٹیوں کے علاوہ گھر کی بہوؤں کو بھی دی گئی چنانچہ حضرت سیدہ چھوٹی آپا صاحبہ تحریر کرتی ہیں کہ ''حقیقت یہ ہے کہ میری تو تربیت ہی میری سسرال میں ہوئی اور حضرت اماں جان کی ذاتی توجہ حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اور حضرت سیدہ امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ سے بہت کچھ سیکھا۔''

(دخت کرام صفحہ ۲۲۱)

لڑکیوں کو بنیادوں میں دینے کے سلسلے میں حضرت اماں جان اور پھر سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی اپنی بچیوں کو یہ نصیحت یاد آئی کہ ''پہلے بیوی، میاں کی لونڈی بنے پھر میاں غلام بنتا ہے۔'' بزرگ خواتین کے اس نصیحت آموز تجربے میں کس قدر حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں بات صرف یہ ہے کہ بیوی پہلے اپنی محبت، خدمت، ایثار

قربانی اطاعت اور فرمانبرداری سے میاں کے دل کو رام کرکے، میاں کا اعتماد حاصل کرے گی اپنے جذبات کی قربانیاں ہی تو بچیوں نے احمدیت کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کیلئے دینی ہیں- ورنہ جو لڑکیاں آزادی نسواں کے نام نہاد نعرے کے پیش نظر روز اول سے اختلاف رائے اور بحث مباحثہ میاں سے کرتی ہیں تھوڑے ہی عرصہ میں گھر کو اجاڑ دیتی ہیں-

قرآنی نصیحت جس پر بڑی بوڑھیوں اور بزرگوں نے لمبے تجربے کے بعد، کہاوتیں بنائیں کامل مطیع، فرمانبردار، محبت کرنے والی، خیال رکھنے والی سچی بنی بیوی، تو ہر قسم کے مزاج کے میاں، کے دل کو موہ لے گی پھر میاں بھی پیار کا جواب، پیار محبت سے دے گا اس کی چھوٹی بڑی خواہش کی قدر کرے گا- اس طرح ہر نیا بسنے والا گھر امن وسلامتی پیار ومحبت سے بھر جائے گا تو ہر کام برکتوں سے بھر جائے گا-

میں نے صاحبزادی فوزیہ شمیم صاحبہ سے اس مذکورہ نصیحت کہ ''پہلے بیوی لونڈی بنے پھر میاں غلام بنتا ہے-'' کی وضاحت چاہی اور اپنا مذکورہ فہم بتایا- فرمانے لگیں ''بالکل ٹھیک آپ نے سمجھا، دراصل نہ بیوی ہاتھ جوڑے میاں کی کنیز اور لونڈی بنتی ہے اور نہ میاں ہاتھ باندھے غلام بنا کھڑا ہے- بات صرف دونوں کی کامل ہم آہنگی کی ہے جس میں پہلا قدم بیوی کی طرف سے اٹھنا ہے-'' میں نے مزید وضاحت چاہی کے خاندان کے لڑکوں کا اپنی بیوی سے زندگی گزارنے کا کیا انداز ہے؟ آپ نے فرمایا خود حضرت مسیح موعود آپ کے صاحبزادگان اور دونوں داماد ان لڑکوں کیلئے نمونہ بنے-''

واقعی حضرت مسیح موعود اپنے آقا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی پیروی میں خیرکم خیرکم لاهله و انا خیرکم لاهلی کا ایک کامل نمونہ تھے کشتی نوح میں آپ فرماتے ہیں'' جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان کے ساتھ معاشرت نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں-'' آپ اپنی بیگم حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم کی نہایت قدر فرماتے اور ہر چھوٹی سے بڑی خواہش کا احترام کرتے کہ

حضرت اماں جان کے بھائی حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب جو عینی شاہد ہیں فرماتے ہیں۔

''میں نے اپنے ہوش میں نہ کبھی حضور کو ناراض دیکھا نہ سنا بلکہ ہمیشہ وہ حالت دیکھی جو ایک آئیڈیل Ideal جوڑے کی ہونی چاہیے بہت کم خاوند اپنی بیویوں کی وہ دلداری کرتے ہیں جو حضور فرمایا کرتے تھے۔

(ایک مبارک نسل کی ماں سید سجاد احمد صفحہ۴۳،۴۴)

پھر ایک Ideal شوہر ہمیں نواب محمد علی خاں صاحب حضرت مسیح موعود کے بڑے داماد نظر آتے ہیں جن کی تربیت حضرت حکیم حافظ نورالدین صاحب نے کی اور اطاعت وعقیدت کی نورالدینی روح ان میں بھر دی اور وہ اپنی بیگم حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کیلئے ایک مثالی میاں بن گئے حالانکہ دونوں کی عمروں میں کم و بیش ستائیس سال کا فرق تھا آپ نے حضرت سیدہ کی وہ تکریم وعزت، دلداری اور پاسداری کی کہ مثال بن گئی اور پھر اسی کی تلقین اپنے بیٹے کو کی۔ اپنی خواہش کو دوسرے کیلئے قربان کرنے والے۔ یہی تو وہ قربانیاں تھیں جن کیلئے حضرت مسیح موعود نے فرمایا تھا کہ ''مبارکہ اپنی لڑکیاں احمدیت کی بنیادوں میں دے دو۔ اس سے مراد صرف بیگم صاحبہ کی جسمانی لڑکیاں ہی نہیں بلکہ پورے خاندان کی بچیاں اور پھر پوری جماعت کی بچیاں مراد ہیں بنیاد جتنی مضبوط ہوگی عمارت اتنی ہی دیرپا اور مستحکم ہوگی۔ قصراحمدیت کی بنیادوں میں جب حضرت مسیح موعود کی بیٹیاں اور ان کی نسلیں اور تمام جماعت کی نسلیں بھر دی گئی تو جماعت کی عمارت کتنی مضبوط پائیدار اور مستحکم ہوگی۔ اس کا ایک ایک گھر پیار محبت اتفاق واتحاد امن وسکون کا گہوارہ بنے گا تو گویا تمام احمدی گھر امن وسلامتی والے جنت نظیر بن جائیں گے۔

حضرت سیدہ کی اعلی تربیت کا ایک نمونہ ہمیں صاحبزادہ مرزا غلام قادر صاحب کی ذات میں ملتا ہے صاحبزادی آپا قدسیہ بیگم صاحبہ اپنے بیٹے صاحبزادہ مرزا غلام قادر

صاحب کا ذکر خیر کرتے ہوئے تحریر فرماتی ہیں:-

''ایک معصوم سا چہرہ اب بھی میری نظروں کے سامنے ہے یہ آٹھ نو سال کا تھا- بڑی بیٹی سے دس گیارہ سال چھوٹا تھا- وہ تقریبا اٹھارہ سال کی تھی- (جماعت میں) کسی بھائی کا سنا کہ اس نے اپنی بہنوں کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا (اس واقعہ سے اسے اور) مجھے بے حد تکلیف ہوئی کہ بیٹیوں کیلئے تو بھائی کا گھر باپ کا گھر ہوتا ہے- محمود میرا بڑا بیٹا باہر تھا میں نے قادر کو پاس بٹھایا اور کہا قادر میری بات یاد رکھنا کہ چو چو (بڑی بہن) بھی تمہاری بیٹی ہے- معصوم سے بچے کا چہرہ آج بھی میری نظروں کے سامنے ہے- سر جھکایا ہوا تھا کہتا اچھا- اس آٹھ سال کے بچے نے الٹ کر یہ نہیں کہا امی وہ تو باجی ہیں مجھ سے اتنی بڑی ہیں- آج وہ واقعی اپنی بہن سے بیٹیوں والا سلوک کرتا تھا- خاموش خیال، خاموش احساس، وہ بہن اس کی وفات پر بلک بلک کر رو رہی تھی-''

(الفضل ربوہ ۰۷ جون ۱۹۹۹ء)

بہنوں سے حسن سلوک کی اس نصیحت کے پیچھے ان کی نانی حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اور آپ کے والدین نظر آتے ہیں- یہی وہ انداز ہیں جن سے لڑکوں کے دلوں میں، عورت کے مختلف روپ میں، اس سے محبت کرنا سکھائی گئی اور یہ غلام قادر بہن کا بہترین بھائی بیوی کا محبت کرنے والا شوہر اور ماں کا فرمانبردار بیٹا بنا-

حضرت سیدہ چھوٹی آپا صاحبہ کے مسودے میں اس رویا کا اس طرح ذکر ہے فرماتی ہیں-

''میں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا تھا کہ حضرت مسیح موعود ایک کرسی پر تشریف رکھتے ہیں- ایک شخص آیا اور اس نے سوال کیا کہ ''حضور لڑکیوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ (ٹھیک یہی الفاظ تھے اس کے) آپ نے بڑے جلال سے جواب میں فرمایا کہ:

''جب تک تم اپنی بیٹیاں بنیادوں میں نہیں دو گے احمدیت کی عمارت کھڑی نہیں ہوسکتی۔

(الفضل ۱۰-نومبر ۱۹۶۲ء، صفحہ ۳)

اس رویا کے الفاظ میں مبارکہ کی جگہ تمام جماعت احمدیہ کی بیٹیاں احمدیت کی عمارت کی بنیادوں میں دینے کی پر زور تاکید ہے گویا مذکورہ تمام مالی اور جذباتی قربانیاں جماعت احمدیہ کی لڑکیوں نے دینی ہیں۔ اللہ کرے ہم اپنی بچیوں کی ایسی ہی اعلیٰ تربیت کرسکیں جس طرح کی ایک جھلک خاندانِ مسیح موعود کی بچیوں میں نظر آتی ہے۔جماعت کی خواتین اور لڑکیوں کو پردے کی تلقین کرتے ہوئے آپ دینی غیرت دلاتے ہوئے فرماتی ہیں:

بعض خواتین اور لڑکیاں پردہ ترک کر رہی ہیں۔ بے حجاب باریک دوپٹوں میں باہر پھرتی دیکھی جاتی ہیں۔ کیا یہی اسلام و احمدیت کی تعلیم تھی؟ جو لڑکیوں کو مائیں بتا اور سکھا رہی ہیں؟ اور باپ حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ حیرت ہے کہ ان معاملات میں مردوں کا قوام ہونے کا دعویٰ کس کونہ میں چھپ جاتا ہے؟ ضرورت پر کسی کام سے تو اسلام نے نہیں روکا اور کون سا کام ہے جو چادر یا برقعے میں نہیں ہوسکتا؟ صرف اپنے نفس کی کمزوری ہے۔

جوان لڑکیوں کو جب آپ ناواجب خلافِ شریعت آزادی دیں گی اور اس پر دینی تعلیم کی کمی ہوگی تو پھر آخر نتیجہ کیا نکلے گا؟ یہی کہ وہ گئیں ہاتھ سے۔ دو چار تو ایسے دردناک واقعات ہوئے ہیں کہ نیک احمدیوں کی اولاد کہلانے والی لڑکیوں نے اسی آزادی کے نتیجہ میں یہ دھبہ لگا دیا کہ حضرت مسیح موعود کے صریح حکم کے خلاف غیر احمدی سے شادی کرلی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اگر ایمان کی جڑیں مضبوط ہوتیں، اگر دینی مطالعہ ہوتا تو ایسی لڑکی اس فعل پر موت کو ترجیح دیتی۔ تمام عمر کنواری رہنا پسند کرتی، مگر ایسا قدم ہرگز نہ اُٹھا سکتی۔

کیسا سخت خطبہ حضرت خلیفۃ المسیح اس بارہ میں دے چکے ہیں اور بار بار بزرگانِ سلسلہ کی جانب سے توجہ دلائی جاتی رہی ہے۔ مگر حالت یہ ہے کہ اس کان سُنا اُس کان اڑا دیا۔ گویا۔

''چکنے گھڑے پہ بُوند پڑی اور پھِسل گئی''

خدا کے لئے سنبھلئے اپنی بچیوں کو سنبھالئے۔ یہ آپ کی ہی نہیں ایک طرح حضرت مسیح موعود کی بچیاں آپ کے پاس امانت ہیں ان کی نیک تربیت کریں۔ ان کے دلوں میں یہ امر نقش ہونا چاہیے کہ یہ عام عورتوں کی طرح نہیں ہیں۔ ان کو دنیا میں مل کر بھی دنیا سے الگ اپنا نمونہ دکھانا ہے۔ یہ احمدی گھروں کی بنیادی اینٹیں ہیں ان کے ایمان پختہ ہونے چاہئیں تا کہ ان سے وہ نسل چلے جو تمام دنیا میں اسلام کا جھنڈا گاڑنے والی ہو اور اپنے رب کریم و رحیم کے لئے جینے والے اسی کے لئے مرنے والے خادمِ دینِ محمد ﷺ کے عاشقِ صادق، مسیح موعود کے نام کے شیدا، ان آئندہ بننے والی ماؤں کی گود سے پل کر نکلیں۔ خدا تعالیٰ ایسی ہی کرے۔ آمین۔

والسلام

مبارکہ

(افتتاحی جلسہ سالانہ مستورات، دسمبر ۱۹۶۳ء بحوالہ تاریخ لجنہ جلد سوم صفحہ ۲۳۴-۲۳۵)

# آپ ایک اچھی ساس

آپ کی بہو آپا طیبہ صدیقہ بیگم نواب مسعود احمد خاں صاحبہ تحریر کرتی ہیں۔
''اب میں آپ کو اپنی ذات کے ساتھ گزرے ہوئے کچھ واقعات بتاتی ہوں۔ میری شادی ۱۹۴۰ء کے اپریل میں ہوئی تھی اس سے تین سال پہلے میرا رشتہ ہو گیا تھا۔ ہمارے ابا جان قادیان سے باہر سروس میں رہا کرتے تھے کبھی کبھی قادیان آنا ہوتا تھا۔ ہمیں یہ علم تھا کہ ہمارے ابا جان کو اپنی بہن اور ان کی اولاد سے بہت محبت ہے اور یہ محبت ہمارے خون میں آئی ہوئی تھی، کوئی کوشش بھی کرتا تو یہ محبت کم نہ ہو سکتی تھی۔ ہماری دونوں ماؤں کو بھی، حضرت اماں جان اور ان کی بیٹیوں سے ویسی ہی محبت تھی جیسی ہمارے ابا جان کو تھی۔ میں عمر میں حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ سے بہت چھوٹی تھی، لیکن جب بھی وہ ہمارے گھر آئیں تو محبت کا بہت اظہار کرتیں۔ کوئی چھیڑ چھاڑ کی بات بھی کر دیتیں۔ ان دنوں میں لڑکیاں بڑوں سے بے تکلف نہیں ہوتی تھیں، میرا نکاح ۱۹۳۹ء کے جوبلی کے جلسہ پر ہوا۔ اس دن، رات کو حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ ہمارے گھر آئیں۔ حضرت مسیح موعود کے ہاتھ کا خریدا ہوا دوپٹہ مجھے اڑھا دیا اور انگوٹھی پہنائی۔ پھر میری شادی کے بعد مجھے بتایا کہ قادیان میں آپ کی شادی سے بہت پہلے بنارسی کپڑوں والا، کپڑے لیکر آیا، تو حضرت اقدس دو بنارسی دوپٹے ایک آتشی گلابی رنگ کا اور ایک ہلکے سبز رنگ کا اپنے بازو پر ڈال کر لائے اور حضرت اماں جان کو فرمایا کہ یہ مبارکہ کیلئے لے لو۔ وہ دوپٹے آپ کے جہیز میں رکھے گئے جس سے، سبز تو میری جٹھانی آپا امتہ الحمید کو نکاح پر دیا تھا اور آتشی گلابی مجھے دیا۔ میرے ساتھ شادی کے بعد ہمیشہ اچھا سلوک کیا کوئی غلط بات ہوئی تو سمجھا دی۔ میرے بچوں سے چونکہ بہت محبت تھی اس لئے ان کے متعلق کہتی رہتی تھیں۔

# ساس کا تربیت کا انداز

قادیان میں پارٹشن سے ایک سال پہلے کی بات ہے ایک دن میرے کمرے میں تشریف لائیں اور کہنے لگیں کہ میرے سے آج ایک وعدہ کرو۔ میں نے کہا کیا؟ کہنے لگیں کہ تم کبھی میرے آگے بولو گی نہیں۔ نہ معلوم کیا بات ہوئی تھی اور کیا وجہ تھی، میں نے کہا جی اچھا۔ اور پھر خداتعالیٰ نے مجھے ایسی توفیق دی کہ میں نے آگے سے کبھی جواب نہیں دیا۔ بلکہ بعض دفعہ کسی بات کی تصحیح کرنے کو دل چاہا لیکن اپنے قول کی وجہ سے کچھ نہ کہا۔"

آفرین ہے اس بہو پر جس نے ہمیشہ اپنے قول کی لاج رکھی۔

"پاکستان میں آپ کو ایک دفعہ بہت سخت کالی کھانسی ہوگئی تھی اس وقت میں پام ویو تقریباً دو تین ماہ آپ کے پاس رہی۔ میرے بچے بھی چھوٹے چھوٹے تھے۔ آپ نے بہت تکلیف اٹھائی تھی۔ بڑا لمبا اُچھو پڑتا تھا۔ جس میں انہیں سنبھالنا پڑتا تھا۔ اس کے بعد ہم ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کو ملنے گئے۔ حضور کے پاس عطر کی بہت خوب صورت شیشیاں تھیں۔ حضور نے میرے سے پوچھا کہ میں نے تمہیں عطر کی شیشی دی ہے یا نہیں اس پر حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے فرمایا کہ اسے ضرور دیں اس نے میری بہت خدمت کی ہے۔"

حضرت بیگم صاحبہ نے بہو کی خدمات کی قدر اور حوصلہ افزائی فرمائی اور تعریف کی۔ جو ساسوں کے لئے ایک نمونہ ہے۔

آپ کی بہو آپا طیبہ بیگم صاحبہ تحریر کرتی ہیں۔

"بچوں کی تربیت تو جس رنگ میں حضرت اماں جان نے فرمایا تھا" کہ پہلے

بچے کی صحیح تربیت کر لو دوسروں کی خود بخود ہو جائے گی اسی اصول پر کی تھی- میں نے دیکھا تھا کہ اس زمانہ میں بے انتہا نوکر ہوتے تھے- کچھ اچھے خاندانوں کی لڑکیاں گھر میں پرورش پا رہی تھیں جو گھر کی بیٹیوں کے ساتھ ہی رہتی تھیں اور کام بھی کرتی تھیں- ان کی شادیاں بھی وہیں سے ہوئیں- لیکن پھر بھی آپ کی سب بیٹیاں کام کاج، سلائی پڑھائی کھانا پکانا سب میں ماہر نکلیں- ایک واقعہ لکھ رہی ہوں بچوں کی تربیت کے متعلق- میں اس وقت قریباً بارہ یا تیرہ سال کی تھی کہ ہم اپنی دونوں ماؤں کے ساتھ، آپ سے ملنے آپ کی کوٹھی دارالسلام گئے- مجھے یہ یاد نہیں کہ کوئی بہن بھی میرے ساتھ تھی یا نہیں- باہر درختوں کے نیچے کرسیاں لگی ہوئی تھیں- ہم وہاں بیٹھ گئے بڑوں میں باتیں ہو رہی تھیں کہ میری چھوٹی نند آصفہ باہر سے کھیلتی ہوئی آئی اور آ کر کھڑی ہو گئی- تھوڑی دیر کے بعد آپ نے آصفہ سے کہا کہ تم نے سب کو سلام نہیں کیا- واپس جاؤ اور جہاں سے آئی تھیں وہاں جا کر پھر واپس آؤ اور آ کر سلام کرو- آصفہ واپس چلی گئی- کچھ دیر کے بعد مجھے خیال آیا کہ آصفہ تو آئی نہیں بھول گئی ہو گی کافی دیر کے بعد آصفہ آئی اور آتے ہی سب کو سلام کیا- نہ معلوم کتنی دور سے پہلے آئی تھی- دوبارہ وہاں گئی اور پھر واپس آئی میرے دل پر باوجود اپنی عمر چھوٹی ہونے کے یہ واقعہ نقش ہو گیا- اور اب یہ خیال آتا ہے کہ انہیں اپنی تربیت پر مان تھا کہ یہ ضرور آئیگی- اسی لئے اسے یہ حکم دیا-

آخری بیماری میں سوا سال میرے پاس رہیں ہم اپنے گھر آپ کو لے آئے تھے- پہلے تو بہت گھبراتی تھیں کہ مجھے میرے گھر لے جاؤ آہستہ آہستہ کمزوری بڑھتی گئی- لیکن جب لوگ ملنے کو آتے تو کسی قسم کی گھبراہٹ کا اظہار ان کے سامنے نہیں کرتی تھیں-

ان کی آخری بیماری کے دوران میرے میاں کو دل کا شدید دورہ ہوا پھر میں زیادہ ان کے پاس رہنے لگی- ایک دن مودی میری نند میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں

کہ امی جان کو کچھ پلا دو، وہ کسی کے ہاتھ سے نہیں پی رہیں۔ تمہاری عادت ہو گئی ہے خیر میں نے جا کر فیڈنگ کپ منہ سے لگائی تو فورا پینے لگیں۔ اس کے بعد میں نے کھلانے پلانے کا کام اپنے ہاتھ میں لیا۔''

(ذاتی تحریر)

آپا مودی یعنی آپا محمودہ بیگم صاحبہ تحریر کرتی ہیں۔'' طیبہ بیگم باوجود گھر کی ذمہ داری اور بعض اوقات اپنی بیماری اور میاں کی بیماری کے ہر وقت خدمت کیلئے حاضر رہتیں۔ گویا کہ تمام تیمارداری کی ذمہ داری ان پر تھی۔ کھانا وہ کھلاتیں دوا وہ وقت پر دیتیں ہر قسم کا کام اپنے ہاتھ سے کرتیں۔''

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۴۲،۴۳)

اسی طرح آپ کی دوسری نند آپا آصفہ (بے بی) تحریر کرتی ہیں ''ہماری بھابھی آپا طیبہ صدیقہ نے امی جان کی تیمارداری کا حق ادا کر دیا امی جان بیماری میں طیبہ طیبہ ہی پکارتی تھیں۔'' (ذاتی تحریر)

کیسی اچھی ساس اور کیسی اچھی بہو سبحان اللہ قابل تقلید۔

# حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے متعلق

## میرے بچپن کی یادیں

(صاحبزادی فوزیہ شمیم صاحبہ بیگم صاحبزادہ مرزا شمیم احمد صاحب)

میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے بچپن میں بڑی امی کی بے انتہا قربت نصیب ہوئی- آپ کی تربیت اور صحبت سے اپنے ظرف کے مطابق فیض اٹھایا- انسانی فطرت ہے کہ جب کوئی چیز آسانی سے مل جائے تو اس وقت اس کی قدر نہیں پہچانتا-لیکن جیسے جیسے انسانی شعور ترقی کرتا ہے، ان نعمتوں کی حسین یادیں حسرتیں بن کر ستاتی ہیں- کہ کاش ان بزرگوں سے کما حقہ فیض اٹھایا ہوتا- ماضی کے دریچوں میں جب جھانکتی ہوں تو ایک اور دنیا میں پہنچ جاتی ہوں، عجب شب و روز تھے- دلربا مجالس، پاکیزہ مزاح، دل شکنی سے آزاد بے تکلف گفتگو، پیار بھی تھا پر اصلاح بھی مدنظر تھی- ہر بچہ سانجھا تھا-دکھ سکھ مشترک تھے-

حضرت اماں جان کی تربیت کا طریقہ دونوں بہنوں نے اپنایا ہوا تھا حضرت اماں جان فرمایا کرتی تھیں کہ بچوں کو شروع سے کہنا ماننے کی عادت ڈال دو- پھر سب ٹھیک ہو جائیگا- میری امی اور بڑی امی یہی طریق استعمال فرماتیں- بڑی امی کا انداز نصیحت بہت دل نشین تھا- نصیحت کرتے ہوئے کوئی نہ کوئی ایسی مثال دے دیتیں جو ہمیشہ یاد رہتی- چنانچہ ہمیں زمانے کی اونچ نیچ جب سمجھاتیں تو کبھی معصوم ذہنوں کی ناپختگی محسوس کرکے فرماتیں- ’’بعض باتیں چھوٹی عمر میں سمجھ نہیں آتیں- بڑی ہو کر خود

سمجھ جاؤ گی کہ بڑوں کا تجربہ صحیح تھا- بڑے بوڑھے تجربہ کی روشنی میں بچوں کو تکلیفوں سے بچانے کے لئے بات سمجھاتے ہیں- جو بات سمجھ جاتے ہیں وہ بن جاتے ہیں ورنہ زمانہ خود سکھا دیتا ہے-'' آج بھی کانوں میں آپ کی یہ بات گونجتی ہے ''باادب بانصیب- بے ادب بے نصیب'' اس چھوٹے سے فقرے نے سارے سبق سکھا دیئے-

ہمارے بزرگوں کی بچوں کی تربیت پر، بڑی گہری نظر ہوتی ہماری امی اور بڑی امی دونوں کو، یہ خیال ہوتا کہ غلط لٹریچر ہمارے ہاتھ نہ آ جائے- مجھے اب بھی یاد ہے کہ میرے سرہانے چھوٹی چھوٹی پاکیزہ کہانیاں، نبیوں کے واقعات، چھوٹی چھوٹی احادیث کی کتب ہوتیں- کہانیاں سناتیں تو ہماری اردو بھی اچھی ہوتی رہتی- میں نے بڑی امی سے بعض کتب سبقاً بھی پڑھی ہیں- آپ کو بہت خیال ہوتا کہ ہمارا اردو کا تلفظ انگریزی اسکولوں میں پڑھنے سے خراب نہ ہو جائے- چنانچہ مجھے اب تک یاد ہے کہ میں بڑی باقاعدگی سے شام کو بڑی امی سے مرآۃ العروس پڑھنے جاتی تھی- راشد الخیری کی کتب مجھے پڑھنے کو دیتیں، سگھڑ بیٹی، حیات صالحہ وغیرہ مجھے اب تک یاد ہیں- ہمارے گھروں میں بہت سے ادبی رسالے جو عصمت، نقوش، قندیل وغیرہ آتے- قراۃ العین حیدر، آمنہ نازلی، سید سجاد حیدر ہمارے گھر میں جانے پہچانے نام تھے- کتابوں سے محبت کرنی بھی آپ سے سیکھی- کبھی صفحوں کو موڑنے نہ دیتیں- نشانی کے طور پر بھی صفحہ موڑنے سے منع فرماتیں اور بک مارک سے نشانی رکھتیں- دونوں بہنیں علم دوست تھیں رات کے پرسکون ماحول میں میں نے کبھی ان کو بغیر، مطالعہ کئے سوتے نہیں دیکھا- جو کتاب پڑھ لیتیں وہ پھر ایک دوسرے کو سناتیں اور صبح کو تبادلہ خیال ہوتا- کوئی اچھا شعر پڑھتیں تو ایک دوسرے کو سناتیں- غرض پاکیزہ مجالس، ادبی گفتگو، بات بات پر کوئی مناسب سا شعر- نہ ٹی وی تھا نہ ریڈیو، نہ ٹیپ ریکارڈر- اگر کہیں ریڈیو چلتا بھی تو صرف ایک دو لوگوں کی سماعت کیلئے- یہی وجہ تھی کہ پڑھنے کے مواقع زیادہ تھے اور یہ ہی تفریح تھی- بڑی امی اور امی کی ادبی گفتگو، ہم بھی سن لیتے اسی لئے باوجود کانونٹ میں پڑھنے کے

کچھ اردو سے بھی مس ہو گیا بڑی امی کو انگریزی ادب کا بھی بہت شوق تھا انگریزی کے پاکیزہ ناول بھی دونوں بہنیں پڑھتیں- مجھے خصوصیت سے یاد ہے- یہ سوچنے کی بات ہے کہ بڑی امی کی شادی ساڑھے بارہ برس کی عمر میں اور میری والدہ کی شادی تقریباً تیرہ برس کی عمر میں ہوئی- لیکن دونوں نے اپنی تعلیم کو شادی کے بعد بھی جاری رکھا- اردو عربی، فارسی، انگریزی میں بھی اچھی خاصی دسترس تھی بلکہ آج کے پڑھے لکھے ڈگری یافتہ بھی ان کی تعلیمی قابلیت کا مقابلہ نہیں کر سکتے- بڑی امی کی دوستی بڑے ماموں جان سے بھی بہت تھی- علم دوستی جو دونوں میں مشترک تھی- اکثر نیچے آ کر سناتیں کہ بڑے بھائی کو یہ سنا کے آئی ہوں- مجھے یاد ہے ایک دن ایک شعر پر دونوں بہنیں مغربی اقدار اپنانے پر افسوس کر رہی تھیں ؎

ہوئے اس قدر مہذب، کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں، مرے اسپتال جا کر

چنانچہ مجھے یاد ہے کہ ان بزرگوں کی صحبت اور کمرے کی قید نے مجھے کم از کم وقت سے بہت پہلے بڑا کر دیا- جو بڑے بڑے فقرے سنتی اور جو پڑھتی، دہراتی اور سب میری کتابی زبان پر قہقہے لگاتے تو سمجھ نہ آتی کہ کیوں ہنس رہے ہیں-

ہمیں سختی سے حکم تھا کہ منحوس بات منہ سے نہیں نکالنی- کبھی غلطی سے کوئی غلط فقرہ منہ سے نکل جاتا تو بڑی امی غصہ ہوتیں- آپ فرماتی تھیں- کہ حضرت اماں جان بھی اس معاملہ میں بہت سخت تھیں- اماں جان فرمایا کرتی تھیں کہ بعض وقت کی کہی ہوئی بات پوری جاتی ہے- اس ذکر میں مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا- جس سے پتہ چلتا ہے کہ بڑی امی منحوس بات کا بہت اثر لیتی تھیں-

یہ میری انتہائی خوش نصیبی ہے کہ میں حضرت مسیح موعود کی سب سے چھوٹی بیٹی دخت کرام کے بطن سے پیدا ہوئی اور حضرت مسیح موعود کی بڑی بیٹی کے ہاتھوں دنیا میں آئی- میرے حمل میں امی بہت بیمار رہیں، چنانچہ قادیان میں جب پیدائش کا وقت

قریب آیا تو ڈاکٹر اور نرسوں کا پورا انتظام تھا۔ لیکن میرا اس دنیا میں آنا اس قدر آناً فاناً ہوا کہ نہ ڈاکٹر آیا اور نہ نرس پہنچیں، اور میں بڑی امی کے ہاتھوں میں پیدا ہوئی چنانچہ یہ واقعہ ایک دفعہ مجھے بچپن میں سنایا۔ ''تمہیں پتہ ہے ککو جانی کہ میں نے تمہیں جنایا تھا اور تم نے سب سے پہلے آنکھ کھول کر مجھے دیکھا تھا۔''

میں نے فوراً اپنے بچپن کے انداز میں کہا ''اور خدا کرے جاتے ہوئے بھی آپ کو ہی دیکھوں'' بس پھر کیا تھا۔ بڑی امی کا رنگ اڑ گیا۔ مجھے خواب ڈانٹا۔ برسوں کے بعد میرے ابا کی وفات ہوئی اور میں صدمہ سے بہت بیمار ہوئی۔ حضرت بڑے ماموں جان کو دعا کا فون کیا گیا۔ سب میرے پلنگ کے اردگرد بیٹھے تھے۔لیکن بڑی امی نظر نہ آئیں۔ میری طبیعت بحال ہونے پر بتایا تم سوچتی ہو گی کہ بڑی امی نے نہ پوچھا۔ مجھے تو تمہارے بچپن کے فقرے یاد آ گئے۔ اور میں سامنے نہ آسکی حالانکہ اس بات کو برسوں گزر گئے تھے۔ اور منحوس سمجھ کر کبھی بات دہرائی بھی نہ گئی۔لیکن بڑی امی کی محبت کا اندازہ لگائیں کہ برسوں پرانی بات ان کو فکر مند کئے ہوئی تھی۔ ایک اور بات آپ اکثر فرماتیں کہ بری خبر کبھی سنایا نہیں کرتے۔ اس کے برعکس اچھی بات سن کر بہت خوش ہوتیں۔ ہماری چھوٹی پھوپھی آصفہ جن کو ہم پھوپھی بے بی کہتے ہیں بڑی امی کو بہت پیاری تھیں۔ ان کی بیٹی زوبی کی ولادت کی خبر آئی، تو بہت خوش ہوئیں اور کہنے لگیں کوئی اچھا سا نام بتاؤ۔ میری زبان سے فوراً نکلا فوزاً عظیم۔ بڑی امی نے اتنی خوشی اور پیار سے مجھے دیکھا کہ آج بھی اس کا مزا یاد آتا ہے۔

آپ صرف خشک نصیحت ہی نہیں کرتی تھیں بلکہ بہت پاکیزہ لطیف مزاح کی حس تھی۔ اپنے بہن بھائیوں کے بچوں کے لطیفے اکثر سناتیں اور خوب مزا لیتیں۔ میری بہن آپا شاما، ہفتہ میں ایک بار ابا حضور اور بڑی امی کے پاس سارا دن رہنے جاتیں۔ بڑی امی ان کا یہ واقعہ اکثر سنا کر بہت لطف لیتیں۔ آپا شاما کھانے کی بہت شوقین تھیں پھر دادی کے پاس پہنچ جائیں تو خاطریں بھی ہوتی ہیں، چنانچہ ایک دن خوب کھایا۔ اتنا

کہ سانس لینا مشکل ہو گیا- دوپہر کا وقت تھا- لیٹنے لگیں تو کہنے لگیں کیا ناتے پتنے لدے؟ کیا ناشتے پکنے لگے-'' (اس زمانے میں شام کی چائے کو ناشتہ کہتے تھے اور خوب اہتمام ہوتا تھا- بڑی امی خوب ہنستی تھیں کہ پہلا ہضم نہیں ہوا کہ ناشتے کی فکر پڑ گئی- منجھلے ماموں جان حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے بچوں کے تو بے شمار بچپن کے لطیفے تھے جن کا تذکرہ گھر میں ہوتا رہتا تھا-

بڑی امی کی ایک اور منفرد خوبی آپ کی سلقیہ شعاری تھی- حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنی ماں اور خالہ سے، کم خرچ بالانشین کے بہت سے سبق سیکھے- باوجود اس کے کہ آپ کے پاس بہت پرانے ملازم تھے لیکن بڑی امی بہترین گھر ہستی کرنے والی تھیں- آپ کھانوں میں نئی نئی جدتیں کرتیں- کوئی چیز بچ جاتی تو دوسرے وقت اس کو کچھ اور شکل دیکر ایک نئی ڈش بنا لیتیں- پالک بچ گئی تو کبھی آٹے میں گندھوا دی، کبھی دال میں ڈال کر پکالی- قیمہ بچا، تو دوسرے وقت آلو کے کٹلس بنائے یا میکرونی میں ڈلوا دیا- چیز بھی ضائع نہ جاتی اور نئی ڈش تیار ہو جاتی دیکھنے والے سمجھتے شاید بہت خرچ ہو رہا ہے- حالانکہ بچت کرتیں میٹھا بھی ضرور کھانے پر ہوتا اور وہ بھی نہایت سلیقے سے بنا ہوا- موسمی پھلوں کا Stew یا جیلی پھل ڈال کر جما دی- ساتھ کسٹرڈ سجا دیا- چھوٹی چھوٹی ڈشوں میں سلیقے سے کھانے لگے ہوتے- ہمارے گھر والے بڑی امی کے کھانے کے منتظر رہتے خود انتہائی کم خوراک لیتیں- بس پکوانے کا شوق تھا- ساتھ شامل ہونے والے زیادہ کھا لیتے رضاں (ملازمہ) کا کھانا آج بھی سب یاد کرتے ہیں- ساری ترکیبیں آپ زبانی بتاتیں- میرا خیال نہیں کہ کبھی آپ نے خود کھانا پکایا ہو- لیکن نقص فوراً پکڑ لیتیں کہ آج کھانے میں یہ کمی ہے-

پاکستان بننے کے بعد مجبوراً لمبا عرصہ سب کو ایک کمرہ میں رہنا پڑا- وہیں بیٹھنا- کھانا پینا اور سونا، آپ کا کمرہ نہایت سادگی اور سلیقہ سے سجا ہوتا، اور ہر چیز قرینے سے لگی ہوتی- ابا حضور کے بھائی سر ذوالفقار علی خان، کا خاندان لاہور میں آباد تھا-

سب اونچے اونچے عہدوں پر فائز تھے۔ اس خاندان پر بٹوارے کا کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ کیونکہ سب کی جائداد یہاں پہلے ہی تھیں۔ عالیشان سجی سجائی کوٹھیاں تھیں۔ بڑی امی سے جب ملنے آتے اسی کمرے میں بیٹھتے کبھی کوئی بے ترتیبی نظر نہ آئی۔ بڑی امی بہت صاحب الرائے تھیں۔ یہ سب لوگ باوجودیکہ احمدی نہ تھے، اپنے گھریلو معاملات میں بڑی امی کی رائے کو بہت اہمیت دیتے تھے۔

ان سب باتوں کے علاوہ آپ کی سیرت کا نمایاں پہلو آپ کی نیکی اور تقویٰ تھا۔ آپ بچپن ہی سے صاحب رویا وکشوف تھیں۔ میں نے بارہا آپ سے سنا کہ حضرت مسیح موعود آپ کو بچپن میں دعا کیلئے فرماتے اور خدا تعالےٰ آپ کو سچی رویا و کشوف کے ذریعے جواب دیتا تھا۔ آپ سے میں نے یہ بھی بار ہا سنا کہ جب میں ۶ ،۷ برس کی تھی تو حضرت خلیفہ اول نے مجھے گود میں بٹھا کر سمجھایا کہ دیکھو اللہ سے کوئی شرم نہیں اپنے نصیب کے لئے دو نفل پڑھ کر دعا مانگا کرو۔ چنانچہ ان بزرگوں کی صحبت کے ساتھ ساتھ آپ کی فطرتی نیکی اور روحانیت نے آپ کو بے انتہا دعا گو بنا دیا تھا میں نے آپ کو بچپن سے قریب سے دیکھا۔ آپ گھنٹوں عبادت میں گزارتیں۔

دوپہر کو کھانے سے پہلے ظہر کی نماز علیحدہ کمرہ میں ادا کرتیں۔ اور بہت لمبا وقت دعاؤں میں لگاتیں۔ مغرب کی نماز کا تو رنگ ہی اور تھا مغرب کے بعد نوافل عشا کے وقت تک جاری رہتے۔ اور اس قاعدہ میں میں نے کبھی فرق نہیں دیکھا۔ اتنی عبادت سے بعض اوقات آپ کو ضعف کی شکایت ہو جاتی۔ یہ دستور ہمارے گھروں میں بزرگوں کی صحبت میں ایسا چلا تھا کہ ہم بچیاں بھی علیحدہ کمرے نماز پڑھنے کیلئے ڈھونڈا کرتیں اور خوب رو رو کر دعائیں کرتیں کہ جانماز سے بھی آگے نکل جاتیں۔ نماز میں ایک دوسرے کی سڑ سڑ کی آواز سن کر بعد میں ہنستیں کہ تم زیادہ روئیں یا میں۔ غرض مغرب کی نماز کے وقت نہایت پاکیزہ ماحول بن جاتا۔ لوگ آپ کو کثرت سے دعا کیلئے کہا کرتے اور میں نے دیکھا کہ آپ اپنی جان کو ان کا روگ لگا لیتی تھیں جب

تک کہ تسلی کی خبر نہ آجاتی- صبح کو خوابوں کا تذکرہ بھی ہوتا- اس لئے ہمیں علم تعبیر سے بھی کچھ واقفیت ہوگئی- اب تو غیر از جماعت سہیلیاں بھی فون پر تعبیریں پوچھتی ہیں- ایک دن صبح صبح بڑی امی نے مجھے اپنے کمرے میں بلوایا- میرے ہاتھ میں چاندی کا ایک چمکتا ہوا روپیہ رکھ دیا، اور فرمایا ''آج رات میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تم مجھے کہتی ہو بڑی امی میرے ہاتھ پر ایک روپیہ رکھ دیں-'' میں آج سوچتی ہوں کہ شاید اسی روپیہ کی برکت ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے غیب سے رزق عطا کیا اور میرے رزق میں غیر معمولی برکت ڈالی- جو صرف میں ہی جانتی ہوں- ایک دن آپ نے بتایا کہ آج میں نے حضرت مسیح موعود کو خواب میں دیکھا اور آپ نے فرمایا مبارکہ ''اپنی لڑکیوں کو احمدیت کی بنیادوں میں دیدو-'' اس کا یہی مطلب تھا کہ بچیوں کی تربیت ایسی کرو کہ نئی نسل کی بہترین مائیں بن سکیں- اور ان کو ہر طرح کی قربانی کیلئے تیار کرو- کئی بار آپ کے منہ پر کوئی مصرعہ جاری ہو جاتا جو آپ بتاتیں لیکن اب میرے ذہن میں محفوظ نہیں رہے، صرف یاد رہ گئی-

آپ بچپن سے پختہ ذہن کی تھیں- آپ کے جو شعر درعدن میں ہیں ان کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اتنی کم عمری میں آپ کا روحانیت کا معیار کتنا بلند تھا- میں نے ایک دن بڑی امی سے پوچھا ابا حضور سے عمر کا اتنا فرق آپ کو محسوس نہیں ہوا؟ میں بڑی امی کے جواب سے بہت حیران ہوئی آپ نے فرمایا مجھے کوئی عمر کی بے جوڑی محسوس ہی نہیں ہوئی میرا ذہن میرے میاں کی سطح تک تھا- لیکن وہ میری بعض باتوں میں راہنمائی بھی کرتے رہتے تھے- چنانچہ باوجود اس کے کہ آپ کی شادی کم سنی میں ہو گئی تھی- آپ نے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور آپ کے پاس اچھی خاصی کتب کی ایک لائبریری تھی- جو آپ بہت احتیاط سے رکھتیں- اور ہمیں پڑھنے بھی دیتیں مگر اس تاکید سے کہ ورق نہیں موڑیں گے اور کتاب واپس دیں گے- میں نے بڑی امی اور امی سے بہت سی انگریزی کتب کی بھی راہنمائی لی- کچھ عرصہ کے بعد جب بینائی کمزور ہو گئی

تو پھر انگریزی پڑھنے سے بوجھ پڑتا تھا تو آپ نے انگریزی کتب پڑھنی چھوڑ دیں۔

آپ کا رشتہ چونکہ ہمارے ساتھ خالہ کا بھی تھا اور ابا حضور سے شادی کی وجہ سے دادی بھی تھیں۔ اس دُہرے رشتے کی وجہ سے دُہرا تعلق بھی تھا۔ میرے ابا سے بہنوئی والا تعلق تھا۔ بے تکلفی نوک جھونک بھی ہوتی۔ لیکن پیار بھی بہت تھا۔ ان کی بیماری میں بہن کے ساتھ مل کر جو، ان کی خدمت کی وہ قابل رشک ہے درعدن میں آپ کی بیماری میں بے اختیار کہی ہوئی ایک دعائیہ نظم ہے جس کا ایک شعر یوں ہے ۔

تقدیر یہی ہے تو تقدیر بدل دے
تو مالک تحریر ہے "تحریر" بدل دے

ہم بچوں سے بھی خاص تعلق تھا۔ ہماری چھوٹی سی تکلیف پر بھی آپ تڑپ جاتی تھیں۔ ہمارے رشتوں کا فیصلہ ہمارے والدین کے لئے بڑا کٹھن مرحلہ ہوتا۔ خصوصاً آپا شاما اور میرے رشتے میں امی کو بہت مشکل پیش آئی۔ میری دفعہ تو چونکہ ابا بھی زندہ نہ تھے اس لئے اور بھی معاملہ حساس تھا مجھے یاد ہے بڑی امی نے خوب ساتھ دیا۔ امی کے ساتھ مل کر دعائیں بھی کیں اور مشورہ میں بھی ہمہ وقت شامل رہیں۔ میرے میاں مرزا شمیم احمد کی بیماری میں نہ صرف خود دعائیں کیں بلکہ الفضل میں بھی آپ کی طرف سے خصوصی دعا کی تحریک شائع ہوئی۔ مجھے بھی خطوط کے ذریعے تسلی دیتی رہیں۔

۱۹۷۵ء میں شامی شدید بیماری سے جانبر ہوئے تو بے حد پیارا خط لکھا۔ اور ساتھ یہ شعر اپنے ہاتھ سے۔ الحمدللہ کہ ۔

فرش سے عرش پر پہنچی ہیں صدائیں میری
میرے محبوب نے سن لی ہیں دعائیں میری

میری بڑی بہنوں کا تو بڑی امی سے بزرگی کی علاوہ دوستانہ تعلق بھی تھا۔ اس وقت لگتا تھا اگر بڑی امی نہ رہیں تو زندگی کی رونقیں ختم ہو جائیں گی اس زمانے میں ہماری تمام دلچسپیاں اپنے بزرگوں کے ارد گرد گھومتی تھیں۔ ان کے پیار ہی کی وجہ تھی کہ

باوجود اس کے کہ آپ کے بیٹے ربوہ میں رہائش پذیر تھے- بڑی امی نے ہمارے بھائی نواب عباس احمد خان کے ساتھ رہنا پسند کیا- ایک تو آپ کا گھر مشترک تھا دوسرے بڑی وجہ، ہماری امی کا اس شہر میں ہونا تھا- مجھے یاد ہے کہ ہم تقریباً روز ماڈل ٹاؤن سے بڑی امی کو ملنے پام دیو آپ کی کوٹھی پر ڈیوس روڈ جاتے تھے اور رات گئے واپس آتے- عجب پررونق زمانہ تھا- بڑی امی کے صحن میں پلنگ بچھے ہوتے کرسیاں لگی ہوتیں لاہور میں رہنے والے خاندان کے لوگ جمع ہوتے-

دونوں بہنیں اکٹھی ہوتیں تو چہل قدی ضرور کرتیں- ساتھ ساتھ گفتگو ہوتی رہتی- ہم بھی ساتھ ٹہلتے رہتے اور آپ کی گفتگو سے فائدہ اٹھاتے کبھی گھریلو دیسی نسخے بیان ہوتے- کبھی گھر داری کے متعلق کوئی فائدہ مند بات یا تجربہ- خوابوں کی تعبیروں کا علم تو انہی بزرگوں کی صحبت کا فیض ہے- کسی کے گھر کے سگھڑاپے کا ذکر چھڑ گیا- ایک کہانی اس وقت کی اب تک یاد ہے کہ کیسے ایک لڑکی نے دو کوڑی میں گھر چلایا- مجھے یاد ہے ہمارے بڑے کبھی کوئی چیز ضائع نہ کرتے تھے اور انہی کی دیکھا دیکھی لڑکیاں سیکھ لیتی ہیں ورنہ اس زمانہ میں ہماری مائیں لڑکیوں سے کام نہیں کراتیں ہم نے تو بڑوں کی صحبت سے ہی باتوں باتوں میں بہت کچھ سیکھ لیا- اس ضمن میں ضمناً ایک لطیفہ یاد آ گیا- ہماری ایک بچی خاندان سے باہر بیاہی گئی اس کے خاوند کے دوست نے اس کے شوہر کو کہا یار اس خاندان میں میرا بھی رشتہ کرا دو- سنا ہے کہ ان کی لڑکیاں اٹھنی میں بھی گھر چلا لیتی ہیں- اس حد تک تو مبالغہ اور حاشیہ آرائی ہے- لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری لڑکیوں نے اپنے بزرگوں سے تھوڑے میں بھی اچھا گزارا کرنا سیکھا ہوا ہے اصل سرچشمہ حضرت اماں جان تھیں- ان سے ان کی بیٹیوں نے سیکھا اور پھر آگے اولاد کے کام آیا-

بڑی امی کے دل میں خلافت کا ازحد احترام تھا- بڑے ماموں جان سے خلافت کے احترام کے علاوہ دوستی بھی تھی- میری امی سے تو ماموں جان کا مسیح موعود

کے بعد بہن سے زیادہ بیٹی والا تعلق تھا- لیکن بڑی امی سے بہن والا سلوک تھا- باوجود اس کے کہ ماموں جان سے اتنا قرب اور بے تکلفی تھی- لیکن بڑی امی کو آپ کے مقام کا پورا احساس تھا- میری شادی ۱۹۶۵ء میں، اکتوبر کے آخر میں ہوئی- بڑے ماموں جان کی آخری بیماری کے دن تھے- آپ نے مجھے سمجھانے کا خط لکھا کہ بے شک یہ خوشی منانے کے دن ہیں لیکن اس وقت ایک موعود خلیفہ کا آخری وقت ہے ان دنوں میں خصوصی دعائیں کرنی چاہیں، اور خوشی میں بھی اس وقت کا احترام ہونا چاہیے- چند دنوں بعد بڑے ماموں جان کی وفات ہوگئی- اس وقت کا نظارہ بھولتا نہیں- بڑی امی نے بڑے ماموں جان کی میت کے سامنے اتنے پرشوکت لہجے میں سارے خاندان کواس وقت کی اہمیت کے متعلق سمجھایا- نیز دعاؤں کی تلقین کی- اب الفاظ تو یادنہیں رہے لیکن اس آواز کی گونج آج بھی کانوں میں زندہ ہے-

بڑی امی کے جانے کے بعد لگتا ہے کہ ایک زمانہ گزر گیا ہے- اک دور تھا جو ختم ہوگیا- نہ وہ محفلیں رہیں نہ وہ رونقیں- اب آنکھیں ڈھونڈتی ہیں وہ ہستیاں جو ہماری تکلیفوں میں تڑپ اٹھتی تھیں- اب کون کہے گا ”لڑکی اس دن سے دل کو پنکھے لگے ہیں جس دن سے تمہارا دعا کا خط ملا ہے-“

یہ لکھتے ہوئے ماضی کے تمام دریچے کھل گئے- بچپن جو شرارتوں سے خالی تھا- بزرگوں کی آنکھوں میں پیار بھی تھا چھوٹی چھوٹی باتوں پر روک ٹوک بھی تھی، زمانے کے نشیب و فراز سے ناآشنا لیکن غیرمحسوس طور پر اس کے لیے تیار بھی- وہ لمبی گرمیوں کی دوپہروں میں امی کے سرہانے سے کتابیں چرا کر پڑھنا- پھر ان کے تذکروں میں چپکے، سے حصہ دار بن جانا بے اختیار دل کئی دفعہ ماضی کی بازگشت پر کہہ اٹھا ہے ؎

دل ڈھونڈتا ہے، پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں، تصور جاناں کئے ہوئے

# ”پیاری خالہ جان“

(از قلم صاحبزادی ذکیہ بیگم صاحبہ، بیگم کرنل صاحبزادہ مرزا داؤد احمد صاحب)

خالہ جان (حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ) کے ساتھ میرے کئی ایک رشتے تھے۔ پہلا خالہ کا، دوسرا دادی کا، تیسرا حضرت مسیح موعود کی دختر ہونے کے ناطے سے روحانی رشتہ اور چوتھا انتہائی دوستی اور بے تکلف محبت کا رشتہ۔ میں اپنی خالہ جان کو ”مائی اولڈ فرینڈ“ کہا کرتی تھی۔ بستر پر ان کے ساتھ لیٹ کر دل کی ساری باتیں کر لیا کرتی تھی۔ جبکہ میں اپنی امی جان سے اتنی بے تکلف نہ تھی۔

خالہ جان بھی میرے ساتھ ہمیشہ ایسا سلوک کرتی تھیں جیسے دو گہرے دوست باتیں کر رہے ہوں۔ دلاسے کا رنگ بھی ہوتا تھا اور تکلیف کے وقت صبر کی تلقین بھی کرتی تھیں۔ جو بھی دل کی اور راز کی بات خالہ جان سے کہہ دی سمجھو کنوئیں میں ڈال دی---- گویا نہ کرنے والے کو اور نہ سُننے والے کو کچھ یاد رہتا۔

خالہ جان کی دوستانہ محبت اور بزرگانہ شفقت کے چند متفرق واقعات پیش کرتی ہوں۔

ابا جان کی شدید علالت کے بعد طبیعت کچھ سنبھلی اور میرے میاں کی رخصت بھی ختم ہو گئی میں واپس میاں کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوئی اس وقت امتہ المصور کی ولادت کا وقت بھی قریب تھا۔ خالہ جان کی دور رس نگاہ نے میرے دل کو بھانپ لیا آپ نے بڑے عزم کے ساتھ بلند آواز میں کہا کہ ”ذکیہ تم نہیں جاؤ گی۔ تمہارا چھلا میں خود کروں گی۔ کسی قسم کا بوجھ دل پر نہ لو۔ بچی کس دل سے سفر کرے گی ہر وقت بیمار

باپ کا فکر دامنگیر رہے گا-"

ہزاروں رحمتیں آپ کی روح پر ہوں آپ مسلسل چالیس دن تک میرے کمرے میں سوئیں اور ابا جان کی تیمارداری کے بعد جو وقت ملتا تھا وہ مجھ پر صرف کرتی تھیں- نومولود بچی پر میری پریشانی کا بہت اثر ہوا- اس کا پیٹ بھی ٹھیک نہیں رہتا تھا- بعض دفعہ تمام رات روتی رہتی تھی- مگر حضرت مسیح موعود کی اس لختِ جگر نے ایسا وعدہ نبھایا کہ ایک دن بھی اُف نہ کی، بلکہ میری فکر تھی کہ لڑکی ساری رات جاگتی ہے- طرح طرح کے نسخے اور ٹوٹکے استعمال کرواتی تھیں دعائیں بھی بہت کرتی تھیں- یہ خالہ جان کا بہت بڑا احسان تھا- خدا نے فضل کیا اور اس دُکھ سے بھی بچا لیا- کہ میں اپنے بیمار باپ کو چھوڑ کر چلی جاتی- دل تو جانے کو تیار نہ تھا کیونکہ میں سوچتی تھی کہ میں امی پر بوجھ نہ بن جاؤں، مگر خالہ جان نے میرے دل کے جذبات کو اپنی غیر معمولی فراست سے پڑھ کر مجھے روک لیا- جس سے مجھے سکون ملا- اگر خدانخواستہ میں چلی جاتی تو میرے دل پر کیا گزرتی- میری تو یہ حالت تھی کہ فون کی گھنٹی سننے کی بھی برداشت نہ تھی- میں "خدا خیر کرے" کہہ کر ریسیور اُٹھاتی تھی-

اے خدا! میں تیری رحمت کا واسطہ دے کر التجا کرتی ہوں کہ اس رُوح پر بے شمار رحمتیں نازل فرما اور بے حساب سکون عطا کر-

میری بچی امتہ المصور (بیگم ڈاکٹر محمد مسعود الحسن صاحب نوری) کا نکاح تھا اور میں کراچی سے امی جان کے پاس ربوہ آئی ہوئی تھی- گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا- حضرت بھائی جان (خلیفۃ المسیح الثالث) کا میرے میاں کے نام خط آیا کہ میں فلاں تاریخ کو نکاح پڑھاؤں گا- لیکن ادھر بچی کے سُسرال والے آنے والے تھے- گھر میں جگہ بہت کم تھی- چنانچہ میں نے خالہ جان (حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ) سے "بیت الظفر" (کوٹھی چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب) کا ایک کمرہ مانگا اس خیال سے کہ میری کوٹھی کے قریب ہے- کھانے وغیرہ پر سب اکٹھے ہو جایا کریں گے- لیکن

خالہ جان یہ کمرہ پہلے ہی اپنی بیٹی آصفہ مسعودہ (بیگم ڈاکٹر بریگیڈیئر مرزا مبشر احمد صاحب) کو ان کے مہانوں کے لئے دے چکی تھیں جو اُن کی بہت لاڈلی بچی تھی۔ خالہ جان کسی طرح بھی اُس کا دل توڑنا نہیں چاہتی تھیں اور مجھے بھی انکار گوارہ نہ تھا خالہ جان نے مجھے کہا کہ:

''ذکیہ میں بے بی (آصفہ) کی دل شکنی نہیں کرنا چاہتی اور ڈرتی ہوں کیونکہ وہ مجھے بہت پیاری ہے۔ تم ایسے کرو کہ حضرت میاں ناصر احمد صاحب کو کہو وہ مجھے کہہ دیں کہ یہ کمرہ زکیہ کو دے دو۔ اس طرح میری بیٹی کی دل شکنی بھی نہ ہو گی اور امام وقت کا ارشاد ہم سب کے لئے حکم کا رنگ ہو گا۔''

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سیدنا حضرت بھائی جان نے خالہ جان سے وہ کمرہ میرے مہمانوں کے لئے، لے دیا اور بے بی آصفہ مسعودہ کے مہمانوں کے لئے کوئی اور جگہ لے دی۔ یہ خالہ جان کی کتنی بڑی قربانی تھی کہ اپنی سب سے پیاری بیٹی کا بھی خیال نہ کیا اور میری ضرورت کو بھی (یہ سوچتے ہوئے کہ بچی کے سسرال کا معاملہ ہے) مقدم رکھا۔

میں کن کن احسانات کا ذکر کروں۔ اَن گِنت ہیں۔ ایسا ظرف تو صرف حضرت مسیح موعود کی لختِ جگر کے ہی شایانِ شان تھا۔ اللہ تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں آپ پر ہوں اور خدا کرے کہ ہم بھی اُن کے نقشِ قدم پر چلیں۔

میرے میاں جب آرمی سے ریٹائر ہوئے تو کچھ عرصہ ربوہ میں جماعتی کام کرنے کا موقعہ ملا۔ اس عرصہ میں ہم کرایہ کے مکان میں رہے۔ جب ہمارا اپنا مکان تعمیر ہو گیا تو مجھے خوشی تو تھی ہی، مگر نئی جگہ میں جانے کی گھبراہٹ بھی تھی۔ میں نے خالہ جان کو بے حد تڑپ کے ساتھ، دعا کے لئے کہا۔

''خالہ جان بہت دعا کریں۔ مجھے بہت گھبراہٹ ہے۔ اللہ تعالیٰ نیا گھر بابرکت کرے۔'' فرمانے لگیں ''کیوں گھبراتی ہو۔ خدا کا شکر ادا کرو اس نے تمہیں اپنا

گھر دیا ہے- انشااللہ بہت بابرکت ہوگا-'' جس روز میں نے اپنے نئے گھر میں آنا تھا، میری پیاری خالہ جان میرے بازو میں بازو ڈال کر تمام راستہ، اور گھر میں داخل ہو کر بھی بے حد دعائیں کرتی رہیں- پھر میں نے اُن سے کہا اس گھر کا نام بھی آپ رکھیں تو آپ نے فرمایا ''بیت الامن'' خدا تعالیٰ ہمیشہ ہی اسے اور اس سے منسوب ہونے والوں کو امن و عافیت میں رکھے- آمین- سوچتی ہوں اب کون اتنی محبت اور دعاؤں کے ساتھ تسکینِ دل کے سامان کرے گا- خالہ جان تو حضرت مسیح موعود اور حضرت اماں جان کے پاس جا چکی ہیں-

اے خدا-- ہم گناہگار ہیں مگر ہیں تو تیرے ہی پیاروں کی نشانیاں- تو خود ہمارا حافظ و ناصر ہونا-

مانا کہ بے عمل ہیں نہیں قابلِ نظر
ہیں ''خانہ زاد'' پھر بھی مراعات چاہیئے

''ذکیہ''

# ”پیاری بڑی امی“

(از قلم صاحبزادی قدسیہ بیگم صاحبہ بیگم صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب)

مجھ سے پہلے بچے یعنی میرے بہن بھائی سب بڑی امی کو خالہ جان کہتے تھے۔ میں نے بڑی امی کہنا شروع کیا پھر سب مجھ سے چھوٹے بہن بھائی بڑی امی کہنے لگے۔

پتہ نہیں میں نے کیسے بڑی امی شروع کیا۔ اس وقت بے بی بھی پیدا نہیں ہوئی تھی، کہ ہم عمر بچے کی، دوسرا بچہ نقل کرتا ہے۔ شاید یہ وجہ ہو کہ بڑی امی پیار کرتی تھیں اور میں سمجھتی تھی کہ یہ بھی ماں ہیں۔

بڑی امی بچپن کے واقعات اتنا سناتی تھیں کہ مجھے لگتا کہ میں کھڑی خود دیکھ رہی ہوں۔ بتاتی تھیں کہ گھر میں چھوٹا بچہ تم ہی تھیں اور میں تمہیں بہت پیار کرتی تھی۔ بے بی (ان کی بیٹی آصفہ مسعودہ) پیدا ہوئی تو میں تقریباً دو سال کی تھی۔ اس زمانے میں چھلے بہت اہتمام سے ہوتے تھے۔ تین چار دن تو پابندی ہوتی تھی کہ کوئی کمرے میں نہ آئے۔

بتاتی تھیں چار دن بعد میں نے تمہیں ملنے کو بلایا۔ تم ملازمہ کی گود میں کبھی حیران مجھے دیکھتی تھیں کبھی پاس لیٹے بچے کو۔ کچھ دیر بعد بولیں (بلی امی میں تون ہوں میں تیا ہوں) بڑی امی میں کون ہوں میں کیا ہوں یعنی اب اس بچے کے آنے کے بعد میری حیثیت کیا ہے۔ میری اس بچپن کی بات کو اب تک ہنس ہنس کر بتاتی تھیں اور انجوائے کرتی تھیں۔ مگر میری پہلی حیثیت بدلی نہیں تھی۔ محبت ہی یاد ہے۔

امی سے ایک حجاب تھا، حتیٰ کہ اپنی تکلیف بتانے کا بھی حجاب تھا۔ اپنا دکھ سکھ

اور اس کے لئے دعا کے لئے کہنا سب بڑی امی سے کہتی تھی- اپنے گھر کے لئے تو بڑی امی سے اتنی دعائیں کروائیں کہ حد نہیں- ایک دن کہتیں تم گھبراتی کیوں ہو- سارے نام گنوائے کہ حضرت مسیح موعود کی اولاد کے لئے دعا کروں تو تم آ جاتی ہو، میاں (ہمارے دادا) کی اولاد کے لئے دعا کروں تو تم آ جاتی ہو- حفیظ اور عبداللہ کی اولاد کے لئے دعا کروں توتم آ جاتی ہو- منجھلے بھائی کی اولاد کے لئے دعا کروں توتم آ جاتی ہو- پھر اس کے علاوہ تمہارا الگ نام لے کر دعا کرتی ہوں- گھبراؤ نہیں اللہ سب کام کر دے گا-

بچپن کی باتیں بار بار بتاتی تھیں جس سے ان کے پیار کا اندازہ ہوتا تھا اور بتاتے ہوئے چہرے پر اتنی بشاشت ہوتی جیسے اب بھی انجوائے کر رہی ہیں-

بتاتی تھیں کہ تم اور بے بی (آصفہ مسعودہ) کھیل رہی تھیں، ماں اور بچہ بن رہی تھیں- باوجود عمر میں بڑی ہونے کے میں توتلی بولتی تھی اور بے بی کی زبان صاف تھی کیونکہ بڑی میں تھی اس لئے سمجھتی تھی کہ میں ماں بننے کی حقدار ہوں- بے بی کا اصرار تھا کہ وہ ماں بنے گی کیونکہ زبان اس کی صاف ہے- کہتیں اس بحث میں تم بولیں (بے بی یہ تیا اماں توتلی، بچہ چھاف) گویا توتلی ہوتے ہوئے خود کو صاف زبان سمجھتی تھی- یہ لطیفہ سناتے ہوئے بے حد انجوائے کرتی تھیں- ان باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم بچے بڑوں کے سامنے ہی کھیلتے تھے-

بے بی چھوٹا بچہ ہونے کے ناطے بہت لاڈلی تھی، ہم میں پیار بھی بہت تھا اور لڑائیاں بھی ہوتی تھیں- ایک دفعہ مجھے یاد ہے مارکٹائی تک ہوگئی تھی- ایک دوسرے کو کافی نوچا تھا- بڑی امی کو پتہ لگا تو مجھے کچھ نہیں کہا، کیونکہ لڑائی ہمارے گھر ہوئی تھی- اس لئے امی سے پوچھا کہ کیا بات ہوئی تھی- بے بی کا منہ نچا ہوا تھا شاید کپڑے بھی پھٹے تھے میرا بھی یہی حال تھی شاید اس لئے پتہ لگا ہو- ورنہ مجھے یاد نہیں کہ ہم نے اپنی لڑائیاں کبھی اپنے ماں باپ کو بتائی ہوں-

ایک دفعہ مالیر کوٹلہ سے اکیلی آئیں تھیں۔ معلوم نہیں کیا موقعہ تھا امی ابا جان سے کہا کہ قدسیہ کو ساتھ بھیج دو میں بے بی کو اس وعدے پر چھوڑ کر آئی ہوں کہ اسے ساتھ لاؤں گی میں بے حد خوش تھی کہ کوٹلے جاؤں گی۔ آپ نے ہمیں مختلف رنگوں کے کپڑے منگوا کر دیئے ہم نے گڑیوں کی شادی کی گوٹے کناری لگائی، سلائی سکھانے کا یہ بھی ایک طریق تھا۔

میرے رشتے کی بات چل رہی تھی استخارے کے جواب کی تاخیر ہونے پر بڑی امی کوئی مزاحیہ شعر لکھ بھیجتی تھیں ایک دفعہ پوری نظم بہت مزیدار کسی رسالے سے بھیجی کہ تمہارے حسب حال ہے۔ بڑی امی میں جیسا کہ بعض بڑوں کی عادت ہوتی ہے کہ بزرگ ہیں تو بزرگی اور سنجیدگی کا احساس بھی دلواتے ہیں۔ بالکل نہیں تھا، ہم عمروں کا سا مذاق کرتیں مگر پاکیزہ، بے تکلفی میں لحاظ اور احترام کے پردے نہیں اٹھائے جاتے تھے، رعب اسی طرح تھا۔ جیسا کہ میں نے بتایا کہ جب میرے رشتہ کی بات چل رہی تھی، بڑی امی مذاق میں کوئی شعر وغیرہ لکھ کر بھیج دیتی تھیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ باتیں مذاق ہی ہوتی تھیں۔ بلکہ بے حد دعا کے لئے بھی کہتی تھیں۔ ہمارے بڑوں کا، ماں باپ کا یہ طریق ہوتا تھا، ایک تو بچپن سے ہی لڑکی کو تحریک کرتے تھے دعا کی، نیک نصیب ہونے کی دعا، نیک نسل چلنے کی دعا، اور خود بھی دعا کرتے تھے۔ اور خاص طور پر جن دنوں رشتے آئے ہوئے ہوتے ان دنوں مزید تاکید ہوتی۔ لیکن کوئی جبر لڑکی پر نہیں ہوتا تھا۔ اگر ماں باپ کو کوئی رشتہ زیادہ بہتر لگتا، مگر لڑکی کا رجحان دوسری طرف ہے تو لڑکی کی مرضی کو ترجیح دی جاتی۔ ہاں اپنی مرضی اور رشتوں کی اونچ نیچ ضرور بتاتے تھے، ہر رشتہ کے اچھے برے پوائنٹ بتا کر پھر فیصلہ لڑکی پر چھوڑتے تھے۔

ان دنوں کے ایک دو خط ابا جان کے میرے پاس پڑے ہیں۔ اب پڑھتی ہوں تو سوچتی ہوں کتنی دور اندیش نظر ماں باپ کی ہوتی تھی۔ جو آخری عمر، اور اولاد تک جاتی تھی، حتیٰ کہ فلاں رشتہ میں، آگے بچوں کے رشتوں میں پرابلم ہوسکتی ہیں۔

مستقبل میں یہ مسئلے پیدا ہو سکتے ہیں- اونچ نیچ سمجھا کر فیصلہ بہر حال لڑکی کے ہاتھ میں ہوتا تھا، اور خدا کے فضل سے یہی طریق اب بھی ہمارے خاندان میں رائج ہے- نہ لڑکے پر جبر ہے، نہ لڑکی پر اور نہ ماں باپ کی مرضی کے خلاف ہوتا ہے- تینوں فریق باہمی رضامندی سے معاملہ طے کرتے ہیں-

مجھے ایک رشتہ کے بارے میں علم ہے کہ بڑے ماموں جان خلیفۃ المسیح الثانی نے اس رشتہ کو ترجیح دی، جس میں لڑکے اور لڑکے کے گھر والوں کی پسند اور خواہش زیادہ تھی- بہ نسبت اس رشتہ کے جس میں لڑکے کی پسند زیادہ تھی مگر گھر والے اتنی زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے تھے- ماموں جان نے فرمایا کہ وہ زیادہ بہتر ہے- جسے گھر والے زیادہ ترجیح دیتے ہیں، اور لڑکا بھی پسند کرتا ہے-

اپنے گھر کے ایک بچے کی بات مجھے پسند آئی- اس نے کہا شادی صرف لڑکی اور لڑکے کی نہیں ہوتی بلکہ شادی ایک خاندان کی دوسرے خاندان سے ہوتی ہے- واقعی یہ حقیقت ہے لڑکا لڑکی خوش بھی ہوں، لیکن آپس میں دونوں گھروں میں چپقلش ہو تو آئے دن کوئی بدمزگی پیدا ہوتی ہے- خوشگوار ماحول نہیں رہتا- فیملی گیدرنگ میں، کامن خوشیوں، یا کامن دکھوں میں بچے محسوس کرتے ہیں- لڑکے لڑکی دونوں کو اپنے اپنے ماں باپ عزیز ہوتے ہیں بڑوں کے تعلقات خراب ہوں تو وہ مکمل خوشی نہیں حاصل کر سکتے-

میرے بڑے بیٹے محمود نے میٹرک کا امتحان دیا تو میں بے حد دعا کے لئے کہتی تھی- ان دنوں بڑی امی پشاور، بے بی کے پاس تھیں میں ہر چوتھے دن خط لکھ دیتی تھی کہ مودی کے لئے دعا کریں- زوبی، بے بی کی بیٹی نے بھی میٹرک کا امتحان دیا تھا مودی نے بہت اچھی پوزیشن لی- شاید بورڈ میں یا اسکول میں تیری پوزیشن تھی- ایبٹ آباد پبلک سکول میں- نتیجے کے بعد کافی دیر بعد تک بڑی امی کو نتیجہ کی اطلاع نہیں دی بڑی امی کا خط آیا کہ مودی کے لئے دعا کروا کروا کر زوبی کے نمبر بھی کم کروا دیئے اور مجھے اطلاع بھی نا دی- (زوبی کے نمبر مودی سے کم تھے) میں دعا کرواتی تھی

کہ مودی کے نمبر خاندان میں سب سے زیادہ ہوں- خدا کے فضل سے ایسا ہی ہوا- اب کوئی پریشانی ہو، دعا کی ضرورت ہو تو از حد کمی محسوس ہوتی ہے- ورنہ لگتا تھا اپنا بوجھ اٹھا کر اپنے بڑوں کے سر پر رکھ دیا ہے- گو خود بھی دعا کرتے مگر ایک بے فکری کے ساتھ-تسلی ہوتی تھی کہ اپنے بڑے بھی دعا کر رہے ہیں-

جب یاد کرتی ہوں کہ بڑی امی کس طرح بچپن کے لطیفے سنا کر انجوائے کرتی تھیں تو خیال آتا ہے کہ کس طرح ہمارے بڑے چھوٹی چھوٹی خوشیاں انجوائے کرتے تھے- شاید اسی لئے کینہ، حسد وغیرہ سے کوسوں دور تھے اور بڑی چیزوں کی ضرورت نہیں محسوس کرتے تھے- قانع تھے، آج کل کے زمانے میں تو خوشی بہت مہنگی ہوگئی ہے- لاکھوں روپے خرچ کر کے یورپ جاؤ- ہوٹلوں میں کھانا کھاؤ، آئے دن فیشن بدلیں اور نئے لباس بنے-

زمانے کے چلن بدل گئے- میں نے اپنے بڑوں کو چھوٹی چھوٹی خوشیاں انجوائے کرتے دیکھا ہے- مجھے یاد ہے قادیان میں امی نے چاندنی رات میں دعوت کی اور شہر سے سب بھاوجوں، ممانیوں وغیرہ کو بلایا اور رکھا سب سفید کپڑے پہن کر آئیں- سب آئے سفید کپڑوں میں، باغ میں چاندنی میں بہت اچھا لگ رہا تھا- معصوم سی خوشی تھی جسے سب نے بے حد انجوائے کیا- غالباً اماں جان بھی آئیں تھیں پورا یاد نہیں-

بڑی امی کی طبیعت میں نفاست بے حد تھی- آخری بیماری میں میری بھی رات کو ڈیوٹی ہوتی تھی - صبح ناشتے سے فارغ ہو کر آتی تھی- اس آخری بیماری میں بھی صبح ہاتھ منہ دھو کر باقاعدہ تیار ہوتیں- ہمیشہ یہ دستور رہا- پاؤں کی انگلیوں کے اندر پاس رہنے والی لڑکی سے پاؤڈر لگواتیں- رات کے بُندے چھوٹے چھوٹے پہنتی تھیں- بڑی امی کو دیکھ کر میں نے بھی اپنی بڑی بیٹی کے جہیز میں چین اور رات کے بندے دیئے تھے-

یہ سب اماں جان کی نصیحت کا اثر تھا کہ اپنے میاں کے سامنے کسی حال میں

بھی برے حالوں میں نہ آؤ- یہ ایک عادت بن گئی تھی جو آخر عمر تک نبھائی-

میں افریقہ جا رہی تھی، میرے میاں جماعت کی طرف سے بھجوائے جا چکے تھے- ان دنوں باہر جانے کا موقعہ کم ہی ملتا تھا- عادت ہی نہ تھی عزیزوں سے جدا ہونے کی- اور پھر ملک بھی ویسٹ افریقہ، کالے کوسوں- مجھے یاد ہے ربوہ سے ٹرین میں کراچی کے لئے روانہ ہوئے- سب عزیز سٹیشن پر آئے ہوئے تھے اور گلے لگا لگا کر رو رہے تھے- گاڑی آہستہ آہستہ روانہ ہوئی تو بڑی امی گاڑی کے ساتھ ساتھ چل رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں قدسیہ نقاب اٹھا کر ایک دفعہ منہ دکھا دو- ان کو کیا وہم آ رہے تھے، مگر میں اتنا رو رہی تھی منہ دکھانے کی بھی ہوش نہ تھی- مگر ان کی بے قراری کی آواز آج بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہے-

بڑی امی نے ایک سید زادی پالی تھیں مجھے ان کو کنوار پنے میں دیکھنا یاد نہیں میں بہت چھوٹی ہوتی تھی- مگر شادی کے بعد وہ بچوں کو لے کر آیا کرتی تھیں- جیسے میکے میں لڑکیاں آتی ہیں، اور مجھے کوئی فرق یاد نہیں کہ ان کے بچوں سے ہو- ان کے میاں کے لئے اہتمام سے کھانا جاتا تھا- خاطریں ہوتی تھیں- بیوگی کے بعد دارالسلام قادیان میں رہنے لگیں جس طرح گھر کے مختلف پورشن دوسرے بچوں کے پاس تھے ان کے پاس بھی ایک پورشن تھا- ان کی بچیوں سے ہماری بہت دوستی ہوتی تھی اسی طرح امی اور بڑی امی کے پاس چند شریف زادیوں نے پرورش پائی جن کی خاندانی لوگوں میں شادیاں ہوئیں- گھر کا ماحول برابری کا تھا- کسی کو کم نہ سمجھا جاتا تھا-

ایک واقعہ یاد آیا- جو مجھے عائشہ زمانی بیگم نے بتایا کہ ان کے ابا حکیم محمد زمان احمدی ہو کر مالیر کوٹلہ ابا حضور کے پاس آ گئے- ان کے علاقہ میں مخالفت بہت تھی- غالبًا حضرت خلیفہ اول نے ان کو بھجوایا تھا- جس زمانے میں عالمگیر انفلوئنزا پھیلا وہ بھی وفات پا گئے اور اپنے بچے بیوی ابا حضور کے سپرد کر گئے، چار بیٹیاں اور ایک بیٹا احمد زمان تھے- انہوں نے بوقتِ وفات کہا کہ اگر میں نے بچے چچا تایا کے پاس بھجوائے، تو

یہ احمدی نہ رہیں گے- ان کو میں آپ کے سپرد کرتا ہوں یہ واقعہ ان کی ایک بیٹی عائشہ زمانی نے مجھے سنایا- جو بہت بزرگ خاتون تھیں، بتاتی تھیں کہ پھوپھی اماں (بو زینب) میری ہم عمر تھیں اور دوستی بھی تھی- ایک دفعہ کسی بات میں دخل اندازی پر پھوپھی اماں نے کہہ دیا کہ تم کون ہوتی ہو دخل دینے والی، کہتیں مجھے سخت صدمہ ہوا- ابا حضور نے نوٹ کیا کہ یہ کچھ دنوں سے اداس ہے، بڑی امی سے کہا اسے پوچھو کیا بات ہے- کہتیں میں نے مشکل سے بتایا کہ بوزینب نے مجھے کہا ہے کہ تم کون ہوتی ہو؟ اور بتا کر میں رونے لگی- ابا حضور نے پھوپھی اماں کو بلایا، دونوں چھوٹی عمر کی تھیں- اور کہا تم نے اسے کہا ہے کہ یہ کون ہوتی ہے تو یاد رکھو یہ وہی ہوتی ہے جو تم ہوتی ہو- کہتیں میں تو یتیم بچی تھی میرا ڈھیروں خون بڑھ گیا- اور ہمیشہ ہم بہنوں سے بچیوں والا سلوک ہوا- اب بھی مدت گزرنے پر وہ یہ واقعہ یاد کر کے روتی تھیں-

قدسیہ

# ''میری بڑی امی''

(از قلم صاحبزادی شاہدہ نسیم صاحبہ، بیگم صاحبزادہ مرزا نسیم احمد صاحب)

میں اپنے بزرگوں سے سنا کرتی ہوں کہ بڑی امی مجھ سے بہت پیار کرتی تھیں- میری آیا جو آگرے کی تھی اُس کو کہا ہوا تھا کہ روزانہ شام کو پانچ بجے شاما کو میرے پاس لایا کرو- ہم دارالسلام قادیان میں رہتے تھے- میری آیا روزانہ مجھے تیار کر کے پانچ بجے شام بڑی امی کی گود میں دے آتی تھی- اور میں وہاں بڑی امی اور ابا حضور (دادا جان) کے پاس کھیلتی- اور ذرا بڑی ہوئی تو ہفتے میں ایک دن گزارنے اُن کے پاس جاتی لیکن یہ باتیں سب سنی سنائی خواب کی طرح ہیں لیکن ایک بات ہے کہ جب بھی کوئی ''بڑی امی'' کہتا ہے تو دل میں ایک پیار اور محبت کی لہر دوڑ جاتی ہے-

وہ زمانہ مجھے خوب یاد ہے جب رتن باغ لاہور میں میرے اباجان سخت بیمار تھے- درمیان میں اُن کا پلنگ ہوتا تھا ایک طرف بڑی امی کا اور ایک طرف میری امی کا- بڑی امی نے رات دن ایک کر کے میری امی کے ساتھ ابا جان کی تیمارداری میں جو مدد کی وہ بے مثال ہے- آفرین ہے اُن کی محبت، چاہت اور ایثار پر، ساتھ ہی ہر وقت دعائیں کرتیں اسی دوران انہوں نے ایک دعائیہ نظم کہی جس کے چند اشعار ہیں۔

مالک ہے جو تو چاہے تو مُردوں کو جِلا دے
اے قادرِ مطلق میرے پیاروں کو شفا دے
ہر آن ترا حکم تو چل سکتا ہے مولیٰ
وقت آ بھی گیا ہو تو ٹل سکتا ہے مولیٰ

(حضرت نواب عبداللہ خان صاحب پر بیماری کے دوبارہ حملہ پر نیز منصورہ بیگم کی علالت پر یہ دعائیہ نظم لکھی---- مبارکہ)

(در عدن، صفحہ ۴۴)

ابا جان کی بیماری کی تازہ صورت حال کمرے کے باہر بورڈ پر روزانہ لکھی جاتی اور ساتھ درخواست کی جاتی کہ احباب کرام صحت کاملہ عاجلہ کے لئے دعا کریں- ابا جان کو جو ڈاکٹرز چیک کرنے آتے وہ یہ بورڈ پڑھ کر دل میں حیران ہوتے کہ مریض کے دل کا تو قیمہ ہے اور یہ لوگ خوش فہمی میں صحت کی دعا کر رہے ہیں- پھر جب ابا جان کو اللہ تعالیٰ نے معجزانہ صحت دی، تو ڈاکٹروں نے بتایا کہ ہم تو وہ دعا کی عبارت پڑھ کر حیران ہوتے تھے لیکن واقعی نواب صاحب کی صحت، دعا کا کرشمہ ہے-

۱۹۵۵ء کی بات ہے میں ہوم اکنامکس کالج میں سیکنڈ ایئر کی طالبہ تھی- ہمارے کالج میں ایک مشاعرہ ہونے والا تھا اور مصرعہ طرح غالب کا تھا ؎

ایسی بستی سے تو بہتر ہے بیاباں ہونا

مشہور شاعر فیض احمد فیض مشاعرے کی صدارت کرنے اور منصفی کرنے آ رہے تھے میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں بھی مشاعرے میں حصہ لوں- بڑی امی سے ذکر کیا کہنے لگیں لو میں تمہیں نظم لکھ دیتی ہوں- چنانچہ آپ نے ؎

پھر دکھا دے مجھے مولا مرا شاداں ہونا
صحن خانہ کا مرے رشک گلستاں ہونا

والی نظم لکھ دی - کالج حال میں مشاعرہ تھا سٹیج پر مسند لگی تھی فیض احمد فیض بیٹھے تھے شاعرات کے آگے شمع آتی اور وہ اپنا کلام پڑھتیں- میری باری آئی تو پہلے سے لگی اسکرین کے پیچھے سے میں نے نظم پڑھی- فیض احمد فیض تو میری نظم سن کر عش عش کر اُٹھے کہ کس قدر اعلیٰ خیالات ہیں اور مجھے اول قرار دیا گیا- میرے اسکرین کے پیچھے سے پڑھنے سے آپ حیران نہ ہوں ہماری پرنسپل مس زمان شاہ صاحبہ تھیں جو خود بہت

اعلیٰ خاندان سے تھیں انہیں میرے پردے کا احترام تھا، اسی لیے کالج کے ڈرامے یا کسی مقابلے میں جب میں حصہ لیتی تو وہ میرے لئے اسکرین لگواتیں یا مرد مہمان کو کچھ دیر کے لئے ہال کے Side کمرے میں بھجوا دیتیں اور میں حصہ لے کر چلی جاتی۔

(یہ پوری نظم در عدن مطبوعہ ۱۹۵۹ء کے صفحہ ۶۷ پر اس نوٹ کے ساتھ ہے کہ عزیز لڑکی نے مصرعہ طرح غالب کا دے کر چند اشعار کہلوائے۔ - مبارکہ)

میرے رشتے کی بات مرزا نسیم احمد صاحب ابن مرزا رشید احمد صاحب سے ہو رہی تھی وہ باہر پڑھنے گئے ہوئے تھے۔ پڑھائی میں کچھ سال، زیادہ ہی لگ گئے اس شرم سے انہوں نے گھر رابطہ بھی کم کر دیا۔ ادھر ابا جان بیمار تھے اور جلد میری شادی کرنا چاہتے تھے۔ ابا جان کو حضرت مسیح موعود سے بہت عشق و محبت تھی وہ چاہتے تھے کہ اپنے سب بچوں کی شادیاں خاندانِ مسیح موعود میں کریں اور بڑی امی بھی چاہتی تھیں کہ نسیم صاحب سے ہی میری شادی ہو کیونکہ انہیں آپا امتہ السلام صاحبہ سے بہت محبت تھی۔نسیم آنے میں دیر کر رہے تھے اور ابا جان کی طبیعت کبھی اچھی کبھی خراب چل رہی تھی۔ ظاہری بات ہے گھر میں سب پر بہت ذہنی بوجھ تھا اس صورتِ حال کا مجھ پر بھی بہت اثر تھا۔ بڑی امی نے چھیڑ خوانی کے انداز میں مجھے دلاسہ دینے کے لئے ایک نظم لکھی جس میں سے چند اشعار درج کرتی ہوں ۔

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے
حال سب کا سقیم ہے شاما
روز و شب جس طرح گزرتے ہیں
بس خدا ہی علیم ہے شاما
تم ہو ذحتِ کرام کی بیٹی
یہ بھی آل کریم ہے شاما
اس کی فطرت سعید ہے پیاری
اس کی عزت عظیم ہے شاما

میرے پہلے بیٹے نعمان کی ولادت قریب تھی- سمیع کلینک لاہور میں ایک بڑا کمرہ لیا گیا جہاں میں داخل تھی- تقریباً دو ڈھائی دن سے میں دردوں میں کراہ رہی تھی سب ہی پریشان تھے- میری امی اور بڑی امی تو دونوں کبھی بیٹھ کر کبھی لیٹ کر کبھی ٹہل ٹہل کر دعائیں کر رہی تھیں میری بہنیں بھی وہاں تھیں سب ہی جلد مشکل کشائی کے لئے دعائیں کر رہے تھے، بڑی امی کہنے لگیں میری تو ساری رات ہی دعائیں کرتے گزرتی ہے- دوسرے دن بڑی امی نے کہا رات ذرا میری آنکھ لگی تو میں نے دیکھا کہ میں بے قرار ہو کر ٹہل ٹہل کر دعائیں کر رہی ہوں کہ اچانک چاندی کا ایک روپیہ میرے ہاتھ پر آ گرا- کہنے لگیں اب انشاء اللہ جلدی چاند سا بیٹا ہو گا- اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور جلد ہی نعمان خوبصورت اور تندرست پیدا ہو گیا- آپا امتہ السلام بہت خوش تھیں کہ اُن کے پہلا پوتا پیدا ہوا اور شکر ہے میرے ابا جان نے بھی میرا پہلا بیٹا دیکھ لیا- نعمان دس ماہ کا تھا جب ابا جان فوت ہوئے- یہ سب اِن دعاؤں کا ہی نتیجہ ہے کہ میرا یہ بیٹا بہت ہی سعادت مند اور نیک فطرت ہے- اُس کے متعلق جب بھی کوئی بات ہوتی ہے ہر شخص یہ کہتا ہے کہ نعمان کی تو بات ہی اور ہے-

''شاہدہ احمد''

# ”میری پیاری پھوپھی جان“

(از قلم صاحبزادی امتہ المتین صاحبہ، بیگم میر محمود احمد ناصر صاحب)

مجھے بہت بچپن سے حضرت پھوپھی جان یاد ہیں کبھی اپنے نانا کے گھر کبھی اماں جان کے گھر۔ کبھی ہم جب دارالسلام جاتے تھے۔ ہمیشہ ہی بنی سنوری چمکتی و دمکتی پھوپھی جان نظر آئیں۔

میں بہت چھوٹی تھی شاید چار پانچ سال کی (ابھی میں اپنی ننھیال سے شہر امی کے پاس رہنے نہیں آئی تھی) شہر آئی ہوئی تھی (شہر قادیان کو کہا جاتا تھا کیونکہ نانا جان حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب کا گھر قادیان کے باہر نئی آبادی میں تھا) اماں جان کے صحن میں پھوپھی جان اور حضرت مصلح موعود ٹہل رہے تھے۔ پھوپھی جان نے میرے پر ایک نظم بنائی تھی جو مجھے یاد بھی کروائی تھی۔ ایک شعر یاد رہ گیا ہے ؎

گول گول دیدے
ذرا برابر نہیں ندیدے

(اس وقت میری آنکھیں بالکل گول گول اور پھٹی ہوئی ہوتی تھیں)

رتن باغ میں مجھے اپنے پاس بلا لیتی تھیں اور کوئی کتاب یا رسالہ دے کر اونچی آواز میں پڑھنے کو کہتی تھیں۔ حسب معمول جس طرح اسکول میں پڑھتے ہیں میں لَے میں پڑھتی تھی۔ مجھے خود پڑھ کر سکھاتی تھیں کہ اس طرح پڑھو۔ آواز میں اس طرح اُتار چڑھاؤ ہو جیسے گفتگو کی جاتی ہے۔

ایک بار کوئٹہ آئی ہوئی تھیں، کہیں دعوت پر جانا تھا تیار ہونے میں دیر ہو گئی مجھے کہا کہ میرے پانوں کی ڈبیا لگا دو۔ میں نے کہا مجھے تو پان نہیں لگانا آتا، کبھی لگایا

بھی نہیں- کہنے لگیں اندازے سے کتھا چونا لگا دو- میں نے ڈرتے ڈرتے پان لگائے برابر دعا کرتی جاؤں کہ اللہ میاں ان میں اتنا مزا آ جائے کہ پھوپھی جان کو پسند آ جائیں- واپس آ کر کہنے لگیں بہت مزیدار پان لگائے اب تم ہی لگایا کرو گی اس طرح یہ میری ڈیوٹی لگ گئی کہ کہیں جاتے ہوئے مجھ سے پان لگواتیں اور میں ڈرتے ہوئے اور دعائیں کرتے ہوئے پان لگاتی- حضرت پھوپھی جان کی حوصلہ افزائی نے پان لگانے سکھا دیئے- ان کا مسکراتا چہرہ اب تک آنکھوں میں گھومتا ہے-

کوئٹہ میں اکثر شام کو حضرت مصلح موعود اور پھوپھی جان صحن میں ٹہلا کرتے تھے اور باتیں بھی کرتے تھے اپنے اپنے شعر بھی سناتے تھے- کتابوں پر تبصرہ بھی کرتے تھے- یہ سلسلہ تو میں نے ہمیشہ دیکھا بلکہ یہ بھی کہ اگر کسی نے کوئی کتاب پڑھی اور اچھی لگی تو اس پر خاص نشان لگا دیتے تھے تا کہ دوسرے کو پڑھائیں- جہاں تک مجھے یاد ہے حضرت مصلح موعود ''ص'' کا نشان بنایا کرتے تھے- حضرت پھوپھی جان کا نشان اس وقت مجھے یاد نہیں-

پیار کے ساتھ آپ کو ہماری تربیت کی بھی فکر تھی- مجھے بچپن سے ناخن بڑھانے پسند نہیں، شاید اس لیے کہ حضرت مصلح موعود نے ہمیشہ کہا جو فیشن شریعت تمہیں کرنے کی اجازت دیتی ہے وہ شوق سے کرو، جس بات کی شریعت میں اجازت نہیں وہ نہیں کرنا- کوئٹہ میں ایک بار قینچی نہ ہونے کی وجہ سے یا سستی سے میرے ناخن کچھ بڑھ گئے- پھوپھی جان کی نظر میرے ہاتھ پر گئی کہنے لگیں کہ تمہارے ابا سے شکایت کروں گی- میں ڈر گئی، فوراً دونوں ہاتھوں کے ناخن کاٹ ڈالے- شام کو حسبِ معمول دونوں بہن بھائی ٹہل رہے تھے اور امی جان (ام ناصر صاحبہ) سامنے پلنگ پر بیٹھی تھیں میں شرارت سے جان کر قریب سے گزری- ایک دم پھوپھی جان کو اپنی بات یاد آئی مجھے قریب آنے کو کہا میں رک گئی مجھے حکماً بلایا- ابا جان کو میری شکایت کی، میں نے شرارت سے کس کر مُٹھی بند کر لی- پھوپھی جان نے زبردستی کر کے میرا ہاتھ کھولا ناخن ندارد- کہنے لگیں اس ہاتھ کے نہیں دوسرے ہاتھ کے دکھاؤ- میں نے دوسرا ہاتھ شرارت سے، اُس سے بھی سختی سے

بند کر لیا- زبردستی کھلوایا اس کے ناخن بھی غائب- ابا جان نے بیساختہ قہقہہ لگایا جو مجھے ابھی بھی یاد ہے مسکرا کر کہنے لگیں دیکھیں آخر اس نے ناخن کاٹ لیے-

مجھے بچپن میں پہیلیاں بوجھنے اور بجھوانے کا بہت شوق تھا- کوئٹہ میں ابا جان اور پھوپھی جان ٹہل رہے تھے میں نے ایک پہیلی بجھوائی اس پر دونوں بہن بھائی پہیلیاں بنانے لگے ایک دوسرے سے بجھواتے تھے اور مجھے دیتے تھے کہ تمہارے لئے بنائیں ہیں ایک کاپی پر میں نے لکھی تھیں مگر افسوس کچے مکانوں سے پکے مکانوں میں جاتے ہوئے وہ کاپی گم ہوگئی صرف ابا جان کی ایک پہیلی یاد رہ گئی-

پنجرے میں ایک چڑیا- الٹی لٹک رہی ہے- سر کو پٹک رہی ہے پنجرے کو جب بھی توڑے، ظالم وہ کھلوائے اور اپنا سر کٹوائے-'' (دل)

پہیلیوں پر یاد آیا کوئٹہ میں ہی حضرت مصلح موعود کے ساتھ ٹہلتے ہوئے پھوپھی جان نے کسی کی پرانی پہیلی مجھ سے بجھوائی اور یاد کروائی-

''ایک جان، دھان پان پر یہ ظلم الامان، ایسے ستم کا ہے کبھی زیرِ فلک ہوئے، دل خون کر دیا ہے کسی سبزہ زار کا- یاقوت کر دیا ہے زمرد کو پیس کر-'' (پان)

آپ دینی باتیں بھی بوجھواتی تھیں- سندھ میں پھوپھی جان کا حضرت مصلح موعود کو خط آیا کہ بچیوں سے یہ پہیلی بوجھوائیں- جس نے بوجھ لی اُسے میں ایک روپیہ انعام میں دوں گی- اردو الفاظ یہ تھے-

''دو کلمات ایسے ہیں جو زبان پر بہت ہلکے ہیں- میزان میں بہت وزنی (اور) رحمٰن کے نزدیک بہت پیارے ہیں- کلمتان حبیبتان الی الرحمن، خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان- سبحان الله و بحمده، سبحان الله العظیم-

اس وقت سندھ میں آپا چھیرو میں اور جمیل تھے- سنتے ہی ایک سیکنڈ میں میں نے عربی الفاظ پڑھ دیئے- جب واپس لاہور گئے تو پھوپھی جان نے مجھے ایک روپیہ

انعام دیا۔

آپا بے بی کے بیٹا پیدا ہوا ہم کچے مکانوں میں تھے۔ میں ابھی سکول میں ہی تھی۔ ابا جان امی نے تو فوراً مبارکباد کے تار دیئے ہی تھے۔ میں نے الگ سے تار دیا کہ ''بے بی کو بے بی مبارک ہو'' پھوپھی جان جب ملیں تو بہت ہی خوشی کا اظہار کیا اور بار باراس کا ذکر کیا کہ تمہارے تار کے بہت اچھے الفاظ تھے۔

پھوپھی جان مجھ سے بہت پیار کرتی تھیں جب میرا پہلا بچہ ہونے والا تھا۔ شروع کے مہینے تھے میں نے پاندان ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیا بہت ناراض ہوئیں کہ پہلی بار طبیعت کا کچھ پتہ نہیں ہوتا احتیاط کیا کرو۔ اِسی طرح مجھے کہا کہ پہلے بچہ کے بعد پرہیز نہ کرنا (میں اس وقت اتنی ناسمجھ تھی کہ پرہیز کا مطلب نہیں معلوم تھا) بعض وقت اگر پہلے بچہ کے بعد لمبا پرہیز کیا جائے تو مزید بچہ ہونے میں روک پڑ جاتی ہے تمہیں تو ویسے بھی خیال رکھنا چاہئے کیونکہ مریم کے صرف تم اکیلی ہو۔

پہلے بیٹے سے پہلے میرا مس کیرج ہو گیا۔ پھوپھی جان ان دنوں لاہور سے ربوہ آئی ہوئی تھیں۔ مجھے پوچھنے آئیں اور محمود سے کہا کہیں سے پرانا گڑ منگواؤ اور متی کو چائے میں ڈال کر دو۔ پشاور میں رواج ہے کہ پیریڈز کے دنوں میں پہلے تین دن لڑکیاں اور عورتیں پرانے گڑ کی چائے پیتی ہیں۔ اس سے آلائش نکلتی ہے اور رحم کا ورم دور ہو جاتا ہے۔ مجھے پلایا اور خدا کے فضل سے میں ٹھیک ہوگئی۔

جب میرے پہلے بیٹے کی پیدائش کا وقت تھا کیس لائلپور میں کروانا تھا۔ تکلیف بہت لمبی ہوگئی کچھ پیچیدگی سی پیدا ہوگئی ابا جان کو تو ربوہ ہر وقت فون پر دعا کے لئے کہا جاتا تھا۔ میرے میاں نے لاہور پھوپھی جان کو فون کیا۔ بعد میں پھوپھی جان نے بتایا کہ میں پریشانی میں ٹہل ٹہل کر دعا کر رہی تھی، تو کشفی طور پر میں نے دیکھا کہ اُڑتا ہوا ایک چاندی کا روپیہ میرے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر آ گرا، اس کے تھوڑی دیر بعد ایک اور چاندی کا روپیہ پہلے روپیہ پر آ گرا ہے۔ مجھے اس سے تفہیم ہوئی کہ اللہ کے

فضل سے تم خیریت سے رہو گی اور اللہ میاں تمہیں بیٹا دے گا اس کے جلدی بعد ایک اور بیٹا دے گا- خدا کے فضل سے ایسا ہی ہوا پہلے بیٹے کے پورے ڈیڑھ سال بعد اللہ نے مجھے دوسرا بیٹا دیا-

میری شادی کے بعد مجھے اور محمود کو کہنے لگیں کہ مریم کی شادی کے بعد میں نے خواب دیکھی تھی کہ صالحہ (امِ میر محمود) بیٹھی ہیں اور مریم ساتھ آٹھ سال کی بچی ہیں اور صالحہ کے گھٹنے پر سر رکھ کر لیٹی ہیں اور آسمان پر ایک بہت روشن ستارہ ہے، میں کہتی ہوں کہ یہ مریم کی قسمت کا ستارہ ہے متی اور تمہاری شادی سے مجھے یہ تفہیم ہوئی کہ یہ اس طرف اشارہ تھا- (مجھے متی کہتی تھیں)

ایک دفعہ ہم آپ کے پاس گئے تو پھوپھی جان پلنگ پر بیٹھی روغنی روٹی اور انڈے کی ٹکیہ کھا رہی تھیں- عائشہ (میری بیٹی) کو دیکھ کر کہنے لگیں کھاؤ گی اس نے فوراً اقرار میں سر ہلا دیا اپنے ہاتھ سے اسے نوالے بنا کر کھلانے لگیں- ہم نے بہت کہا آپ کھائیں کہنے لگیں میں کھا چکی ہوں- بعد میں ہم نے انہیں بتایا کہ دو دن سے اس بچی نے ایک نوالہ نہیں کھایا تھا- پھر تو روز کا معمول ہو گیا کہ رات کو پھوپھی جان کے پاس جا کر 24 گھنٹے کے بعد ان کے ہاتھ سے روغنی روٹی اور انڈے کی ٹکیہ کھاتی تھی- جب زیادہ کمزوری آ گئی تو ہمارے جانے پر فوراً اس کے لئے دونوں چیزیں بنواتی تھیں- لیٹے لیٹے ایک نوالہ اس کے منہ میں ڈال دیتی تھیں اور کہتی تھیں میرے سامنے بیٹھ کر کھاؤ- پھر نوالہ بھی منہ میں ڈالنے کی طاقت نہیں رہی تو اپنے سامنے اس کو یہ دونوں چیزیں کھلواتی تھیں (عائشہ چونکہ بہت مانوس ہو چکی تھی کوئی شوخی نہیں کرتی تھی اس لئے اس کو کمرہ میں جانے کی ممانعت نہیں تھی) عائشہ کو خدا کے فضل سے پھوپھی جان سے اور خصوصیت سے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث سے بہت ہی پیار ملا ہے- یہ ان کی دعائیں ہی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس پر بہت فضل کیا ہے- مجھ سے میرے میاں اور بچوں سے بہت ہی پیار کرتی تھیں- آپ کی شفقتیں محبتیں اور دعائیں بے مثال تھیں-

# ”میری پیاری بڑی امی - میری نانی - میری دوست“

(ازقلم صاحبزادی امتہ الحلیم صاحبہ، بیگم صاحبزادہ مرزا مجیب احمد صاحب)

اک ننھی سی بچی بہت ہی کم عمری میں بیاہ کر سسرال جاتی ہے جہاں کتنی بڑی برادری تھی- اُس نے کس اعلیٰ ظرفی اور وقار سے، کس رواداری اور رکھ رکھاؤ سے، کس سبھاؤ، کس سمجھداری سے، کس شفقت اور پیار سے تمام رشتے نبھائے اور ان سب کے دل جیتے- عزت، قدر اور مقام پایا- مقام تو پہلے بھی تھا اُس کی رکھوالی کی- اپنے خاندان کی سب سے بڑی بن گئیں اور بڑا پن دکھایا- اک دریا ہو جیسے محبتوں کا، شفقتوں کا- یہ ایک بے مثال اور نادر نمونہ ہے- کہاں ملتا ہے دیکھنے کو؟ کہا ں پائیں گے اب؟----

نہایت بہادر اور غیرت مند، اتنی باغیرت کہ ہر بات صبر سے سہہ جائیں، لیکن لب پر شکوہ نہ آئے- اس بات پر بڑی امی کا یہ شعر یاد آ گیا جو انہوں نے ہمارے لئے ایک نصیحت کے طور پر کہا ہو گا یہ ایک پیغام ہے-

صبر کر صبر کہ اللہ کی نصرت آئے
تیری کچلی ہوئی غیرت پر وہ غیرت کھائے
وہ لڑے تیرے لئے اور تو آزاد رہے
خوب نکتہ ہے یہ اللہ کرے یاد رہے

یہ بہادر بزرگ ہستی وہی ہیں، نواب مبارکہ بیگم صاحبہ، فراست اور ذہانت کا شہکار، زیرک اتنی کہ ماحول کا جائزہ لیا اور سمجھ گئیں کہ کیا ہو رہا ہے- بات سنی اور سمجھ

گئیں- مناسب ہوا تو جواب دیا یا کچھ بولیں ورنہ اس طرح سنا کہ گویا سنا بھی نہیں- اک معصوم ہستی جیسے ایک فرشتہ، اک معصوم بچہ، سچا کھرا، خالص اور بے داغ- چھوٹی چھوٹی بات پر خوش ہونے اور مسکرانے والی ہستی- میری بڑی امی- درگزر اور پردہ داری کا وہ بے مثال نمونہ دکھایا جو اس زمانہ میں ناپید ہے- معاشرے کی ہشیاریوں اور چالاکیوں، سیاستوں اور منافقتوں سے چڑنے والے- اُن باتوں اور اس ماحول کو ناپسند کرنے والی ہستی نے اپنے پاک عمل سے یہ بتا دیا کہ ڈرو--- بچو ایسے گندے ماحول سے، مت اُٹھو بیٹھو ایسی جگہ پر- جماعت کی غیرت اور خلافت سے وابستگی کی ایک زندہ مثال تھی وہ ہستی- کیا بھائی کا رشتہ، کیا داماد کا رشتہ، خلافت کی بات آئی تو ہر رشتہ بھُلا کر اپنی تمام تر اطاعت اور احترام کو لئے اپنے وجود کو اپنے پیار کو ان کے لئے وقف کرنے والی یہ وہی تو ہستی تھی جو میری نانی ہیں- میری پیاری بڑی امی، میری ماں، میری دوست، میرا سب کچھ- ان کی نصیحتوں نے، ان کے پیار نے، ان کے ساتھ نے مجھے جینا سکھایا- ہنسنا سکھایا، میرے دکھ سے دکھی ہونے والی نانی، میری خوشی سے خوش ہونے والی نانی، میرے لئے بے چین ہونے والی نانی، میری فکر کرنے والی، میرے لئے ہر پل دعائیں کرنے والی میری بہت ہی پیاری دوست تھیں وہ- میرا چہرہ پڑھ کر سمجھ لینا، میرے خط پڑھ کر جو بات میں لکھنا چاہتی تھی وہ خود سے سمجھ لیتیں- دور بیٹھے میرے لئے بے چین، ہمارے درمیان جیسے ٹیلی پیتھی چل رہی ہوتی تھی- اگر بیمار ہوں یا پریشان ہوں تو بڑی امی کے دل کو پتہ چل جاتا تھا اور فوراً خط لکھتی تھیں، کبھی خوابوں میں آ کر تسلی دیتی تھیں- عجب تعلق تھا وہ دل سے دل کو راہ تھی- ذرا بھی یہ احساس ہونا کہ حلمی پر کوئی بوجھ ہے تو آگے بڑھ کر ہاتھ تھام لینا- ظاہر یہ کرتی تھیں گویا میرا سہارا لے رہی ہیں، لیکن مجھے علم ہوتا تھا کہ یہ محض مجھے تسلی کے لئے ہے اور میں خوش ہو جاتی- سکون مل جاتا- مجھے جو بھی کوئی مسئلہ پڑا انہوں نے سمجھا، محسوس کیا اور اُسے سلجھانے والی بنیں- میری وہ پیاری نانی--- یہ تھی میری نانی، میری دوست ۔

بہت ہی محترم ہستی، بے پایاں کمالات اور اخلاقی خوبیوں کی حامل ایک بھرپور شخصیت جسے انسان چاہے بھی تو قلم بند نہ کر سکے۔ آج کچھ لکھنے بیٹھی ہوں تو سارے وجود میں بے انتہا اداسی اور سکتہ سا چھایا ہوا ہے، اور رونا آ رہا ہے۔ ہم ان کے لئے لکھ کر بھی انصاف نہ کر پائیں گے شاید۔ ماں بیٹی کا رشتہ تو مضبوط تر ہوتا ہے۔ لیکن نانی اور نواسی کے درمیان ایک ایسا مضبوط بندھن، ایسا پیار اور دوستی کہاں دکھائی دیتی ہے؟ اوہ بڑی امی I miss you۔ ایسی Understanding اور روحوں کی پہچان اور ایسا پیار تو قسمت والوں کو ہی ملتا ہے۔ میں اس لحاظ سے بہت خوش قسمت رہی۔ میرے لئے بہت دعائیں کرتی تھیں۔ سب کے لئے کرتی تھیں کوئی بھی شاید ان کی دعاؤں سے محروم نہ رہا ہوگا۔ میں نے ان کی دعاؤں کے اثر اور قبولیت دعا کے نشان خود مشاہدہ کئے ہیں۔ بڑی امی کو سخت فکر تھا کہ میرے گھر بیٹا نہ ہوگا۔ اللہ جانے کتنی دعائیں کی ہوں گی انہوں نے۔ پھر میرے ہاں بیٹا ہونا، صحیح سالم صحت مند، جیتا جاگتا خدا کے فضل اور ان کی دعاؤں کا پھل تھا۔ اُن دنوں وہ خود بیمار تھیں اور شدت کی سردی تھی جب خبر ملی کہ بیٹا ہوا ہے تو فوراً خوش خبری سنانے والے کو انعام دیا اور خود اُس بیماری کے باوجود مجھے اور بچے کو دیکھنے آئیں۔ بے انتہا خوش تھیں۔

اللہ میرے مولیٰ تو مجھے اور میرے بچوں اور اگلی آنے والی ہماری نسلوں کو بڑی امی کی دعاؤں کا ہمیشہ وارث بنائے رکھنا۔ آمین۔

یہ نہیں کہ بڑی امی نے لاڈ سے بگاڑا ہو، تربیت کا پہلو ہر دم مقدم تھا اور میں بھی ان کے لاڈ پیار کے باوجود ان کے مقام کو کبھی نہ بھولی، ایک تو ان کا اپنا رعب و دبدبہ اور دوسرے ان کا ادب و احترام ہماری گھٹی میں ڈالا گیا تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کی تربیت، بڑی باتوں سے روکنا ٹوکنا، سمجھانا، ادب آداب کی تمیز مجھے اپنے بچپن کی باتیں اور ان کی نصیحتیں یاد ہیں۔ بڑی امی میں ادبی ذوق کے علاوہ مزاح کی حس بھی بے انتہا تھی۔ مجھے یاد ہے میری اوٹ پٹانگ باتوں پر بے اختیار ہنستی تھیں۔ پھر اک دم

چونک کر چپ ہو جانا پھر کوئی بات سمجھانے والی ہو تو سمجھانا۔ ’’ایسے نہیں کہتے، یوں نہیں سوچتے۔‘‘ بچپن میں بھی بڑی امی کا اس بات پر ٹوکنا یاد ہے ’’ہیں ہیں لڑکیاں اونچے اونچے قہقہے نہیں لگایا کرتیں بُری بات ہے۔‘‘ آرام سے چلو، دھبڑ دھبڑ کر کے بھاگا نہیں کرتے۔ اونچی آواز میں نہیں بولتے۔ ماتھے پر بل نہیں ڈالتے تمام زندگی کے لئے شکنیں پڑ جائیں گی۔ ہیں ہیں ایسی شکلیں کیوں بنا رہی ہو۔ سیدھی ہو کر بیٹھو، ورنہ کُب پڑ جائے گا۔ صاف ستھرے رہنا چاہیئے۔‘‘ جب میری شادی ہوئی تو ڈھیر ساری نصائح کیں جو اب تک یاد ہیں اور بیاہی جانے والی لڑکی کو میں بتاتی ہوں۔ بچپن سے ہی یہ بات کان میں ڈالی کہ لڑکی خود اپنے نیک نصیب اور اچھی قسمت کے لئے دعا کرے۔ ’’لڑکی اپنے نصیبہ کے لئے دعا کر۔‘‘ اور پھر ہمیشہ ہماری اردو صحیح کرنی۔ بڑی امی کے ساتھ ہلکی پھلکی مجلس لگی ہے تو وہاں بھی تربیت کے پہلو یاد رکھتیں۔ باتوں باتوں میں اچھی بات سمجھا دی اور برائی کو روکنا۔ یہی وجہ ہے کہ میں ہر بات بڑی امی سے کر لیتی۔ کوئی بات پوچھنی، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا یا کوئی دکھ پریشانی کی بات ہو سب بڑی امی سے کرنی اپنی امی سے نہ کرنی۔ شادی کے بعد تو ویسے ہی ماں باپ سے کوئی بات نہیں کرنی چاہیے۔ یہی ان کی نصیحت تھی۔ ’’کبھی اپنے میکے کی بات سسرال میں اور سسرال کی بات میکہ میں نہیں کرتے۔ عزت قدر سے رہنا اور اللہ کرے تمہیں ہمیشہ عزت قدر ملے۔ آمین۔ سب سے بڑی دعا ہی یہ ہے۔ اپنا دکھ اپنی زبان پر نہ لانا۔ ماں باپ تو چہرہ دیکھ کر بھی پہچان لیتے ہیں، زبان پر آیا دکھ ان کے سینہ پر تیر چلا جائے گا۔‘‘

شادی کے بعد کراچی چلی گئی۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ بڑی امی دو بار کراچی ہمارے پاس آئیں۔ ہمارے گھر پر ٹھہریں۔ بہت خوش رہیں، کتنی برکتیں اور دعائیں ملی ہوں گی ہمیں۔ بڑی امی کو بے شمار خط لکھے اور ان کی طرف سے پیارے پیارے خط آتے۔ کچھ خطوط ضائع بھی ہو گئے اب بھی بے شمار خط ہیں۔

اب چند واقعات لکھتی ہوں جو ہمارے لئے تربیت کا اور نصیحت کا رنگ ہوں گے۔

میرے ابا جان (حضرت مرزا ناصر احمد) کے خلیفہ بننے کے بعد کا ایک واقعہ لکھتی ہوں کسی کی پیدا کردہ غلط فہمی اور فتنہ کی وجہ سے ابا مجھ سے ناراض ہو گئے۔ میں بہت کرب میں تھی اپنی بڑی امی کو خط لکھا تمام تر تفصیل کے ساتھ۔ سردیوں میں ربوہ آئی، بڑی امی بھی بہت بے چین تھیں۔ قصرِ خلافت میں کوئی فنکشن تھا ہم سب باہر لان میں تھے ابا امی اندر تھے بڑی امی آئیں اور ایک دم میرا ہاتھ پکڑا اور تیزی کے ساتھ چلتی ہوئی ابا کے پاس آئیں اور مجھے ابا کے قدموں میں گرا دیا، فرمایا معافی مانگو۔ بڑی امی کو برداشت نہیں ہو رہا تھا کہ ابا مجھ سے ناراض رہیں اور دوسری طرف ابا سے اظہار کر دیا کہ میں لائی ہوں اب تو معاف کرنا ہی ہوگا۔ یہ نمونہ تھا ہماری بڑی امی کا۔ ایک طرف خلافت سے وابستگی کا جذبہ اتنی شدت کا۔ کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتی تھیں کہ کسی سے خلیفۂ وقت ناراض ہو۔ اس شخص پر کیا بیت رہی ہو گی، اور پھر میری فکر کہ دل میں کتنا درد لئے پھر رہی ہو گی۔ معافی ہونی چاہیے، صلح ہونی چاہیے۔ یہ قدم خود اٹھایا۔ ابا امی سے میری صلح کروائی اور پھر غلط فہمی دور کروائی۔ آج ایک خلاء محسوس کرتی ہوں۔ ان کی یادیں میرا سرمایہ ہیں۔ ان کا پیار میری سب سے بڑی پونجی ہے۔ کہتے ہیں روحوں کا تعلق زمین سے رہتا ہے۔ بڑی امی میرے خواب میں آئیں، لوگوں کی بھیڑ سے نکلتی، میری طرف بڑھ رہی تھیں قریب آ کر میرا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا اور شانہ بشانہ کھڑی ہو گئیں، خاموش، لیکن میں محسوس کر رہی تھی کہ مجھے تسلی دینے آئی ہیں اور کہہ رہی ہیں گھبرانا نہیں میں ہوں تمہارے ساتھ۔ کچھ دنوں بعد جو واقعہ ہوا تو اس خواب کا مطلب سمجھ آیا۔

میری بڑی امی، میری نانی، میری دوست

# ماں کے قدموں کے نیچے جنت

مذکورہ بالا تمام باتوں سے ثابت ہوا۔

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ وہ ماں تھیں جن کے پاؤں کے نیچے جنت کی بشارت حضرت نبی اکرم ﷺ نے دی اور آپ نے ان تمام ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی ادا کیا، جن کی وجہ سے ماں اور اولاد اس جنت کو حاصل کر سکتے ہیں۔

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں۔ ’’ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے یہ کتنا لطیف فقرہ ہے اور آنحضرت ﷺ نے ماں کی کتنی اہمیت بیان فرمائی ہے عام طور پر لوگ اس کے یہ معنے کرتے ہیں کہ ماں کی اطاعت اور فرمانبرداری میں جنت ملتی ہے۔ یہ بھی درست ہے لیکن اس کے اصل معنے یہ ہیں کہ درحقیقت قوم میں جنت تبھی آتی ہے جب مائیں اچھی ہوں، اور اولاد کی صحیح تربیت کرنے والی ہوں۔ اگر مائیں اچھی نہ ہوں اور اولاد کی صحیح تربیت نہ کریں تو اولاد بھی کبھی اچھی نہیں ہو گی اور جس قوم کی اولاد اچھی نہیں ہو گی اس قوم میں جنت بھی نہیں آئے گی پس درحقیقت قوم میں جنت ماؤں کے ذریعے سے ہی آتی ہے۔‘‘

(اوڑھنی والیوں کے لیے پھول صفحہ ۵۳۶)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہٖ العزیز نے بھی اس حدیث کی نہایت ایمان افروز ذمہ داریاں بتاتے ہوئے فرمایا ’’پس اس پہلو سے مسلمان عورت کی کچھ ذمہ داریاں ہیں جو اس دنیا کے ساتھ بھی تعلق رکھتی ہیں اور اس دنیا کے ساتھ بھی تعلق رکھتی ہیں سب سے پہلے تو یہ دیکھنا ہو گا کہ ہر خاتون جو گھر کی ملکہ ہے کیا اس کے گھر میں جنت بن گئی ہے یا نہیں بنی؟ کیا اس کی اولاد میں جنتیوں والی علامتیں پائی

جاتی ہیں کہ نہیں- اسے دیکھ کر ہر عورت خود اپنے نفس کا جائزہ لے سکتی ہے اور اس بات کو پرکھ سکتی ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفےٰ ﷺ کی پیش کردہ کسوٹی کے مطابق میں وہ عورت ہوں کہ نہیں، جس کا ذکر میرے آقا و مولا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے اتنے پیار اور اتنے ناز اور اتنے اعتماد کے ساتھ کیا تھا- مجھے مخاطب کیا، میرا ذکر فرمایا اور یہ کہا کہ اے مسلمان عورت، جو میرے حلقہ ارادت میں داخل ہوئی، تجھ سے مجھے یہ توقع ہے کہ تیرے پاؤں کے نیچے جنت ہے-''

(خطاب لجنہ جلسہ سالانہ قادیان ۲۷ دسمبر ۱۹۹۱ء)

آپ کی صاحبزادیوں، بھانجیوں، بھتیجیوں، نواسیوں، پوتیوں غرض خاندان کی تمام خواتین کی باتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ لاریب آپ اور آپ کی عظیم والدہ حضرت سیدہ نصرت جہاں اماں جان وہ ماں ہیں جن کے پاؤں کے نیچے جنت کی بشارت حضور ﷺ نے دی آپ ہی وہ مبارک وجود ہیں جنہوں نے اس حدیث کی ذمہ داریوں کو ہر جہت سے پورا کیا بلاشبہ آپ ہی حضور ﷺ کے پیار، آپ ﷺ کے ناز اور آپ ﷺ کے اعتماد پر پوری اترتی ہیں- کاش خدا تعالیٰ ہمیں بھی آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دیتے ہوئے ہمارے قدموں کے نیچے بھی ہماری اولادوں کے لئے جنت بنا دے- آمین

# حضرت بیگم صاحبہ

(ازقلم مسز فرخندہ اختر شاہ، سابق پرنسپل جامعہ نصرت ربوہ)

جامعہ نصرت کی سالانہ تقریبات میں ہم اکثر عظیم ہستیوں کو دعوت دیا کرتے تھے- ایک برس عاجزہ نے حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی خدمت میں عرض کی کہ Convocation میں ہمیں Guest of Honour کی سعادت بخشیں، اور طالبات کو اپنی زریں نصائح سے نوازیں- مجھے انتہائی خوشی ہوئی جب آپ نے یہ درخواست قبول فرما لی- جامعہ نصرت میں مکرم عبدالسلام صاحب اختر طالبات کو فلاسفی پڑھایا کرتے تھے وہ بہت اچھے شاعر تھے، اُن سے گزارش کی گئی کہ حضرت سیدہ بیگم صاحبہ کی آمد پر نظم لکھ دیں- انہوں نے نہایت اعلیٰ نظم لکھی- جو کالج کے رسالہ النصرت میں بھی چھپی- افسوس وہ مکمل نظم نہیں مل سکی اس کے چند اشعار درج ذیل ہیں ۔

مبارک ہمنشینانِ چمن جانِ چمن آئی
ہماری بزم میں اک پیکرِ علم و سخن آئی
وہ جس کے علم و فن نے دل کو نورانی قبا بخشی
وہ جس کے اک تبسم نے ستاروں کو ضیاء بخشی
وہ جس کے فکر کا عالم ہے، دل کا ترجمہ اب بھی
وہ جس پر ناز کرتا ہے، ادب کا کارواں اب بھی

طالبات آپ کی Presence سے بے حد مسرت حاصل کرتیں اور اُن سے اکثر Auto Graph لیتیں- آپ کالج کی سالانہ تقریبات مثلاً مشاعرہ اور Games & Athletics میں دلچسپی سے شامل ہوتیں اور کبھی کبھی تقریب کے اختتام

پر قیمتی نصائح فرماتیں- سلام کا جواب ہمیشہ متبسم چہرہ سے دیتیں اس عظیم ہستی کی شفقت اور محبت پا کر غیر از جماعت سٹاف بھی آپ سے گفتگو کرنے میں خوشی محسوس کرتا- ایک لیکچرار جو فارسی پڑھایا کرتی تھیں، اس نے وفاتِ مسیح کے متعلق سوال کئے- آپ نے اسے نہایت پیار سے سمجھایا اور حضرت مسیح موعود کی کتاب مسیح ہندوستان میں پڑھنے کی ہدایت فرمائی-

جامعہ نصرت کی سالانہ کھیلوں میں ایک برس حنیف رامے وزیر خزانہ پنجاب کی بیگم مہمان خصوصی تھیں- تقسیم انعامات کے بعد انہوں نے بیگم صاحبہ سے ملاقات کی خواہش کی- چنانچہ انہیں بیت الظفر لے جایا گیا- جہاں وہ اس عظیم شخصیت سے مل کر بہت خوش ہوئیں- حضرت سیدہ بیگم صاحبہ نے انہیں تحفہ بھی عنایت فرمایا-

جامعہ نصرت کے گیسٹ ہاؤس میں غیر ملکی احمدی خواتین اکثر قیام پذیر ہوتی تھیں- ان میں مسز ساقی، جرمن لیڈی مسز جمیلہ کوپ مین اور مسز بحری سلیمان ڈچ خواتین قابل ذکر ہیں- انہیں حضرت سیدہ بیگم صاحبہ سے ملاقات کا بہت اشتیاق رہتا اور بڑی محبت سے ان سے مصافحہ کرتیں-

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نہایت لطیف مزاح کی مالک تھیں- ایک دفعہ چند سٹاف ممبرز کے ساتھ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ نے ایک عورت کا ذکر فرمایا- جو زیر تبلیغ تھی- آپ اُسے حقوق اللہ اور حقوق العباد کے متعلق سمجھا رہی تھیں- وہ ہر بات مان رہی تھی- جب اسے بتایا گیا کہ غیبت اور چغلی سے پرہیز کرنا چاہیے تو اس نے فوراً کہا نہیں، یہ نہیں ہوسکتا- انہیں باتوں سے زندگی میں دلچسپی پیدا ہوتی ہے- حضرت بیگم صاحبہ نے مسکراتے ہوئے فرمایا، وہ یہی رٹ لگاتی رہی- کہ پیٹھ پیچھے قصے کہانیاں سنانے میں بہت لطف آتا ہے-

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا وجود مبارک اس دور کا عظیم الشان روحانی وجود تھا اور ہے- قادیان اور ربوہ میں جب کبھی آپ سے ملاقات کے لئے

جاتے- آپ نہایت خندہ پیشانی سے ملتیں- سب کا حال احوال دریافت فرماتیں- خاص طور پر میرے بڑے بھائی بریگیڈیر ڈاکٹر غلام احمد کا- انہیں حضرت بیگم صاحبہ سے بے انتہا عقیدت تھی- کبھی کبھی ان کی خدمت میں حاضر بھی ہوا کرتے تھے-

اپنے چھوٹے بھائی کی خواہش پر میں اس کی بیٹی کو حضرت سیدہ بیگم صاحبہ کے پاس بسم اللہ کا سبق پڑھانے کے لئے دارالظفر لے گئی- آپ نے نہایت محبت سے اسے بسم اللہ پڑھائی اور پھر بہت لمبی دعا کروائی- اتنی لمبی کہ مجھے تھکن محسوس ہونے لگی- آپ نے فرمایا لڑکیوں کے لئے یہ دعا بھی مانگی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے نیک نصیب کرے اور دین و دنیا کی نعماء سے نوازے- چنانچہ یہ آپ کی پُرسوز دعا کا نتیجہ ہے کہ میری بھتیجی کا میاں جو شادی کے وقت بیکار تھا اب مانچسٹر میں ایک بڑے ہوسٹل کا مینجر ہے- اس کا اپنا مکان ہے اور BMW میں دنوں سیر کرتے ہیں- اپنے نانا کی وہ واحد نواسی ہے جس نے بی اے کیا ہے-

۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے بعد ابھی حضرت مصلح موعود اور بہت لوگ رتن باغ میں رہائش پزید تھے- عاجزہ بھی وہیں حضرت سیدہ مہر آپا کے پاس آ کر ٹھہری- قادیان میں بس پر چڑھتے ہوئے میرا سوٹ کیس اور بستر وہیں رکھوا لیا گیا- اور میں صرف پرس ہاتھ میں لئے اور اپنے بیٹے مشہود کے ساتھ لاہور پہنچی- ایسی بے بسی کی حالت تھی کہ بیان نہیں کرسکتی- تین روز کے بعد حضرت سیدہ بیگم صاحبہ نے اپنا ایک نہایت پیارا جوڑا مع دوپٹہ کے مجھے مرحمت فرمایا جو مدتوں میں نے Sowenir کے طور پر اپنے پاس رکھا-

حضرت سیدہ بیگم صاحبہ کے اعلیٰ اخلاق اور انسانی ہمدردی کی ان گنت مثالیں ہیں- حضرت شاہ صاحب کی وفات پر سب سے پہلا تعزیت کا خط مجھے آپ کی طرف سے مکرمہ بیگم صاحبہ صاحبزادہ ڈاکٹر منور احمد کی معرفت ملا- کیا عرض کروں کہ آپ کے ہمدرد الفاظ Provided balm to my aching heart پھر جب ہمارے غریب خانہ پر تشریف لائیں تو آپ نے فرمایا، کہ شاہ صاحب کی وفات کی خبر سنتے ہی میرے

سامنے وہ منظر آ گیا جب یہ دونوں بھائی (شاہ صاحب اور سید عزیز اللہ شاہ) قادیان آئے- انہوں نے ترکی ٹوپیاں پہنی ہوئی تھیں- آ کر حضرت مسیح موعود کو قرآن کریم سنایا- یہ دونوں بھائی حافظِ قرآن تھے- آپ نے محبت بھرے الفاظ میں صبر کی تلقین فرمائی- بچوں کو بلا کر ان کے سر پر ہاتھ پھیرا- واپسی پر آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا اگر شاہ صاحب کی زندگی میں آتی تو کتنے خوش ہوتے-

حضرت سیدہ بیگم صاحبہ چھوٹا سا تحفہ پیش کرنے پر بھی بہت مسرت کا اظہار فرماتیں- عید پر عاجزہ نے انہیں ایک کیک بھیجا، جس پر عید مبارک کی بجائے جامعہ نصرت لکھوایا- اس کے دوسرے ہفتے میں ریٹائر ہو گئی- چند روز کے بعد ملاقات کے دوران بہت خوشی کا اظہار فرمایا- کہ تمہارا ارسال کردہ کیک ہم سب نے پسند کیا- اور تم خاموشی سے ریٹائر ہو گئیں-

جامعہ نصرت برائے خواتین جو حضرت مصلح موعود کے بابرکت ہاتھوں سے معرضِ وجود میں آیا- جس کی آبیاری حضرت سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) نے فرمائی- اور جس کی سالانہ تقریبات پر ہم اکثر پاکستان کی عظیم ہستیوں کو مدعو کیا کرتے تھے- اس کی تاریخ میں حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا جامعہ نصرت کے متعدد کانووکیشن پر اپنی صفاتِ حسنہ اور کمالات خاصہ سے خطاب فرمانا زریں الفاظ میں لکھا جائے گا-

اے کاش- میں ان روحانی مناظر کا نقشہ الفاظ میں کھینچ سکتی- جب آپ جامعہ نصرت میں ہمارے درمیان رونق افروز ہوتیں-

کاش- اک بار وہ چاند زمین پر اتر آئے

ڈھونڈتی ہے، جلوہ جاناں کو آنکھ
چاند سا چہرہ ہمیں دکھائے کون

# مول سے بیاج پیارا

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اپنے بچوں کے بچوں سے نہایت درجہ پیار کرتیں فرماتی تھیں ''مول سے بیاج پیارا۔'' بے بی کہتی ہیں میرے بچوں سے بہت پیار تھا۔ بعض اوقات مجھے ڈر ہوتا کہ زیادہ لاڈ سے بگڑ نہ جائیں مجھے اکثر کہتی تھیں کہ ان کو ڈانٹا نہ کرو۔ تم ڈانٹتی ہو تو مجھے لگتا ہے کہ ''کوئی ڈائین میرے بچوں کو ڈانٹ رہی ہے۔'' لو اور سنو۔ (تحریر آپا بے بی)

آپا محمودہ بیگم صاحبہ تحریر کرتی ہیں۔

''یوں تو سب نواسے نواسیاں پوتے پوتیاں پیارے تھے لیکن میرے بچوں کے ساتھ دو سے خصوصیت سے محبت تھی ایک میری بچی امتہ الحی دوسرے میرا بیٹا مظفر ان سے بہت پیار تھا۔ امتہ الحی نے شادی سے پہلے بہت خدمت کی اب تو وہ دور ہے۔ اور مظفر نے بیماری میں بہت خدمت کی۔''

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۴۲)

آپا امتہ الباسط بیگم صاحبہ میر داود احمد صاحب تحریر کرتی ہیں ''میرے بچوں سے بہت پیار تھا خصوصاً بی سے ، گگو، ندرت، نصرت سے بھی بہت پیار کرتی تھیں نصرت کی آواز بہت پسند تھی۔ آخری بیماری میں ایک مرتبہ اپنی کہی ہوئی دو نظمیں اس سے سنیں ایک ؎

کیا التجا کروں کہ مجسم دعا ہوں میں

دوسری ؎

مولا میرے قدیر میرے کبریا میرے

اپنی بیماری میں کہنے لگیں کہ ''میرے دل میں بڑے بھائی کی بیویوں کی بہت قدر ہے۔'' آپ نے بھائی کی ساری اولاد کو اپنی اولاد کی طرح سمجھا ان کی تکلیف پر تڑپ جاتیں جیسی اپنی اولاد کی۔

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۲۴)

آپ کی بڑی نواسی صاحبزادی امتہ الشکور بیگم (بنت حضرت خلیفتہ المسیح الثالث) بی بی شکری کہتی ہیں:- Generation gap کی اصطلاح آج بہت بولی جاتی ہے- اس لیے اس کا ذکر اٹھایا ہے- ہمارے اور بڑی امی کی عمروں کے فرق کے باوجود زمانے کی تبدیلی کے باوجود کوئی Gap نہیں تھا- بڑی امی کا رویہ ہر ایک سے دوستانہ ہوتا- اور ہم لوگ ان سے ہر قسم کی بات انتہائی بے تکلفی سے کر لیا کرتے تھے کیونکہ ہر وقت کی روک ٹوک آپ کی طبیعت کا خاصہ نہ تھا بہت زندہ دل تھیں- حس مزاح بھی رکھتی تھیں- سب عزیز اتنے بے تکلف تھے کہ داماد بھی آپ کو چھیڑتے رہتے، یعنی مذاق کرتے رہتے اور آپ بعض اوقات چڑ بھی جاتیں لیکن ڈانٹتی نہیں تھیں- کیونکہ خود ہی مذاق کی بات پر ان کی ہنسی چُھٹ جاتی تھی-

باوجود اتنی نمازی اور متقی ہونے کے طبیعت میں کوئی مولویت اور خشکی نہیں تھی- ٹی وی پر جو اردو ڈرامے آتے وہ بڑے شوق سے دیکھتیں- ساتھ ساتھ رواں تبصرہ بھی جاری رہتا ہفتے میں ایک دن میرے گھر آتیں، کھانا ساتھ ہوتا- کیونکہ تیل میں پکا ہوتا تھا اور گھی کا استعمال پتے کی تکلیف کی وجہ سے چھوڑا ہوا تھا- ٹی وی پر ڈرامہ دیکھتیں کھانا ہمارے ساتھ کھاتیں- میں بھی اس دن کھانا سرسوں کے تیل میں پکاتی- میرا پکا ہوا کھانا بھی شوق سے کھاتیں اور اپنے کھانے میں سے باری باری بچوں کو دیتیں- بعض دفعہ نوالے بنا کر بڑے شوق سے بچوں کے منہ میں ڈالتیں- جب تک بیماری کا حملہ نہیں ہوا اور آپ چلنے پھرنے کے قابل رہیں- پیدل ہی پھرا کرتیں اور سیڑھیاں چڑھ کر میرے گھر آتیں- یہ ان کی خالص محبت تھی- ورنہ ٹی وی دیکھنے کیلئے تو اور بچوں

کے بھی گھر تھے- اور بعد میں تو اپنا ٹی وی بھی لے لیا تھا-ایک دو بار سارا سارا دن کیلئے میرے گھر آئیں- دوپہر کو میں بڑی امی کے پاس فرش پر قالین پر لیٹ جایا کرتی اور ہم دونوں کتابیں، رسالے پڑھتے اور کبھی ان پر تبصرے بھی کرتے- کبھی ادب اور شعر و شاعری پر باتیں ہوتیں، تو کبھی پرانے قصے سناتیں- حضرت مسیح موعود کی باتیں- اماں جان کی، اپنے دونوں ماموں کی- بھائیوں کے ساتھ بچپن کی باتیں- کاش میرا حافظہ اتنا ہوتا کہ وہ سب یاد ہوتا تو آپ کو بھی سناتی-

اپنی غلطی تسلیم کرنے میں قطعاً نہیں جھجکتی تھیں اور یہ ان کا نہایت اعلیٰ ظرف تھا- ایک بار ہماری کالج والی کوٹھی میں آئی ہوئی تھیں- مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا میں نے نماز پڑھی اور قرآن شریف کی تلاوت شروع کی تو بڑی امی میرے کمرے کی طرف آ رہی تھیں، ابھی باہر ہی تھیں، تلاوت کی آواز کان میں پڑی تو سمجھیں میں گا رہی ہوں یا ریڈیو لگایا ہوا ہے ناراض ہوتی کمرے میں آئیں- نماز کا وقت تو دیکھ لیا کرو ہر وقت گانا بجانا- دروازے میں داخل ہوتے ہی قدم وہیں رک گئے- میں بھی قرآن شریف بند کر کے کھڑی ہو رہی تھی- بے حد شرمندہ شکل بنا کر بولیں- ''اتنی اچھی آواز میں تلاوت کر رہی تھیں میں سمجھی گانا گا رہی ہو- شوق جو ہے تمہیں اتنا----'' اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے- وحیدہ ملازمہ کو مخاطب کر کے کہا کہ اس لیے کہتے ہیں کہ ''بغیر دیکھے بات نہ کرو-''

سب سے بڑھ کر مجھے تو ان کی محبت یاد آتی ہے جو بچپن میں تو مجھے اتنی نہیں ملی- میری چھوٹی بہن سے زیادہ پیار کرتی تھیں لیکن شادی کے بعد ان کو میرے سے بہت پیار ہو گیا تھا- اس پیار میں شفقت اور دوستی کا رنگ تھا- میری چھوٹی سے چھوٹی تکلیف پر تڑپ اٹھتی تھیں- جن دنوں میں جہلم تھی- بے حد بیمار ہو گئی اور پریشان بھی بہت تھی- لیکن کسی پر ظاہر نہ کرتی- بڑی امی نے مجھے خط لکھا کہ ''میرے دل کو پنکھے لگے ہوئے ہیں- تمہاری فکر ہے، لگتا ہے تم پریشان ہو، اپنے ماں باپ کو نہ بتاؤ لیکن

مجھے تو لکھو، مجھے بہت فکر ہے۔'' پڑھ کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اگر انہیں دلی تعلق نہ ہوتا تو اللہ تعالی کیونکر انہیں میری پریشانیوں کی خبر کرتا۔

۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد لاہور بڑی امی سے پام ویو کا ایک کمرہ لیکر، میں وہاں ٹھہری ہوئی تھی۔ مارچ، اپریل ۱۹۶۶ء میں بڑی امی نے لکھا کہ میں لاہور آ رہی ہوں میرا کمرہ ٹھیک کروا دو۔ سب نے مجھے ڈرایا کہ بس تمہاری آزادی کے دن ختم، آنے جانے پر پابندی ہو گی، کہ اس وقت گھر آ جایا کرو، دروازے بند کرنے ہوتے ہیں، یہ ہے وہ ہے۔ اور میں واقعی ڈر گئی۔ لیکن بڑی امی نے آ کر اس قدر میرا خیال رکھا کہ میں بتا نہیں سکتی۔ مجھے کسی کام کیلئے بازار بھیجتیں تو میرے بڑے بیٹے باسل کو پیچھے سنبھال لیتیں۔ کبھی مجھے دیر ہو جاتی تو آ کر دیکھتی کہ اپنے ہاتھوں سے باسل کو کھانا کھلا رہی ہیں مجھے اکثر میگرین (سردرد) کے دورے پڑتے۔ خود کھڑے ہو کر میرے سر پر بام ملواتیں۔ اپنی لڑکی کو کہتیں اسے اکیلے نہیں چھوڑنا، سر دباتی رہو، شور نہ ہو کوئی روشنی نہ کرے باسل کو اپنے پاس لے جاتیں اور جب تک میں ٹھیک نہ ہو جاتی۔ اسے سنبھالے رکھتیں۔ انہوں نے تو مجھے اپنی شفقت کے پروں کے نیچے اس طرح لے لیا تھا جیسے مرغی اپنے چوزوں کو، اکثر مزیدار کھانے کبھی خود پکوا کر، کبھی بازار سے منگوا کر مجھے کھلاتیں۔ (ذاتی تحریر)

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی نواسی زوبی (اہلیہ ہمایوں ظفر احمد) بنت آپا آصفہ مسعودہ بیگم صاحبہ تحریر کرتی ہیں۔

''اپنی نانی حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کو ہم بہن بھائی سب ''می می'' کہتے ہیں۔ میرے ابا کی جگہ جگہ پوسٹنگ ہوتی اور می می اکثر سال میں تین چار مہینے ہمارے پاس آ کر رہتیں۔ بڑے رونق والے دن ہوتے تھے۔ ان کی ایک الماری میں بچوں کیلئے کھانے پینے کی چیزیں ہر وقت موجود رہتی تھیں جب ہمارا کچھ کھانے کو دل چاہتا تو ہم ان کے پاس پہنچ جاتے اور وہ ہمیں ٹافیاں، بسکٹ اور دوسری چیزیں کھلا کر خوش ہوتیں۔

ان کیلئے ناشتہ میں روغنی روٹی اور لہسن کی چٹنی بنتی تھی جب انہیں معلوم ہوا مجھے بھی یہ ناشتہ بہت پسند ہے تو میرے لیے کچھ روٹی کا ٹکڑا ضرور بچا کر رکھتیں۔

جب ہم چھوٹے تھے تو می می ہمیں کہانیاں بھی سنایا کرتی تھیں۔ خاص طور سے چڑے چڑیا اور خالہ بلی جج کو چلی کی کہانی ہم بہت شوق سے سنا کرتے تھے۔ جس کتاب میں سے کہانیاں زیادہ سنائیں وہ کتاب اب بھی میرے پاس موجود ہے۔ کچھ بڑے ہوئے تو دینی کتب کے علاوہ سبق آموز کہانیاں اور ناول خود بھی پڑھتیں اور ہمیں بھی پڑھنے کو کہتیں۔ خاص طور پر English کے Classic قسم کے ناول پڑھنے کو دیتی تھیں اور ان میں بعض کی کہانیاں شوق سے سناتی بھی تھیں۔

جہاں تک مجھے یاد ہے می می کا زیادہ وقت نمازیں پڑھنے اور لوگوں کے خطوط کے جواب دینے میں گزرتا تھا۔ میں نے انہیں کبھی بھی لغو باتیں کرتے یا چغلیاں کرتے نہیں سنا۔ بلکہ چھوٹی عمر میں بھی مجھے سب سے الگ Nobel Character لگا کرتی تھیں۔ لوگوں کے خطوں کے جواب بڑی محبت سے دیتی تھیں۔ جب کچھ کمزور ہو گئیں تو مجھ سے بھی جواب لکھواتی تھیں۔ مگر مجھے یاد ہے لوگوں کی پردہ داری کا بہت خیال ہوتا اور ایسے خطوط جن میں لوگوں نے اپنی Private باتیں لکھی ہوتیں ان کے جواب خود ہی دیتی تھیں۔

بہت جامہ زیب تھیں خود بھی صاف ستھری اور تیار رہتیں اور ہمیں بھی یہی کہتیں۔ ان کو لڑکیوں کا ہنستے مسکراتے رہنا پسند تھا اور غصے والی شکل بنا کر رکھنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ جب میں سکول سے مسکراتی ہوئی آتی تو بہت تعریف کرتیں اور خوش ہوتیں۔

آخری بیماری میں ان کی یادداشت کمزور ہو گئی تھی مگر اس کے باوجود میں اور ایک خادمہ ان کو درعدن میں سے نظمیں سناتے اگر تلفظ کی غلطی کرتے یا کوئی اور غلطی کرتے تو فوراً درست کر دیتی تھیں۔

بیماری میں بھی دعائیں کرتی رہتی تھیں۔ ایک دعا جو وہ بار بار اونچی آواز میں دہراتی تھیں وہ مجھے یاد ہے ''اے اللہ چاند سورج کی طرح چمکیں شاید اپنی اولاد اور حضرت مسیح موعودؑ کی نسل کیلئے کہتی ہوں۔''

(تحریر زوبی ہمایوں ظفر)

مذکورہ دعا کی طرح ایک اور تحریر آپ کی بیٹی آصفہ مسعودہ صاحبہ نے اس کتاب کیلئے دی جو ۱۹۴۵ء کی ہے جبکہ آپ کی تمام اولاد صاحب اولاد نہیں ہوئی تھیں، تحریر کرتی ہیں۔

''ایک روز شملہ یا سولن ۱۹۴۵ء میں یہ شعر زبان پر جاری تھا اور آواز بھی آ رہی تھی ؎

مبارک ہو فرزند عالی دماغ
سلامت رہے تیرے گھر کا چراغ

نہ معلوم اولادوں در اولادوں میں سے کس کے متعلق اشارہ ہے۔

واللہ اعلم مبارکہ

مکرمہ امتہ الحسیب صاحبہ بیگم مرزا انس احمد صاحب نے انٹرویو میں بتایا۔

حضرت سیدہ بیگم صاحبہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے خلیفہ بننے کے بعد روزانہ رات کا کھانا قصر خلافت میں کھاتیں۔ آپ کا طریقہ تھا کہ اپنی قلفی (یعنی ٹیفن کیریئر) میں اپنا کھانا ساتھ لاتیں (جو سرسوں کے تیل میں پکتا تھا یہ بات مجھے بی بی شکری نے بھی بتائی) اور حضور اور بیگم صاحبہ کے ساتھ اپنا کھانا نکال کر کھاتیں خود تو تھوڑا سا ہی کھاتیں کوئی بوٹی سینے کی کسی بچے کو دے رہی ہیں، گردن کی بوٹی کسی بچے کو، گول بوٹی کسی بچے کو مل رہی ہے ان کو پتا تھا کہ کس بچے کو کون سی بوٹی پسند ہے اس طرح میٹھا تقسیم کرتیں اور یہ بچے کبھی شکری کے ہوتے تھے اور کبھی میرے۔ کبھی کچھ لاتیں اور کبھی کچھ۔ اس میں سے بھی سب کو شریک کرتیں ہم بڑے بھی ان کے کھانے

میں شریک ہو جاتے۔

بی بی حسبی نے یہ بھی بتایا کہ بڑی امی حضرت سیدہ بیگم صاحبہ نے اگر تیمّم کر کے نماز پڑھنی ہوتی تو کبھی دیواروں اور صوفوں پر ہاتھ نہیں مارتی تھیں۔ بلکہ آپ کے پاس پاک مٹی کی ایک تھیلی ہوتی تھی جو آپ کے ساتھ ہر جگہ جاتی تھیں اس پر ہی ہاتھ مار کر آپ تیمّم کرتی تھیں۔

آپ کی پوتی بے بی ناصر (بنت نواب مسعود احمد خاں صاحب اور آپا طیبہ بیگم صاحبہ) نے اپنی یادیں جمع کرتے ہوئے مجھے بتایا کہ ''بڑی امی مجھ سے بہت پیار کرتی تھیں ہر آٹھ دس دن بعد خرچ کرنے کیلئے مجھے دس پندرہ روپے کے نوٹ لفافے میں ڈال کر نوکر کے ہاتھ بھیجتیں ساتھ ہی لفافے میں ایک چٹ لکھ کر ڈالتیں'' رقم وصول پائی دستخط ---'' کہ رقم وصول کر کے میں دستخط کر کے بھیجوں تا کہ آپ کو تسلی ہو کہ نوکر نے لفافہ مجھے ہی دیا ہے رستے میں گرا نہیں دیا اور جتنی رقم بھیجی تھی وہ مجھے مل گئی ہے۔ آپ سے ہم نے بھی یہ انداز سیکھے۔ میں خوش الحانی سے نظم سناتی تو خوش ہو کر مجھے ضرور کچھ نہ کچھ انعام دیتیں۔ (زبانی بتایا)

آپ کی بہو نواب مسعود احمد خاں صاحب کی بیگم آپا طیبہ صدیقہ صاحبہ تحریر فرماتی ہیں۔

میرا پہلا بیٹا ۱۹۴۱ء میں پیدا ہوا۔ میں بچے کی پیدائش سے پہلے ہی بہت بیمار ہو گئی تھی۔ میرے ابا جان مجھے علاج کیلئے قادیان لے آئے تھے۔ اس لیئے اس کی پیدائش کے بعد مالیر کوٹلہ سے قادیان آئیں۔ اور عقیقہ کی بہت بڑی دعوت، مردانہ لنگر خانہ میں ہمارے چچا جان کے زیر انتظام کی۔ عورتوں کی دعوت اس لئے نہ کی کہ میں بیمار تھی اور ابا جان نے کہہ دیا تھا کہ گھر میں شور نہیں کرنا۔ میری بیماری میں ہی ابا جان کا خط آیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ طیبہ آئی ہے۔ صحت مند چوڑا چہرہ انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گی۔

مودود کے ساتھ بہت پیار کیا، اتنا کہ میری نند آصفہ جیلسس ہو گئی تھی۔ ایک دفعہ اسے ایک ماہ کیلئے لاہور اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔ مودود سوا سال کا تھا ہم لوگ واپس قادیان آ گئے۔ مودود بہت دیر کے بعد بولا۔ اشاروں سے باتیں کرتا تھا۔ وہ آپ کو ''دوامی'' کہنے لگا یعنی ایک امی 'میں' دوسری وہ۔ بہت ہی پیارا لگتا تھا دوامی کہتا ہوا۔ لیکن نوکروں نے ہر وقت اصلاح کر کے چھڑوا دیا کہ میاں ''بڑی امی'' کہو۔ مودود کے نکاح پر آپ انفلوائنزہ سے بیمار تھیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح ثالث نے اپنے گھر میں ہی عشاء کے وقت نکاح پڑھایا میں آپ کو اطلاع دینے گئی اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ میں نے تو انگوٹھی آپ سے لینی ہے اور پہنانی بھی آپ نے ہی ہے، پہلے تو کہنے لگیں کہ ابھی وقت ہے سنار کی دکان کھلوا کر لے آؤ۔ جب میں نے کہا کہ میں نے تو آپ کی ہی لینی ہے۔ پھر اپنا بکس منگوا کر ایک انگوٹھی نکالی ہم مومن (بہو) کو آپ کے پاس لے آئے آپ نے تبرک کا دوپٹہ اسے اڑھایا اور انگوٹھی پہنا دی۔

بچوں کی تربیت کے بارے میں ایک اور بات ایک دفعہ مجھے کہی تھی کہ جب بچے کمرے میں کھیلیں تو اندر سے دروازہ بند نہ کریں۔ دروازہ بھیڑ لیں لیکن لاک نہ لگائیں اس طرح برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔

میرے سب بچوں سے بہت محبت تھی۔ انہوں نے خدمت بھی بہت کی میری بڑی بیٹی خدمت بھی کرتی تھی، اور ڈانٹ بھی کھاتی تھی ایک دفعہ وہ کرسی پر بیٹھی پاؤں ہلا رہی تھی تو کہنے لگیں کہ یہ آداب مجلس کے خلاف ہے کہ کرسی پر بیٹھ کر پاؤں ہلائیں۔ پھر اس کی شادی کے بعد جب اس کے میاں Ph.D کرنے امریکہ گئے تو وہ روز آپ کو دعا کیلئے کہتی تھی ایک دن نُچھن (بڑی بیٹی) کو کہنے لگیں کہ آج میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ کسی نے دروازے میں سے منہ نکال کر کہا ہے کہ Ph.D اس کے بعد نُچھن خود بھی امریکہ چلی گئی اور خداتعالیٰ کے فضل سے آپ کی دعاؤں سے محمود نے صحیح وقت پر Ph.D کر لیا اور اب بہت اچھی پوسٹ پر ہے۔ اسی طرح آپ کی آخری بیماری

میں، جب آپ میرے پاس تھیں- نچھن امریکہ سے آئی ہوئی تھی اور سارا دن آپ کے کمرے میں بیٹھی رہتی تھی-

میری دوسری بیٹی رعنا نے بھی آپ کی بہت خدمت کی تھی بیت الظفر میں جا کر سارا سارا دن رہتی تھی ایک دفعہ کہنے لگیں جب میں کہیں جاتی ہوں تو یہ مجھے بہت یاد آتی ہے- ہر وقت میرے کمرے میں اوندھی لیٹی کتاب پڑھتی رہتی ہے-

منصور نے جب وقف کیا تو بہت خوش تھیں اس کی شادی پر اپنی وہ انگوٹھی جو حضرت نواب صاحب نے آپ کو پہنائی تھی، دی کہ تم یہ انگوٹھی اپنی دلہن کو پہنانا-

میرے پوتے مامون احمد کی پیدائش پر بہت خوش تھیں میں کراچی میں تھی وہیں مجھے آپ کا تار ملا-

ان کی آخری بیماری میں ہی رعنا کی شادی مقرر ہوئی- لیکن دو دن پہلے مرزا شمیم احمد کی وفات کی وجہ سے ملتوی کر دی گئی- ہم نے تو انہیں کچھ نہیں بتایا- میں ان کے پاس بیٹھی ہوئی تھی، تو کہنے لگیں بچی بیچاری، اس کی تو شادی تھی- میں نے کہا کہ انشاء اللہ شادی ہو گی- نہ معلوم کس طرح پتہ چلا تھا- میری چھوٹی بیٹی بے بی ناصر کو ہر وقت اپنے پاس بلاتی تھیں- ایک دفعہ وہ ایک انگوٹھی آپ سے مانگ رہی تھی آپ نے کہا کہ یہ تو میں نے شیبا (آصفہ مسعودہ کی بیٹی) کو دینی ہے اس پر بے بی ناراض ہو کر دو دن کمرے میں نہ گئی- آپ کو اس سے بے حد تکلیف پہنچی اس دن رات کو میری بھتیجی امتہ المصور کی ڈیوٹی تھی اسے کہا کہ میرا بکس لاؤ پھر انگوٹھی نکالی- اسے بھیجا کہ بے بی کو بلاؤ وہ بھی اپنے لاڈوں میں، ایک آفت، کمرے میں ہاتھ اندر کر کے انگوٹھی لے لی اور چلتی بنی- پھر دوسرے دن سے کمرے میں آنے لگی- مجھے دوسرے دن صبح یہ واقعہ پتہ لگا تو میں نے اسے ڈانٹا- لیکن اس نے ان کی خدمت کر کے دعائیں بھی بہت لی ہیں- میں نے ان کی وفات اور بے بی کی شادی کے بعد خواب میں دیکھا کہ میں اپنے میاں کو کہہ رہی ہوں کہ بے بی کہتی ہے کہ ''بڑی امی کی دعائیں میری حفاظت کرتی ہیں-''

اسی طرح اپنی آخری بیماری میں اپنے بڑے پوتے حامد احمد خاں اور اس کی اولاد کیلئے میں نے بارہا دعائیں کرتے سنا ہے کئی دفعہ تو ان بچوں کیلئے دعائیں کرتے آنکھوں میں آنسو ہوتے تھے کہ اللہ حامد کی اولاد کو صحیح رکھے اور دیندار بنائے۔

میری پوتی ندرت تین ماہ کی تھی۔ میں اسے روزانہ آپ کے پاس لٹا دیتی تھی اور آپ کے بازو پر اس کا سر رکھ دیتی تھی۔ بے حد خوش ہوتی تھیں اور اسے بے بی آصفہ کی بیٹی سمجھتی تھیں۔

میرے جب پہلا بچہ مودود احمد ہونے والا تھا تو آپ نے میرے لئے تین شعر کہے تھے جو درعدن میں چھپے ہوئے ہیں ۔

مرے مولا کٹھن ہے راستہ اس زندگانی کا
مرے ہر ہر قدم پر خود رہ آسان پیدا کر
تیری نصرت سے ساری مشکلیں آسان ہو جائیں
ہزاروں رحمتیں ہوں فضل کے سامان پیدا کر
جو تیرے عاشق صادق ہوں، فخر آلِ احمد ہوں
الٰہی نسل سے میری، تو وہ انسان پیدا کر

(درِ عدن، صفحہ ۷۲)

خداتعالیٰ نے عمر بھر ہر قدم پر میری مدد فرمائی اب خدا کرے کہ تیسرے شعر کو بھی اللہ تعالی پورا فرمائے آمین۔

اس بیٹے کی پیدائش کے دنوں میں آپ نے اپنا ایک خواب مجھے سنایا کہ ''ان کے جسم سے ایک ہیرا پھوٹا ہے جو بہت شعائیں دے رہا ہے اور اس کی جڑ میں اک چھوٹا سا ہیرا اور ہے۔ خدا کرے کہ ان کا یہ خواب میرے بیٹے اور سب بچوں کیلئے پورا ہو جائے۔''

آپ کی وفات کے بعد جو آپ کے پاس بانی سلسلہ احمدیہ کے تبرکات تھے وہ

حضرت خلیفہ المسیح الثالث نے قرعہ اندازی کے ذریعہ پانچوں بہن بھائیوں میں تقسیم کیے۔ جو انگوٹھی انہیں حضرت مسیح موعود نے پہنائی تھی وہ میرے جیٹھ بھائی محمد احمد کے نام نکلی۔ وہ اب ان کی اولاد کے پاس ہے۔

اور وہ قرآن مجید جس سے حضرت مسیح موعود تلاوت کیا کرتے تھے اس کے متعلق آپ نے کہا تھا کہ وہ منصور احمد خاں کو دیدیا جائے۔ وہ بیگم صاحبہ حضرت مرزا ناصر احمد نے مجھے بلا کر منصور کیلئے دیدیا۔ کیونکہ وہ ان دنوں جرمنی میں تھا۔

ایک اور واقعہ یاد آیا ہے۔ اپنے بزرگوں کے ساتھ بے انتہا پیار کے ساتھ ایک تکلف کی حد قائم تھی۔ بہت پرانی بات ہے ہم اپنے قادیان کے شہر والے گھر کنج عافیت میں رہتے تھے۔ آپ مالیر کوٹلہ جاتے ہوئے ملنے کیلئے آئیں۔ جب مل کر چلی گئیں تو چھوٹا اٹیچی کیس ہمارے یہاں پڑا رہ گیا۔ جب دیکھا تو وہ چھوٹا گراموفون تھا۔ ابا جان نے اس وقت خط لکھا کہ مبارکہ تم اپنا گراموفون جاتے ہوئے ہمارے ہاں چھوڑ گئی ہو۔ تیسرے دن جواب آیا۔ کہ میں ارادتاً سید (میرا چھوٹا بھائی) کیلئے چھوڑ گئی تھی۔ اس وقت اس لئے نہیں بتایا کہ ابا جان مانیں گے نہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میری ساری اولاد کو اپنی دادی کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین) مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ (ذاتی تحریر)

مکرمہ آپا طیبہ بیگم صاحبہ سے بروقت یہ یادیں محفوظ کرنے کی خدا تعالیٰ نے مجھے توفیق دی اس تحریر کے چند ماہ بعد آپ وفات پا گئیں خدا تعالیٰ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقامات عطا فرمائے (آمین۔)

# سوتیلی اولاد سے حسن سلوک

ہمارے معاشرے میں سوتیلی ماں، سوتیلا باپ، سوتیلی اولاد سوتیلے بہن بھائی غرضیکہ تمام سوتیلے رشتے نہایت ڈراونے، سخت جھگڑالو، لڑاکو اور بُرے تصور کئے جاتے ہیں- لیکن قربان جایئے، اس بارہ سالہ دلہن پر، جس کی برَی میں کہیئے یا میاں کی طرف سے سلامی میں کہیئے اپنی عمر سے ایک بڑی بیٹی اور تین بڑے بیٹے ملے اور جس نے خداتعالی کے فضل اور اپنے عظیم والدین کی دعاؤں اور تربیت سے سوتیلے پن کی کڑواہٹ کو شہد کی شیرینی میں تبدیل کر دیا- سبحان اللہ- چنانچہ آپا محمودہ بیگم صاحبہ تحریر کرتی ہیں-

''ہماری بڑی والدہ جن کا انتقال ہو چکا تھا ان سے ہمارے تین بڑے بھائی اور ایک بڑی بہن بو زینب بیگم صاحبہ تھیں امی نے تمام پہلی اولاد سے، اتنی ہی محبت کی جتنی اپنے بطن کی اولاد سے، بلکہ ہم سے زیادہ ان سے محبت ظاہر ہوتی تھی- جب یہ فرق دو ماؤں والا ہمیں معلوم ہوا تو حیرت بھی ہوتی تھی اور رشک بھی آتا تھا کہ امی جان کو، ہم سے زیادہ ان کا خیال ہے- بعض کو شاید شکوہ بھی پیدا ہوتا ہو- شاید جو عہد شادی کے وقت کیا ہو، اس کو پورے استقلال سے نبھایا -نتیجتاً وہ بھی امی جان سے اتنی ہی محبت اور عزت کرتے تھے- اپنے ہر قسم کے دکھ سکھ انہیں سے کرتے- ابا میاں کا، باوجود بے حد شفیق ہونے کے، سب پر ایک خاص رعب تھا- اس لیے اپنی سب ضرورتیں امی جان سے بیان کرتے وہ کسی طریقے سے بات منوالتیں- ان کومعلوم تھا کہ ابا جان، امی کی بات کبھی ردنہیں کرتے - اسی طرح ابا میاں کے بعد سب بہن بھائی جب تک زندہ رہے امی کا خاص خیال رکھتے رہے اور بہت ادب کرتے- اسی طرح

ہماری بڑی بہن بھی- ان کی محبت اور عقیدت کی تو کوئی انتہا نہیں- امی نے ہمارے منہ سے کوئی بات کبھی ان کے خلاف سننی پسند نہیں کی- ایک دو واقعات لکھتی ہوں- میں بہت چھوٹی تھی شائد چھ برس کی ہونگی قرآن کریم اور اردو کی کتابیں پڑھنے لگی تھی- پھول اخبار کے دفتر سے چھوٹی چھوٹی کہانیوں کی کتابیں بچوں کے لئے آتی تھیں ان میں سوتیلی ماں اور سوتیلے بہن بھائی کا ذکر آتا- ہم نے کبھی گھر میں یہ بات نہیں سنی تھی- کبھی کوئی گھر میں رہنے والی عورت کہتی کہ میاں عبدالرحمٰن خاں اور دوسرے بھائی بہن بیگم صاحبہ سے بڑے ہیں- بہت حیرت ہوتی کہ کیا بچے بھی ماؤں سے بڑے ہوتے ہیں اوپر سے کتاب میں سوتیلی ماں کا لفظ پڑھ لیا، بچپن میں طبیعت میں تجسس بہت ہوتا ہے- ساتھ کھیلنے والی ایک لڑکی ثو ماں سے پوچھا سوتیلی کیا ہوتا ہے وہ بھی بہت سیدھی سادھی تھی، اسے بھی شائد جب ہی معلوم ہوا تھا، کہنے لگی کہ تمہارے جو بھائی ولایت گئے ہوئے ہیں، میاں عبدالرحیم خاں خالد وہ تمہارے سوتیلے بھائی ہیں باقی تم سب سگے ہو- مجھے بہت حیرت ہوئی، اور یقین بھی کر لیا کیونکہ اپنے بھائی خالد صاحب کو میں نے کبھی دیکھا نہ تھا شائد ڈیڑھ دو سال کی ہونگی جب وہ تعلیم کے لئے ولایت چلے گئے تھے- اس لیے خیال کیا کہ جن کو دیکھا نہیں وہ ضرور سوتیلے ہوں گے- باقی تو بہت پیار کرتے ہیں- خیر کئی روز گزر گئے دل کو سخت بے قراری لگ گئی کہ یہ جو نئی بات سنی ہے کسے بتاؤں- ایک روز بہن امتہ القیوم بیگم اور امتہ الرشید بیگم ہمارے ہاں تمام دن کے لیے آئیں- ان سے میرا بے حد جوڑ تھا- میں نے ان سے کہا، تمہیں معلوم ہے ہمارے جو بھائی ولایت میں ہیں وہ سوتیلے ہیں باقی سب سگے ہیں کہنے لگیں، ہا، کیسی بری بات کر دی اور دوڑی دوڑی امی جان کے پاس گئیں اور جا بتایا- اب امی جان مجھے بلا رہی ہیں اور میں درخت سے چمٹی کھڑی ہوں اور جا نہیں رہی- امی جان کو اس بات سے بہت چڑ تھی کہ بچہ بلانے سے نہ آئے- کئی لوگ بلانے آئے میں اپنی جگہ سے نہ ہلی- ڈر کے مارے تھر تھر کانپ رہی تھی کہ معلوم نہیں میں نے کتنا

بڑا جرم کیا ہے- کھانے کا وقت ہوا اور میں نہ گئی- بار بار بلا کر بھیجا چھپ کر بیٹھ گئی- آخر کہا، اب نہ آئیں تو سخت سزا دوں گی- بڑی مشکل سے چلی، تو یہ حال تھا کہ دونوں ہاتھ جوڑے ہوئے تھے اور روتی دھوتی ہچکیاں بندھی ہوئی وہاں پہنچی اور جا کر ابا میاں کی کمر سے چمٹ گئی انہوں نے مجھے پکڑ کر اپنے پاس بٹھالیااور بار بار پوچھتے رہے کہ کیا بات ہوئی تھی امی جان نے اور کچھ نہیں بتایا صرف یہ کہا کہ آج اس نے بہت بری بات منہ سے نکالی ہے اور مجھے کہا، اب خاموشی سے کھانا کھاؤ بعد میں تمہیں بتاؤں گی- بعد میں شائد ابا میاں سے پوری بات بتائی انہوں نے کچھ کہا ہو گا- ابا میاں نے مجھے شام کو اپنے پاس بٹھا کر بہت پیار سے سمجھایا کہ آئندہ ایسی بات منہ سے نہ نکالنا اور نہ دل میں خیال لانا سب بچے ماں باپ کی اولاد ہوتے ہیں کوئی سگا سوتیلانہیں ہوتا اور سچ سچ بتاؤ تمہیں یہ بات کس سے پتہ لگی- میں خاموش رہی لڑکی کا نام نہ بتایا کہیں اس کو ڈانٹ نہ پڑے- مجھے وہ لڑکی بہت پیاری تھی مجھ سے تین چار سال بڑی تھی اور بہت اچھی لڑکی تھی- ابا میاں کے رضائی بھائی کی بیٹی تھی- وہ احمدی بھی ہو گئی تھی- رات کو امی جان کسی سے بات کر رہی تھیں، میں نے سن لی- کہ میاں کہہ رہے تھے جب یہ مجھ سے آ کر چمٹی ہے تو مجھے بہت پیار آیا- اس وقت اس کو یہی خیال آیا ہو گا کہ میں ہی اس کو سزا سے بچا سکتا ہوں- اور سچ مچ مجھے اس وقت یہی احساس تھا کہ میں ابا میاں کی مجرم ہوں یہی معاف کریں گے اس واقعہ کی اتنی دہشت دل پر رہی کہ اتنی مدت گزر جانے کے بعد بھی اسی طرح یاد ہے- میاں عبدالرحمٰن خاں پیارے بڑے بھائی صاحب مجھ سے بہت پیار کرتے تھے- قریباً تمام دن، جب تک باہر نکلنے کی عمر رہی ان کے پاس رہتی تھی- وہ مجھے چڑانے کے لیے، کبھی کوئی نام رکھتے کبھی کوئی- ہمیشہ لاڈ میں کوئی نہ کوئی چڑانے کی بات نکال لیتے- میں بھی خوب چیختی چلاتی تھی- ایک دفعہ میں بہت کمزور سی ہو گئی- بس انہوں نے یہی چھیڑ بنالی کہ، دیکھو امی جان تو تندرست ہو رہی ہیں اور تم دن بدن کمزور ہوتی جا رہی ہو- وہ ضرور رات کو تمہارا خون نچوڑ لیتی ہیں-

میں خوب چڑتی اور بار بار کہتی بالکل نہیں، یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ جب یہ بات ہر روز کہنے لگے تو ایک روز بہت روئی اور برا سا منہ بنائے جس طرح بہن بھائی ایک دوسرے کی شکایت کرتے ہیں، امی جان کو جا کر کہا۔ دیکھیں بڑے بھائی ہر روز مجھے یہ کہتے ہیں۔ بس اتنا سننا تھا کہ اس زور سے مجھے ڈانٹا کہ بڑے بھائی کی شکایت کرتی ہو۔ خبردار جو آئندہ مجھ سے کبھی کوئی شکایت کی۔ بعد میں میں سمجھ گئی کہ کیا مطلب تھا، چونکہ ان کا بھی نام لے کر چھیڑتے تھے اسطرح اس کو بڑے بھائیوں کی چغلی کی عادت پڑ جائے گی کہ فلاں آپ کو یہ کہتا ہے، گھروں میں سو باتیں ہو جاتی ہیں۔ رشتے بھی بہت نازک تھے۔ اس بات کا خاص خیال رکھتی تھیں کہ دو ماؤں کی اولاد کے تعلقات میں کوئی فرق نہ پڑے۔“

(مصباح خاص نمبر دسمبر ۷۷ تا جنوری ۷۸ صفحہ ۳۲،۳۴)

آپ کی صاحبزادی آصفہ بیگم (بے بی) بیگم بریگیڈیر مرزا مبشر احمد صاحب (ابن حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب) فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے امی جان سے بہت بچپن میں پوچھا کہ سوتیلا کس کو کہتے ہیں۔ آپ نے ایک دم سختی کے لہجے میں پوچھا کیوں؟ کس نے سوتیلا لفظ بولا۔ کیوں خیال آیا خبردار آئندہ یہ لفظ بولا۔ آپ کے سب سے چھوٹے بیٹے عبدالرحیم خاں آپ سے دو ماہ بڑے تھے اور قادیان میں امی کے ساتھ کھیلے ہوئے ہیں۔ لیکن امی جان نے اپنے کسی سلوک سے ان کو سوتیلا نہیں سمجھا امی کا ان سے مادرانہ اور دوستانہ تعلق رہا تھا۔ وہ بھی ان کی بہت عزت اور محبت کرتے تھے اوراپنی ہر بات امی سے کہتے۔ ابا میاں تک کوئی بات پہنچانی ہوتی تو امی کے ذریعے پہنچاتے۔ اپنے سب دکھ درد امی سے کرتے۔ ہم بھی ہمیشہ ان کو اپنے سگے بہن بھائی ہی سمجھتے رہے بھائی عبدالرحمٰن صاحب بھی ہماری بہت عزت و محبت کرتے اور امی جان ان کا بہت خیال رکھتیں۔ مالیرکوٹلہ میں روزانہ صبح شام آ کر امی کے پاس گھنٹوں بیٹھتے، کیونکہ علمی قسم کی گفتگو وہ امی سے ہی کرتے تھے۔ ہر مشورہ امی

سے لیتے جب وہ آخری دفعہ امی جان سے ملنے لاہور آئے- لاہور سے جاتے ہوئے امی جان سے کہا مجھے گلے لگا کر رخصت کریں اور امی جان نے مادرانہ دعاؤں اور محبت سے گلے لگا کر رخصت کیا- میرے سب بہن بھائی امی جان کا بے حد احترام کرتے جس کی مثال نہیں- آپا بو زینب صاحبہ جو عمر میں حضرت امی جان سے تقریباً چار سال بڑی تھیں- شادی کے بعد جبکہ آپ کے تینوں بیٹے پیدا ہو چکے تھے- بیماری کی وجہ سے کافی عرصہ تقریباً دس سال آ کر میکہ رہیں- لیکن کبھی ان کو آپس میں کوئی شکایت نہ ہوئی- دونوں نند بھاوج بھی تھیں اور سوتیلی ماں بیٹی بھی- جب امی جان کا انتقال ہوا- آپا بو زینب بہت روئیں اور کہتیں تھیں کہ میں اپنے دل و دماغ کی گہرائیوں میں جا کر کریدتی ہوں تو بھی، مجھے کوئی لمحہ یاد نہیں آتا کہ ''بیگم صاحبہ'' سے مجھے کوئی تکلیف پہنچی ہو- عمر میں چھوٹی ہو کر بڑوں کی طرح شفقت کی، رشتے میں بڑی ہو کر چھوٹوں کی طرح عاجزانہ سلوک رکھا-''

منجھلے بھائی نواب عبداللہ خاں تو امی کے بہنوئی بھی تھے- ان کی بیماری میں خالہ جان کا پوری طرح ہاتھ بٹایا- سال ڈیڑھ سال تک رتن باغ اوپر اپنے کمرے میں صرف نہانے کپڑے بدلنے جاتی تھیں- دن رات خالہ جان کے ساتھ تیمارداری اور خالہ جان کے بچوں فوزیہ اور مصطفیٰ کی دیکھ بھال میں صرف کر دیے- میں جو اتنی لاڈلی تھی مجھے بھی ان دنوں بھلایا ہوا تھا، یہ ہوش ہی نہیں تھا کہ، کس طرح رہ رہی ہے کیا کر رہی ہے؟ مختصر یہ کہ خالہ جان اور منجھلے بھائی کے بچوں کو اپنے بچوں سے بڑھ کر چاہا- ان سے ہمدردی کی ان کا دکھ درد بٹایا- اپنے بچوں کی شکایت کو سنی ان سنی کر دیتی تھیں اور دوسروں کی بات اچھی طرح سنتیں، بلکہ بعض اوقات لگتا کہ ہمارے ساتھ زیادتی کر رہی ہیں- لیکن ان کو معلوم تھا یہ تو میرا اپنا خون ہیں- ناراض بھی ہوں گے تو کتنا- لیکن یہ میری بہن کے بچے ہیں دل میں کچھ نہ سوچیں-

(تحریر آپا آصفہ بے بی)

مکرمہ آپا طاہرہ صدیقہ صاحبہ (بیگم صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب) جو آپ کی بھانجی اور پوتی ہیں فرماتی ہیں ''میرے ابا اور میرے دونوں چچا اور ہماری پھوپھی، میرے ابا حضور (میرے دادا) کی پہلی بیوی کی اولاد تھے۔ خالہ جان نے ان سب سے بہت محبت کی اور ہمیشہ نام بھی بہت عزت سے اور احترام سے لیتی تھیں، نام کے ساتھ میاں ضرور لگاتی تھیں۔ اسی طرح اپنی تمام سسرال سے بھی بہت محبت اور رواداری کا سلوک کرتی تھیں ہمارے پاپا حضور جو ابا حضور کے چھوٹے بھائی تھے ان کی اولاد سے بھی بہت محبت تھی خاص طور پر ان کی بیٹی آپا قدسیہ سے تو بہت محبت تھی۔''

(تحریر آپا طاہرہ صدیقہ بیگم صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب)

حضرت صاحبزادی آپا ناصرہ بیگم صاحبہ (بیگم صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب) جو آپ کی بھتیجی بھی تھیں اور نواسے کی بیوی بھی فرماتی ہیں۔

''حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کے بچے چونکہ ان کے نواسے بھی تھے اس لیے ان سے بہت زیادہ پیار تھا۔ خاص طور پر میرے شوہر مرزا منصور احمد سے، وہ بھی ان سے بہت پیار کرتے تھے۔ بے تکلفی کا انداز تھا چونکہ بیگم حضرت مرزا شریف احمد شروع میں تقریباً دس پندرہ برس حضرت پھپھی جان کے ساتھ ہی رہی ہیں اس لیے ان کے بچے بھی حضرت پھپھی جان کو اپنے بچوں کی طرح معلوم ہوتے تھے۔ (ذاتی تحریر)

آپ کی بہو آپا طیبہ بیگم صاحبہ تحریر کرتی ہیں۔ ''اسی طرح اپنے پہلے بچوں سے بہت محبت تھی۔ میں نے کبھی اپنی سسرال میں سوتیلے کا لفظ نہیں سنا۔ اس لیے سب بہن بھائیوں میں آپس میں بہت محبت تھی۔ بلکہ اکثر دوسرے بچوں کے ساتھ اپنے بچوں سے زیادہ ہی سلوک کرتی تھیں۔ ان بچوں کی محبت بہت چھوٹی عمر میں، آپ کے دل میں جڑیں پکڑ گئی تھی۔ بعض دفعہ ان کے مقابل پر اپنے بچوں کی بات نہیں مانتی تھیں۔

(ذاتی تحریر)

بی بی شکری صاحبہ لکھتی ہیں۔

''سوتیلے کا لفظ لکھتے ہوئے بڑی سخت کراہت محسوس کر رہی ہوں- کیونکہ اس لفظ کے تو صحیح معنی بھی میں نہیں جانتی کیونکہ نہ ننھیال میں نہ ددھیال میں کبھی سگا سوتیلا سنا ہی نہیں تھا- لیکن سمجھیں یا نہ سمجھیں کچھ رشتے سگے سوتیلے ہوتے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ بڑی امی کو اپنے بڑے بیٹوں سے جو کہ پہلی بیوی کی اولاد تھے، بے حد محبت تھی اور خالہ اماں (بوزینب صاحبہ) سے بھی، لیکن ان سے بھابی کا رشتہ بھی تھا، لوگ کہہ سکتے ہیں کہ ان سے بھابھی کر کے اور ماموں عبداللہ خان مرحوم سے بہنوئی کر کے محبت ہو گی- لیکن ان رشتوں سے اپنے بطن کی اولاد سے، زیادہ تو نہیں ہو سکتی اور آگے ان کی اولاد سے ہم سے زیادہ پیار کرتی تھیں اور منجھلے ماموں (نواب عبداللہ خاں صاحب) خالہ (بوزینب) سے تو سب اولاد سے بڑھ کر پیار تھا-

سسرالی رشتہ داروں سے خاص طور پر اپنے دیور کی اولاد سے بہت محبت تھی- اور آگے ان کی اولاد سے بھی جو آج تک ان کی شفقت اور محبت کو یاد کرتے ہیں اور باقی کوٹلہ کے رشتہ دار بھی بڑی امی سے بہت عقیدت رکھتے تھے- صرف ان کی اس محبت کی وجہ سے، اپنے دکھ سکھ کرنے ہوں یا کوئی مشورہ لینا ہو، کوئی معاملہ سلجھانا ہو بڑی امی کے پاس ہی آیا کرتے- (ذاتی تحریر)

صاجزادی آپا ناصرہ بیگم صاحبہ تحریر کرتی ہیں-

''پھوپھی جان کا سوتیلی اولاد سے سلوک قابل نمونہ تھا ان کا بہت خیال رکھتیں، میرے خیال میں تو اپنے بچوں سے زیادہ خیال رکھتیں- خاص طور پر سب سے چھوٹے بیٹے عبدالرحیم خالد سے، ان جیسا تو ان کو کوئی بچہ پیارا نہ تھا یہ میں اپنے اندازے سے بات کر رہی ہوں- جب کبھی وہ ان کے پاس ملنے کیلئے آتے یہ معلوم ہوتا حضرت پھوپھی جان کو دینا بھر کی خوشیاں مل گئی ہیں-''

(ذاتی تحریر)

عبدالرحیم خالد لندن میں پڑھائی میں فیل ہو کر سخت گھبرا گئے تھے اور صحت بھی

خراب ہو گئی- اسی وقت ان کو جو دعائیہ نصیحت و ہمت افزاخط و نظم لکھی کوئی پڑھنے والا نہیں کہہ سکتا کہ یہ ایک سوتیلی ماں کے جذبات ہیں ہر شعر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مامتا کا دریا بہہ رہا ہے مثلاً ؎

رحمت کا رہے سایہ، بڑھتا ہی رہے پایہ
ہر وقت، خدا رکھے، آسائش و صحت سے
راضی ہو خدا تم سے، شیطاں ہو جدا تم سے
لبریز رہے سینہ، ایمان کی دولت سے
سب فضل خدا ہو گا امید رکھو قائم
گھبرا نہ کہیں جانا، افکار کی شدت سے

(درعدن صفحہ ۶۹ تا ۷۱)

صاحبزادی فوزیہ شمیم صاحبہ تحریر کرتی ہیں

''ہمارے چھوٹے چچا عبدالرحیم خالد سے تو بچوں والا پیار تھا ان کی عائلی زندگی اتنی کامیاب نہ تھی- اس لئے بڑی امی کو میں نے ان کیلئے بہت تڑپتے دیکھا- ان کیلئے بہت دعائیں کرتی تھیں وہ بھی بڑی امی سے حقیقی والدہ جیسا سلوک کرتے تھے- بڑی امی کا ایک خط اب تک میرے پاس ہے جس میں ہمارے چچا میاں عبدالرحیم خالد کیلئے بہت فکرمندی کا اظہار ہے اور ان کے لئے خصوصی دعائیں لکھی ہیں ان کے انجام بخیر کیلئے خصوصیت سے دعا کرتی تھیں میرا خیال ہے کہ چونکہ ہماری چچی احمدی نہ تھیں اور آپ مالیرکوٹلہ میں رہتے تھے اس لئے دھڑکا رہتا کہ ریاستی ماحول میں رہ کر تعلق کمزور نہ پڑ جائے-(ذاتی تحریر)

فہمیدہ لطیف صاحبہ، لاہور، تحریر کرتی ہیں کہ میں ایک مرتبہ بیگم صاحبہ سے ملنے گئی تو بیگم صاحبہ بہت افسردہ تھیں فرمانے لگیں آج ہی (نواب) محمد احمد آئے تھے انہوں نے خالد کی وفات کی خبر مجھے سنائی وہ کانپ رہے تھے اور ان کی ٹانگیں لڑکھڑا

رہی تھیں- خالد کا خط بھی مجھے ملا ہے جس میں اس نے لکھا ہے کہ بابر کی طرح میں بھی یہ دعا مانگتا ہوں کہ میری عمر بھی آپ کو لگ جائے میری زندگی کس کام کی اور یہ خط اس کی وفات کے بعد مجھے ملا ہے اور ان کی زندگی کے حالات، اہلی زندگی کے بھی بتاتی رہیں- نیز مجھے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا، اور ہم دیر تک بیٹھی رہیں- اور آپ نے اس قدر تکلم فرمایا کہ میں نے دل ہی دل میں محسوس کیا کہ کاش آپ کو یہ صدمہ نہ پہنچا ہوتا- آپ کو کس قدر تکلیف ہے- میں نے پہلی بار محسوس کیا کہ آپ کی صحت آگے سے بہت زیادہ کمزور ہو چکی ہے نقاہت کے آثار نمایاں تھے ایک تو طبیعت پہلے ہی کافی ناساز تھی اوپر سے صدمہ کا اثر-

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۸۰،۸۱)

آپ خالد صاحب کے لئے بہت دعا گو تھیں تو جنوری ۱۹۷۶ء میں آپ نے بتایا کہ میں نے خالد کے متعلق مبشر خواب دیکھا ہے- آپ فرماتی ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ خالد بہت خوش ہیں وہ ایک بہت خوبصورت کمرے یا باغ میں حضرت اماں جان کے ساتھ بیٹھے ہیں اور حضرت اماں جان انہیں کسی پھل کی قاشیں کاٹ کر دے رہی ہیں اور خالد تناول فرما رہے ہیں-

اس خواب کے بعد آپ کو ایک خاص قلبی سکون حاصل ہو گیا- اور اس بات کا جو غم تھا کہ وہ قادیان سے دور رہ گئے- آپ کو اطمینان مل گیا کہ خدا تعالیٰ کے جوار رحمت میں ان کو جگہ ملی اور وہ اس کی رحمت کی جنت میں ہیں کہ وہ حضرت اماں جان کے قریب بیٹھے پھل کھا رہے ہیں-

(مسودہ صفحہ ۹۱)

# سسرال سے حسن سلوک

شادی کے بعد، ہر انسان کو سسرال ملتی ہے۔ لڑکوں کو بھی، لیکن لڑکیوں کیلئے سسرال اکثر و بیشتر دکھوں اور مصیبتوں کا گھر بن جاتی ہے۔ وجہ، معاشرت کا فرق، سوچ کا فرق، طبیعتوں اور مزاجوں کا فرق ہے۔ بعض لڑکیاں سسرال جاتے ہی ہر ایک سے اپنے نازنخرے اور لاڈ اٹھوانا چاہتی ہیں۔ کسی سے گھلتی ملتی نہیں اپنے کمرے میں بند۔ یہ لڑکیاں سسرال اور میکے دونوں کیلئے دکھ کا باعث بنتی ہیں۔ بعض ایسی ہوتی ہیں جو جانتی ہیں کہ اتنے لوگوں کو بدلنا مشکل ہے خود ہی بدل جاؤں ان کے رنگ میں رنگین ہو جاؤں اور یہ لڑکیاں کامیاب زندگی گزارتی ہیں۔ اور چند ایسی ذہین سمجھ دار سلجھی ہوئی ہوتی ہیں جو ٹیڑھی سے ٹیڑھی سسرال کو اپنے اخلاق اور طرز معاشرت اور نہایت وقار اور خلوص سے اپنا گرویدہ بنا لیتی ہیں۔ رفتہ رفتہ سسرال کا ہر شخص دلہن کے گیت گانے لگتا ہے--- حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ بھی ان ہی باخلاق سمجھ دار ذہین و فطین لڑکیوں میں سے تھیں جو انگلیوں پر گنی جاسکتی ہیں۔

آپ کی صاحبزادی آپا محمودہ بیگم صاحبہ تحریر کرتی ہیں

''ہماری بڑی والدہ کی والدہ (جو ہمارے والد کی خالہ تھیں) ان کے بہن بھائی جنہیں ہم ماسی اور ماما جی کہتے تھے۔ امی جان نے ان سے اور ان کی اولادوں، سے خاص حسن سلوک رکھا۔ یہ نانی بہت سیدھی سادی طبیعت کی مگر بہت غصے والی تھیں، جلد ناراض ہو جاتیں مگر دوسروں کے ساتھ۔ امی جان ان کی بیٹی کی جگہ آئی تھیں، اگرچہ ان کی بیٹی کی وفات کے بعد، لیکن دل میں ایک خلش ضرور رہتی ہو گی۔ یہ ایک فطری جذبہ ہے کہ میری بیٹی کی جگہ آئی ہے۔ ان کو اپنی بیٹی یاد آتی ہو گی۔ لیکن امی جان سے، ان

نانی کو بہت محبت تھی نانی کو اونچی آواز میں نماز کے بعد دعا کرنے کی عادت تھی اس میں امی جان کیلئے خاص دعا کرتیں۔ لوگوں کو حیرت ہوتی کہ یہ تو خاندان میں اتنی سخت مشہور ہیں یہ امی جان کے سامنے اتنی نرم کس طرح ہو جاتی ہیں۔ اس کی وجہ صرف امی جان کا تحمل تھا۔ شاید شروع میں کچھ تلخ باتیں سنیں، اور برداشت کیں، پھر بھی ان سے محبت اور عزت کا سلوک کیا، جس کی وجہ سے ان کے دل میں بھی محبت بیٹھ گئی۔ پھر ان نانی نے اپنے نواسوں اور نواسی سے امی جان کی محبت دیکھی چنانچہ وہ بھی ہم سے محبت کرتی تھیں، بعض وقت تو محسوس ہوتا تھا کہ ہمارے بڑے بہن بھائیوں سے زیادہ ہم سے محبت کرتی ہیں۔ اپنے نواسوں، پوتوں ان کی بیویوں یا اپنی بیٹیوں تک سے کوئی شکایت ہوتی تو وہ بھی امی جان سے کرتیں۔ ہم لوگوں سے بڑی اپنائیت کرتیں گویا صرف ہم لوگ ہی ان کے سچے ہمدرد ہیں۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے انہیں قبول احمدیت کی بھی توفیق دی۔ پہلے یہ شرک بدعت تعویذ گنڈے اس قدر کرتی تھیں کہ ابا جان ان سے چڑ جاتے تھے۔ ان کے بیٹے ماموں کرنل اوصاف علی پہلے ہی احمدی ہو چکے تھے اللہ تعالیٰ درجات بلند کرے اور یہ توفیق بھی ان کو ہمارے والدین کے نیک نمونے سے ملی۔

ہمارے والد شروع سے مالیر کوٹلہ کے رسم و رواج، بعض جاہلانہ خیالات اور دین سے بے رغبتی سے نالاں تھے۔ احمدیت قبول کرنے کے بعد اور سخت ہو گئے۔ ہماری پھوپھی اماں جو وفات سے پہلے خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدی ہو گئی تھیں ان کے سوا باقی سب سے ابا جان قریباً قطع تعلق کر چکے تھے (گوصلہ رحمی کا ہمیشہ خیال رکھا) بس کبھی کبھار ملنا ہوتا تھا وہ بھی مجبوراً۔ حالانکہ ابا جان کو اپنے بھائیوں سے بہت پیار تھا لیکن خیالات اور عقائد میں اتنا تضاد تھا کہ بہت کم تعلق رکھتے۔ امی جان نے آہستہ آہستہ سسرال کے تمام رشتہ داروں کے ساتھ ابا میاں کی اجازت سے، تعلقات بڑھائے، اپنے حسن سلوک سے انہیں اپنا گرویدہ بنا لیا وہ اپنے دکھ سکھ امی جان سے کرتے، مشورے لیتے، اپنے لڑائی جھگڑوں کے فیصلے ان سے کرواتے، ان کی نصیحت پر

عمل کرتے ،خواہ دل میں کیسے کٹر مخالف ہوں لیکن بے ادبی کی بات احمدیت کے بارے میں امی سے بھی نہ کی- امی نے جس سے محبت کی اور دوستی کا سا رنگ ہو گیا اس کو آخر تک نبھایا- امی نے کبھی ان کے خلاف کوئی بات نہ کسی سے سنی نہ کی- دیکھنے والے اس محبت کو دیکھ کر حیران ہوتے تھے کہ غیر خاندان کی ہونے کے باوجود کیسی محبت کرتی ہیں- ہمارے تایا کا خاندان شیعہ تھا اور چچا اہل سنت، ابا میاں احمدی- ایسے حالات میں آپ سوچیں کتنے اختلافات ہو سکتے ہیں؟ لیکن ان سب کے دل میں والد صاحب اور امی جان کی اس قدر، قدر و منزلت تھی کہ خاندان میں اور کسی کی نہیں تھی- وہ لوگ خاص طور پر امی جان کے سلوک و مروت سے اتنے متاثر تھے کہ ہر ایک کے سامنے بھی اور پیٹھ پیچھے بھی امی کی تعریف کرتے تھے وہ کہتے تھے ہمیں اپنی ماؤں کے پاس وہ سکون نہیں ملتا جو ان کے پاس ملتا ہے- یوں تو امی جان ہمارے چچا کی سب اولاد سے بے حد محبت کرتی تھیں لیکن خاص طور پر ہماری چچا زاد بہن آپا قدسیہ بیگم سے بہت لگاؤ تھا- وہ وفات سے کچھ دن پہلے انڈیا سے آئیں تو دیکھ کر تڑپ اٹھیں، یہاں سے روتی ہوئی واپس گئیں- امی جان کی وفات پر اتنے درد بھرے خط آئے ہیں جو اپنی والدہ کی وفات پر بھی انہوں نے نہیں لکھے- یہی کیفیت دوسری بہن کی اور چچا زاد بھائی مرحوم کے بیٹے بیٹیوں کی تھی، امی جان کی وفات کا سن کر سب کا برا حال ہو گیا جو نہیں پہنچ سکے- ان کے خط ایسی محبت سے لبریز ہیں کہ انہیں پڑھ کر درد اور سوا ہو جاتا ہے- ایک بھتیجا ہمارا بیمار تھا ---- میری چھوٹی بہن کے پاس آیا لاہور میں، کہتی ہیں اتنا روتا تڑپتا تھا کہ دیکھا نہیں جاتا تھا، الٹی اس کی دلجوئی کرنی پڑی، گویا یہ صرف اس کا صدمہ ہے، یہی کہتے تائی جی نے تو ہمارا ایسے ایسے وقتوں میں ساتھ دیا ہے بھلا کیسے بھلائیں گے تائی جی نے ہمارے مرحوم والدین کا اپنی محبت سے غم بھلا دیا تھا- میں سات برس کی ہوں گی جب ہماری پھوپھی اماں کا انتقال ہوا اس وقت کی مجھے کافی باتیں یاد ہیں- امی جان ان کا بے حد ادب کرتی تھیں اور وہ امی جان سے بے حد پیار کرتی تھیں- ہمیں اکثر

کھلونے روپے چیزیں وغیرہ دیتی رہتی تھیں۔ ان کے لاڈ پیار کی وجہ سے ہم ان سے بہت بے تکلف تھے۔ لیکن امی جان ہمیں حد سے نہ بڑھنے دیتیں۔ کہیں ان سے کوئی گستاخی نہ کرنے لگیں ہمارے چچا جان چچی جان تایا زاد بھائی اور ان کی اولادیں سب بے انتہا احترام کرتے تھے۔ آپ خود اندازہ لگائیں ایک بارہ برس کی بچی نے اتنے الجھے ہوئے ماحول میں کس طرح اپنا مقام پیدا کیا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور مسیح موعود کی دعاؤں کی برکت تھی کہ ان کی بیٹی نے کسی کو انگشت نمائی کا موقع نہ دیا۔ ایسے لوگوں میں رہ کر جن کا کام ہی نکتہ چینی تھا اور پھر امی جان کی ابا میاں سے، بے مثال محبت اور دل میں ان کی قدر ہی تھی کہ، اپنے ماحول سے بالکل علیحدہ ماحول میں جاکر ان کی خاطر، ان کے خاندان سے محبت کی عزت کی اور ابا کو پھر رشتہ داروں سے ملایا تاہم اپنے آپ کو گرایا بھی نہیں۔ بے حد پروقار محبت تھی۔ دین کے معاملے میں اتنی ہی غیرت دار تھیں کیا مجال جو ایک لفظ بھی کوئی بزرگان سلف یا خدا تعالیٰ اور رسولؐ کے احکام کے لئے بے ادبی کا نکالے ایسے جلال سے اسے مخاطب ہوتیں کہ دنگ رہ جاتا۔

(مصباح دسمبر ۷۷ جنوری ۷۸ صفحہ ۳۴ تا ۳۶)

آپا آصفہ مسعودہ (بے بی) تحریر کرتی ہیں۔

ہمارے مالیر کوٹلہ کے لوگوں کو متکبر اور ٹیڑھی سوچ والے تو نہیں کہا جا سکتا (یہ ذرا زیادہ سخت الفاظ ہیں) البتہ دنیا دار تو تھے۔ اس زمانے کی جہالت و تاریکی سے ان کو بھی حصہ ملا تھا۔ میرے والد فرمایا کرتے کہ جب چراغ جلتا ہے تو ادھر ادھر بھی روشنی پھیلتی ہے۔ حضرت مسیح موعود کی آمد سے عام غیر احمدیوں کے دماغ بھی اب کچھ روشن ہو گئے ہیں۔

ہمارے چچا جان نواب ذوالفقار علی خان (گو حق کو پہچانتے تھے مگر قبول کرنے کی جرات نہ تھی) نے تو اپنی اولاد کو نصیحت کی تھی کہ مجھ میں اپنے بھائی کی طرح دنیا کا مقابلہ کرنے کی ہمت تو نہیں مگر پھر بھی خبردار کبھی برا نہ کہنا (حضرت مسیح موعود کو)

الحمدللہ کہ ان کی اولاد کی اگلی نسل اب بھی اس بات پر قائم ہے- اللہ تعالیٰ ان کو احمدیت کی دولت نصیب کرے- آمین-

اس کے علاوہ میری امی کو ذاتی طور پر چچا جان کی اولاد سے بہت محبت تھی خصوصا آپا قدسیہ سے (بیگم اعزاز رسول آف سندیلہ یو-پی انڈیا) ان لوگوں کا بھی تائی جی تائی جی کہتے ہوئے منہ سوکھتا تھا- بہت عزت اور احترام کرتے تھے، اس کی وجہ امی کی ذاتی خوبیاں تھیں- ہمیشہ ان سے مہربانی کا سلوک کیا ان کے ہر دکھ درد میں بہت خلوص سے شریک ہوتیں- مگر جہاں حق بات کہنی ہوتی تھی وہاں کسی دوستی کا لحاظ نہ کرتی تھیں- ایک دفعہ ان بہن بھائیوں میں، آپس میں کوئی اختلاف ہو گیا، جو خاصی سنگین صورت اختیار کر گیا تھا- امی کا مخالف گروپ سے زیادہ تعلق تھا- مگر ہمیشہ ان کے منہ پر کہتی تھیں کہ اگر مجھے گواہی دینی پڑی تو میں حق بات کہونگی اس میں کسی دوستی وغیرہ کا لحاظ نہ کرونگی-

باقی رشتہ دار بھی امی کی بہت عزت کرتے تھے اور اکثر اپنی مشکلات میں امی سے مشورہ کرتے گویا یقین تھا کہ جو بھی مشورہ دیں گی صحیح ہو گا اس میں کسی قسم کی منافقت نہ ہو گی (مرد بھی پردے کے پیچھے سے مشورہ کرتے تھے) ہمارے تایازاد نواب احسان علی خاں نے (جو شیعہ تھے) محض امی کو اپنی بیٹی کی شادی میں شریک کرنے کیلئے اس شادی میں سے ہر قسم کی رسمیں اور ناچ گانے ترک کر دیے تھے-

ابا جان میری امی کا حضرت اقدس کی بیٹی ہونے کی وجہ سے بہت احترام کرتے تھے وہ نہیں چاہتے تھے کہ امی ایسی مجلس میں شامل ہوں جہاں ایسی بدرسومات ہوں- آخر نواب احسان علی خاں اور ان کی بیوی کے وعدے پر ہم پہلی دفعہ مالیر کوٹلے کی کسی شادی میں شریک ہوئے- مجھے اکثر یہ سوچ کر حیرت ہوتی ہے کہ میری امی نے اتنی چھوٹی سی عمر میں اتنے نازک رشتوں اور اتنی بڑی کٹر برادری کو ایسی عقلمندی سے کس طرح نبھایا ہو گا اور عزت و وقار سے ان کے درمیان زندگی گزاری یہ ان پر خدا کا فضل

تھا اور حضرت مسیح موعود کی دعاؤں کی قبولیت۔'' (تحریر آپا بے بی)

صاحبزادی آپا ناصرہ بیگم صاحبہ، بیگم صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب تحریر فرماتی ہیں۔

''گو آپ کی شادی بہت چھوٹی عمر میں ہوئی، مگر اپنے شوہر محترم کی پہلی اولاد کو، جو عمر میں آپ سے زیادہ یا آپ کے برابر تھی، اپنی اولاد سے بڑھ کر چاہا اور ان کے ہر دکھ درد اور خوشی کو اپنا دکھ اور اپنی خوشی سمجھا۔ ان کا یہ سلوک اپنی بڑی اولاد سے قابل رشک تھا۔ چونکہ حضرت پھوپھا جان اپنے خاندان کے بزرگ تھے اس لئے اس رشتہ کا احترام کرتے ہوئے آپ کا سلوک سسرالی رشتہ داروں سے بہت زیادہ شفقت و محبت کا رہا۔ برابر عمر کے رشتوں سے گہری دوستی کا رنگ بھی رہا، مگر ساتھ ہی مشفقانہ بھی، یہی وجہ تھی کہ وہ سب لوگ بھی آپ کی بہت عزت و احترام کرتے اور آپ کے سلوک کی قدر کرتے رہے۔ باوجود مذہبی اختلاف، کے ان کے دل میں آپ کا بڑا مقام تھا۔''

(مصباح خاص نمبر صفحہ۱۹)

صاحبزادی امتہ العزیز بیگم صاحبہ صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب فرماتی ہیں۔

''پھوپھی جان گو بہت چھوٹی عمر میں بیاہی گئی تھیں۔ پھوپھا جان کے پہلی بیوی سے بھی بچے تھے اور وہ سب آپ سے عمر میں بڑے۔ پھوپھی جان کی تربیت جس شان اور رنگ میں حضرت اماں جان اور حضرت مسیح موعود نے فرمائی تھی وہی رنگ تھا جو انہوں نے سسرال میں دکھایا۔ پھوپھا جان کے بچوں سے محبت کی۔ مالیر کوٹلے میں پھوپھا جان کے جو عزیز بھی رہتے تھے ان سب سے محبت اور شفقت کا سلوک تھا وہ بھی پھوپھی جان کی بہت عزت کرتے۔ میں نے دیکھا جب کبھی ان میں سے کچھ لوگ قادیان آتے پھوپھی جان کی کس طرح عزت کرتے اور محبت کرتے ہیں حالانکہ وہ لوگ احمدی نہیں تھے۔ پھوپھی جان نے اپنے سلوک سے سب کو گرویدہ بنا لیا تھا یہ سب پھوپھی جان کے حسن سلوک ہی کا اثر تھا۔ آخر تھیں کس ماں باپ کی بیٹی؟ وہی حسن

خلق اور نور ان کو بھی ورثے میں ملا تھا-'' (ذاتی تحریر)

آپ کی بہو آپا طیبہ صدیقہ صاحبہ فرماتی ہیں ''میری شادی مالیر کوٹلہ سے قادیان آ کر کی ۱۹۴۰ء کے اپریل میں قریباً ایک ماہ کے بعد میں ان کے ساتھ مالیر کوٹلہ گئی تھی ہمارے اور مالیر کوٹلہ کی تہذیب وتمدن میں بے انتہا فرق تھا- میں دیکھ کر حیران رہ گئی پرانی ملازمائیں بھی پیڑھیوں پر گھر والوں کی طرح بیٹھی ہوتیں- شروع میں مجھے پتہ نہیں چلتا تھا کون، کون ہے میں آپ کو دیکھتی کہ آپ کس طرح کس سے مل رہی ہیں، اسی طرح میں ملتی، سب عورتیں کہتیں بہو تو بہت سمجھ دار ہے ساس کی آنکھیں پڑھتی ہے- سوچتی ہوں اُس زمانے میں جب آپ شادی کے بعد وہاں گئی تھیں کتنا فرق ہوگا؟ لیکن میں نے سارے نواب خاندان کو آپ کی بے حد عزت کرتے دیکھا ہر معاملے میں وہ آپ سے مشورہ لیتے تھے- آپ کا ایک خاص مقام اپنی سسرال کے خاندان میں تھا- (ذاتی تحریر)

صاحبزادی امتہ الباسط صاحبہ تحریر کرتی ہیں ''پھوپھا جان کے رشتہ داروں سے بھی محبت تھی- ان کی عزت اور خیال شاید ہی کوئی اتنا رکھتا ہو- میرا خیال ہے کہ ایسی بہو کوٹلے میں، صدیوں میں بھی پیدا نہیں ہوئی ہوگی، اور نہ آئندہ کبھی آئے گی- پھوپھا جان کی پہلی اولاد سے اتنی محبت تھی کہ میں سوچا کرتی تھی- کہ لوگ کہتے ہیں کہ پہلی اولاد میں فرق ہوتا ہے- فرق مجھے یہاں بھی محسوس ہوتا تھا لیکن الٹا، کہ اپنی اولاد سے زیادہ پہلی اولاد سے محبت اور ان کی عزت ہوتی تھی- خصوصیت سے خالد صاحب سے- بعض اوقات بے بی کہا کرتی تھی کہ چھوٹے بھائی کے مقابلے میں، تو امی ہم لوگوں کو بھی بھول جاتی ہیں اور پھوپھا جان کی ایک بھتیجی ہیں قدسیہ بیگم، ان سے بھی بہت پیار تھا- قدسیہ بیگم کے خاوند کی وفات اور خالد صاحب کی وفات کا بھی ان کو بے حد صدمہ تھا- اگر سسرال سے اتنا رکھا اور نبھایا ہے، تو وہ صرف اور صرف پھوپھی جان نے پھوپھا جان اپنے عزیزوں کو ان رسومات اور دوسری باتوں کی وجہ سے پسند نہ کرتے تھے اور یہ سب

تعلق پھوپھا جان کی محبت کی وجہ سے تھا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ پھوپھا جان تعلق نہیں رکھتے۔
(مصباح خاص نمبر صفحہ ۲۳)

قارئین ذرا ٹھہریئے اور سوچیے ایسے حالات میں کہ شوہر اپنے گھر والوں سے نالاں ہے۔ کوئی اور لڑکی ہوتی تو خوش ہوتی کہ چلو جی، چھٹی ہوئی۔ میرے میاں نے خود اپنے گھر والوں کو چھوڑ دیا۔ وہ اب صرف میرا ہے۔ لیکن آفرین ہے اس ''خاتون مبارکہ'' پر کہ اپنے عظیم والدین کی تربیت کی وجہ سے، خداتعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کیلئے، صلہ رحمی کے حکم پر چلتے ہوئے، اور دور ہوتے ہوئے سسرالی عزیزوں کو قریب اور ٹیڑھے لوگوں کو سیدھا کر دیا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے اور حضور کی دعاؤں اور تربیت سے کیونکہ بیگم صاحبہ نے حضرت اقدس کو بار بار خواتین کو نصائح کرتے ہوئے سنا تھا کہ ''جب لڑکی بیاہی جاتی ہے تو اس کے ہاتھ میں دو چابیاں ہوتی ہیں ایک صلح کے دروازے کی ایک لڑائی کے دروازے کی۔ وہ جس دروازے کو چاہے کھول سکتی ہے خوش نصیب ہیں وہ عورتیں جنہوں نے صلح کا دروازہ کھولا۔ لڑکی کو اپنے سسر ساس کی نہایت تابعداری کرنی چاہیے کیونکہ بعد از شادی لڑکی کا تعلق اپنے والدین سے بڑھ کر اپنی ساس سسر سے ہو جاتا ہے اسی واسطے ان کے ادب کو ہر وقت ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ ان کے حکموں کو بلاکم و کاست قبول کر لینا چاہیے تعلیم کا یہی فائدہ ہے کہ لڑکی اپنے آپ کو نہایت درجہ تابعدار ثابت کرے۔ سخت ہی بدبخت ہیں وہ عورتیں جو کہ اپنے شوہروں کو ان کے والدین سے برگشتہ کرنے کی تجویزیں کرتی ہیں ان کو کبھی فلاح دارین نصیب نہیں ہو گی۔''

(یہ نصیحت بنت مولا بخش صاحب گورالی ضلع گجرات نے خود حضرت اقدس کی زبان سے ۱۸ اگست ۱۹۰۶ء کو قادیان میں بیعت کے بعد رخصت لیکر جاتے ہوئے سنی جو الحکم ۱۰ ستمبر ۱۹۰۶ء اور ۲۴ ستمبر ۱۹۰۶ء کو شائع ہوئی۔)

(بحوالہ مصباح سالنامہ ۱۹۶۹ء صفحہ ۵۳)

# جماعت کے بچوں کی تربیت کیلئے فکر مند

تربیت اولاد کے سنہری گر

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے اپنی اولاد کی، اپنی بہن کی اولاد کی جن کی آپ دادی بھی تھیں۔ اپنے تمام بہن بھائیوں اور جماعت کی اولاد کی تربیت کے نہایت اعلیٰ اصول بتائے جن پر آپ نے ساری زندگی عمل کیا۔ خدا کرے افراد جماعت خصوصاً عورتیں ان اصولوں پر چل کر اپنی نسلوں کی اعلیٰ تربیت کرنے والی بنیں اور یہ سلسلہ خدا کرے مسابقت کے ساتھ آگے سے آگے بڑھتا ہی چلا جائے۔

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ تربیت اولاد کے متعلق فرماتی ہیں۔

''تربیت کہاں سے آتی؟ جو طریقہ حضرت اماں جان کا دیکھا وہی جہاں تک ہمت تھی رکھا---- حضرت اماں جان فرمایا کرتی تھیں کہ:

بڑے بچے کی تربیت پر بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے اگر وہ ٹھیک راہ پر چلے گا تو آئندہ زیادہ محنت کی ضرورت نہیں۔ چھوٹے خود ہی بڑے کے نقش قدم پر چلنے لگتے ہیں۔

بچوں پر اعتماد کرکے تربیت کرنا حضرت مسیح موعود کا بھی یہی طریق تھا اور حضرت اماں جان کا بھی۔ مثلاً اگر کوئی بات ہمارے بچپن میں کسی کی ہوتی، تو آپ وثوق سے کہتیں ''میرے بچے جھوٹ نہیں بولتے۔'' اور یہ بات ہمارے دلوں میں اتنی گڑ گئی تھی کہ مجھے بچپن کا اپنا تاثر یاد ہے کہ جھوٹ تو خیر ہم نے بولنا ہی نہ ہوا، یہ بات (گویا) ہمارے کرنے کی ہے ہی نہیں۔

یہی سلوک اور طرز عمل حضرت مسیح موعود کا تھا۔ آپ کبھی بے اعتباری کی یا

شک کی بات نہ کرتے تھے، بچوں پر یقین رکھتے تھے یعنی اعتماد ظاہر فرماتے تھے، اور اس اعتماد کی شرم نہ تو آپ کی مرضی کے خلاف کوئی بات کرنے دیتی اور نہ کوئی بات آپ سے کبھی پوشیدہ رکھنے کو دل چاہتا- جو بات کہو آپ غور سے سنتے، جیسے کسی بڑے معتبر آدمی کی سنتے ہیں- خواب مجھ سے آپ اکثر پوچھتے بھی، اور خود سناتی جب بھی، سرسری کبھی نہیں سنا، کہ بچہ کی بات ہے، بلکہ بڑی توجہ فرما کر سنا اور تعبیر سنا کر دل کو خوش بھی کیا- کوئی ظاہراً پورا کر دینے کا پہلو ہوا، تو اس کو ضرور اسی صورت میں پورا کیا-

غرض بچہ کو نیک بات کی نصیحت کرنا اور اس کے کاموں پر اس طرح نظر رکھنا کہ ہر وقت کی نکتہ چینی، شک شبہ روک ٹوک تو نہ ہو، مگر خبردار ضرور رہیں آپ، اور بچہ پر بڑی حد تک اعتبار کر کے اس میں خود اپنے افعال کی غیرت اور ذمہ داری پیدا کر دینا، کوئی بات ہو تو الگ سمجھا دینا زیادہ بہتر ہے- بہ نسبت ہر وقت کی برسر عام گھر کی جھڑکی سے بے غیرت بنانے کے-

نیز حضرت اماں جان فرمایا کرتی تھیں بچہ کو یونہی ہر وقت نہ کہو سنو، مگر جب کہو تو ضرور وہ بات کروا کر چھوڑو تا کہ فرمانبرداری کی عادت پڑے- لیکن ہر وقت تنگ نہ کرو-

فقط

مبارکہ

(مصباح دسمبر جنوری ۶۱، ۶۲ صفحہ ۱۵، ۱۶)

تشحیذ الاذہان کے ذریعے آپ نے پیغام دیا-

پیارے بچو!

ذرا سنو! تم سے بس دو باتیں کہنا ہیں- زیادہ وقت نہیں لونگی- تم چھوٹے ہو بے شک- مگر دعا کرنا صرف بڑوں کا حق نہیں- اس نعمت سے سبھی فائدہ اٹھانے کے حق دار ہیں- تو تم کیوں نہ اٹھاؤ؟ ابھی سے دعاؤں کی عادت ڈالو- اپنے اللہ میاں سے اپنے لیے دین و دنیا کی ہر خیر و نعمت مانگو- نیک قسمت مانگو اور دعا کیا کرو کہ مولا ہمیں

ہر دھوکے اور فتنہ سے بچانا- ہمیں شیطان کے پھندے میں نہ پھنسنے دینا- ہم صادق رہیں- نیک رہیں- ہمیشہ صادقوں کے ساتھ رہیں- خلافت سے وابستہ رہیں زندگی کی ہر راہ پر تو ہی ہمارا دستگیر بن جا اور راہنمائی فرما-

جب میں چھوٹی سی لڑکی تھی، تو حضرت مسیح موعود نے کئی بار فرمایا کہ میرے ایک کام کیلئے دعا کرو یا دعا کرنا- ذرا غور کرو! کہاں وہ ہستی برگزیدہ عالیشان اور کہاں میں- مگر آپ مجھے دعا کو کہتے! یہ اس لیے ہوتا تھا کہ بچوں کے ذہن نشین ہو جائے کہ ہم نے بھی دعائیں کرنی ہیں اور تا دعاؤں کی عادت پڑے اور بچے جان لیں کہ اللہ کا در رحمت کھلا ہے- مانگو گے تو پاؤ گے- یہ آپ کی تربیت تھی دعا کے متعلق-

اسی طرح حضرت خلیفہ اول (اللہ تعالی کی ہزاروں رحمتیں آپ کی روح اقدس پر ہوں) بڑے پیار سے فرماتے کہ:

''میرے لیے دعا کرتی ہو؟''

''میرے لیے بھی دعا ضرور کیا کرو!''

غرض یہ سب باتیں اس لیے تھیں کہ دعا کی اہمیت دل میں جاگزیں ہو جائے- نیز خاص تاکید سے حضرت خلیفہ اول بار بار مجھے فرماتے کہ:-

''دیکھو! اللہ تعالی کے سامنے کوئی شرم نہیں تم چھوٹی ضرور ہو مگر خدا سے دعا کرتی رہا کرو کہ اللہ تعالی مبارک اور نیک جوڑا دے-''

یہ بات میرے ساتھ پڑھنے والی دوسری لڑکیوں سے بھی اکثر کہی کہ:-

ابھی سے چپکے چپکے دعائیں کرتی رہا کرو کہ اللہ تم کو نیک جوڑے بخشے- بالکل نہ شرمانا، اپنے خدا سے ہرگز نہیں شرماتے- اسی سے تو سب کچھ مانگنا ہے- پس لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی یہ دعا ضرور کیا کریں-

مگر یہ دعائیں اس لیے ہیں کہ بچے اپنی آئیندہ زندگی کیلئے خزانے جمع کریں- کہیں نیک جوڑا مانگتے مانگتے ابھی خیالی پلاؤ پکانے نہ شروع کر دینا! ابھی ہرگز تمہاری

شادی وادی نہیں ہوسکتی- ابھی تم نے قابل بننا ہے- انشاء اللہ تعالی-

دوسری ایک بات یہ کہ شیطان کوئی جن بھوت تو نہیں کہ خاص طور پر تم کو ڈرانے آئے گا اور تم بھاگو گے سرپٹ- وہ تو ہر وقت آس پاس لگا لپٹا پڑا پھرتا ہے تم کو پتا بھی نہیں لگ سکتا- اگر تم سمجھ سے کام نہ لو تو وہ بچہ بھی بن سکتا ہے- بہت لڑکے لڑکیاں شیطان ہوتے ہیں، تم دوست سمجھوگے- سہیلیاں جانو گے اور وہ پیار پیار میں زہر کا ٹیکہ تمہاری رگوں میں گھونپ دیگا- بری صحبت سے بچو- برے دوستوں کو چھوڑ دو- اس کی پہچان کا ایک موٹا گر، فی الحال یاد رکھو کہ جس بات کو تم اپنے والدین یا بزرگوں کے سامنے نہ کرسکو، وہ گناہ ہے وہ زہر ہے- جس بات کو تم ان کو بتاتے رکو یا شرماؤ، وہ ٹھیک نہیں جب کوئی تم کو (لڑکا، لڑکی بلکہ بڑی عمر کا معقول آدمی بھی شیطان بن کر آسکتا ہے) ایسی بات سکھائے یا بتلائے جو وہ تمہارے بزرگوں کے سامنے نہیں کہہ سکتا، تو اس سے دور بھاگو اور ہر بات بری بھلی جو سنو، ضرور اس کا ذکر اپنے ماں باپ سے کر دو- مگر ہر ایک سے نہیں کہتے پھرنا ماں باپ سے ذکر کرنے سے تم شیطان کے رعب سے نکل آؤ گے اور تمہارے دل کو تقویت ہو گی اور تم چونکہ بچے ہو- شیطانی لوگ شکایت کرکے مفت کا دباؤ اور ڈر جو بٹھانا چاہتے ہیں وہ تمہارے دل سے نکل جائے گا اور تمہارے والدین عقلمندی اور خاموشی سے خود نگران بھی رہیں گے اس طرح تم کو بڑا سہارا ہو جائے گا-

تم خود بھی دوسروں کیلئے نیک نمونہ بنو- گندی گالیاں، بازاری لوگوں سے بعض بچے سیکھ لیتے ہیں اور اس زبان کے گند سے دل میں گند پیدا ہو کر برائی پھیلتی ہے- کبھی ایسی بات لبوں تک نہ آنے دو- اچھے بچے بنو اور ہم جولیوں کو اچھے بننے میں مدد دو-

اچھا خدا حافظ و ناصر

مبارکہ

(تشحیذ الاذہان مئی ۶۲ء)

# بچوں کی ماہر نفسیات

بچوں کی تربیت میں اسلامی تعلیمات ادب و آداب کو خاص طور پر ملحوظ خاطر رکھتیں۔ اپنے بچوں کو بھی ہمیشہ اسی کی نصیحت فرماتیں ملاقاتی عورتوں کے ساتھ اگر بچے بھی ہوتے تو آپ ضرور انہیں انفرادی توجہ بھی دیتیں اور انہیں کوئی نہ کوئی اخلاقی نصیحت فرماتیں۔ ماؤں کو آپ ہمیشہ یہ نصیحت کرتیں کہ اپنا نمونہ اچھا بناؤ تاکہ بچے پر اچھا اثر پڑے۔ دوسرے بڑے بچے کی تربیت اچھی کرو باقی بچے خود ہی اس کے مطابق چلیں گے۔ آپس میں ہمدردی پیار، محبت، بڑوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت، گالی گلوچ اور جھوٹ سے نفرت کی تاکید کرتیں۔

رضیہ غوری صاحبہ لندن تحریر کرتی ہیں کہ جب بھی ملاقات کیلئے جاتی آپ میری بیٹی صالحہ کی تعلیم و تربیت کے بارہ میں بھی پوچھا کرتیں۔ بارہا فرمایا بچی کو اچھی صحبت میں رکھنا۔ نیز صالحہ کو مخاطب کرکے فرمایا دیکھو اگر کوئی لڑکی یہ کہے کہ یہ بات کسی کو نہ بتانا تو سمجھ لو کہ وہ بات بری ہے کیونکہ بری بات چھپائی جاتی ہے۔ ایسی لڑکی سے دوستی نہ رکھنا۔ بچپن میں ایک لڑکی میرے ساتھ کھیل رہی تھی۔ اس نے میرے کان میں ایک بات کہی اور کہا یہ بات کسی سے نہ کہنا، حضرت مسیح موعود قریب ہی تھے۔ انہوں نے یہ فقرہ سن لیا۔ اور مجھے بلا کر کہا اس لڑکی کے ساتھ نہ کھیلنا، اس پر وہ لڑکی سخت گھبرائی اور رونے لگ گئی۔ اس نے اسی وقت معافی مانگ لی۔

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۵۸)

آپ بچوں کی نفسیات کو خوب جانتی تھیں اور ان سے ان کے مطلب کی باتیں کرتی تھیں۔ راقمۃ الحروف ملنے جاتی تو بعض اوقات اپنی بڑی بیٹی خالدہ کو اور بعض

اوقات اپنے سب بچوں کو برکت دعا اور زیارت کیلئے ساتھ لے جاتی۔ آپ کو علم تھا کہ بچوں کو انفرادی توجہ دی جائے تو بچے خوش ہوتے ہیں۔ سب سے ان کا نام اور جماعت پوچھتیں، اور کچھ نہ کچھ کھانے کو ضرور دیتیں۔ ایک مرتبہ میں بچوں کو لے کر گئی تو آپ لیٹی ہوئی تھیں لیٹے لیٹے سرہانے کھڑکی کی طرف ہاتھ بڑھایا، میں فوراً اٹھی، فرمانے لگیں یہاں مٹھائی کا ڈبہ ہے مجھے پکڑا دو اور پھر اپنے ہاتھ سے سب بچوں کو مٹھائی بانٹی اور پھر ہنستے ہوئے سب بچوں کو اپنا اور بڑے بھائی صاحب (حضرت مصلح موعود) کا لطیفہ سنایا کہ ہم ملائی کی مٹھائی بچپن میں بنایا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک دو اور لطیفے اور بچپن کے کھیل بچوں کو بتائے۔ پہلی مرتبہ جب میرے چاروں لڑکوں کو (جن میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے) دیکھا تو آپ نے سوچا یہ لڑتے نہ ہوں، فرمانے لگیں ''بچو تم آپس میں لڑتے تو نہیں۔ لڑنا اچھا نہیں ہوتا'' پھر فرمایا کہ حضرت مسیح موعود ہمیشہ چھوٹے بچوں کو فرماتے تھے کہ گالی بھی کبھی نہ دو جھوٹ بھی نہ بولو اور بُری بات کبھی نہ کرو۔ بچوں میں چھوٹی موٹی لڑائیاں ہوتی ہی رہتی ہیں، میرے بچے بڑے حیران ہوئے۔ واپسی پر پوچھنے لگے ''امی کیا بیگم صاحبہ کو پتہ چل گیا تھا کہ ہم کبھی کبھی لڑتے ہیں۔'' آپ ہمیشہ بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرتیں اور دعائیں دیتیں خلافت کے شیدائی اور فدائی خدا تعالیٰ بنائے نیکی اور تقوی دے۔ میرے سب بچے خدا کے فضل سے صاحب اولاد ہیں اب اپنی اولاد کو بیگم صاحبہ سے ملاقات کی باتیں اور نصیحتیں سناتے ہیں۔

# افراد جماعت کی تربیت کی فکر

آپ احباب جماعت کی تربیت کیلئے ہمیشہ ہی فکرمند اور دعا گو رہتیں آپ نے ایک خواب دیکھا جس کے نتیجے میں افراد جماعت کو اپنے ایمان اخلاص اور تقویٰ کو بڑھانے پر زور دیا۔ آپ فرماتی ہیں:-

میں نے ایک خواب کافی عرصہ پہلے دیکھا تھا مگر چونکہ وہ خواب ایک پیغام تھا حضرت مسیح موعود کا۔ اس لیے تحریر کرتی ہوں۔ میں نے دیکھا کہ گویا میں حضرت اقدس سے مل کر آ رہی ہوں اور آپ نے جو فرمایا ہے چاہتی ہوں کہ سنا دوں۔ آگے بڑھ کر دیکھا ایک خاتون کھڑی ہیں، میں پاس گئی اور ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ حضرت مسیح موعود نے کہا ہے کہ ''اگر کسی فرد میں ذاتی کمزوریاں ہوں اور کوئی غلطی بھی اس سے ہو جائے تو اگر اس میں ایمان، اخلاص اور محبت ہے، تو پھر خدا اپنا موتی کیچڑ میں پڑا نہیں رہنے دے گا'' یہ کہہ کر میں دیکھتی ہوں جہاں وہ خاتون کھڑی ہیں، ان کے سامنے ہی بالکل قریب کیچڑ پڑا ہے میں نے جھک کر اس کیچڑ میں ایک موتی چمکتا دیکھا اور اٹھا لیا۔ بالکل صاف ستھرا نہایت چمکدار سچا موتی تھا۔ میرے ہاتھ کو مٹی تک نہیں لگی، میں نے وہ موتی ہتھیلی پر رکھ کر ان کی طرف بڑھایا اور کہا ''اس طرح'' یعنی غلطی کمزوری کے باوجود اگر ایمان و اخلاص و محبت ہے تو اللہ تعالیٰ کا موتی، کیچڑ میں پڑا نہیں رہ سکتا میں نے سوچا اچھا ہوا میں نے یہ بات ان تک پہنچا دی۔

(حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے تاریخ لجنہ جلد سوم کا تعارف حضرت سیدہ چھوٹی آپا صاحبہ کی درخواست پر لکھا صفحہ ۳، ا میں اس نصیحت کا ذکر کیا)

آپ نے ایک اور خواب دیکھا۔ جس کے نتیجے میں آپ نے افراد جماعت پر زور دیا کہ بشریت پر روحانیت غالب آئے گی، تو ہمیں خدا تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی

ملے گی۔ چنانچہ سالانہ اجتماع منعقدہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۶۲ء کے موقع پر فرماتی ہیں۔ ستمبر کے مہینے میں میں نے خواب دیکھا کہ ایک جنرل مرچنٹ کی دکان ہے، اس شخص کا نام صوفی ہے۔ دکان چھٹی کی وجہ سے بند تھی۔ مگر وہ شخص پشت کا ایک دروازہ، جو اس کے گھر کی جانب کھلتا ہے کھول دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ادھر سے آئیں، آپ کیلئے دکان کھلی ہے۔ ایک عزیز جو ساتھ تھے انہوں نے مجھے کہا کہ یہ شخص احمدی ہے۔ پھر کہا کہ احمدیت کی سچائی تسلیم کر چکا ہے مگر ابھی بیعت نہیں کی انہوں نے اس کو اپنی دو انگلیاں بالکل ایک دوسری سے پیوستہ کر کے دکھائیں اور کہا کہ بشریت اور روحانیت، اس طرح، دو آپس میں جڑی ہوئی انگلیوں کی طرح ہیں اور ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ جس ایک کی بھی طاقت بڑھتی گئی وہ دوسری کو اپنے قابو میں کرے گی اور مغلوب کا زور ٹوٹ جائے گا۔ ہر انسان، یہ جسم مادی اور ایک روح مصفیٰ لے کر پیدا ہوتا ہے بشریت کے تقاضے اس جسم مادی کی ضروریات اور ہر قسم کی مانگ کو پورا کرنے کے لئے ہر وقت خواہاں رہتے ہیں۔ اور ابلیس اسی دروازے سے داخل ہوتا ہے---- اگر روح کو طاقت بخشی جائے اور بشریت کا اس پر غلبہ نہ ہونے دیا جائے تو روحانیت بڑھتی اور بشریت کو کنٹرول میں رکھ کر، انسان کو انسان بناتی اور سیدھی راہ پر چلاتی ہے۔

(مصباح دسمبر ۱۹۶۳ء جنوری ۱۹۶۴ء)

آپ احمدی خواتین کو تربیت اولاد کی طرف خاص توجہ دلاتے ہوئے فرماتی ہیں

"یاد رہے کہ اب یہ وقت سوچنے اور سنبھلنے کا ہے آپ بھی سنبھل جائیں اور بڑا فرض یہ ہے کہ اپنی اولادوں کو سنبھالیں۔ اس وقت اگر یہ رُعب دجال میں آ گئے اور محض ذہنی غلامی محض دنیا کے بندوں کی ان کے دل و دماغ پر حاوی ہو گئی تو پھر خدا ہی حافظ ہے۔ خدا کے کام تو نہیں رکیں گے، مگر کتنے افسوس کی بات ہو گی کہ آپ اور آپ کی اولادیں اور صحابہ کی اولادیں تو محروم رہ جائیں، محض اپنی نااہلی اور غفلتوں کی وجہ سے اور نئے لوگ نصرتِ دین کے لئے آگے بڑھیں اور انعاماتِ الٰہی سے نوازے جائیں۔ یہ

کتنی بدبختی ہو گی؟ ذرا سوچنے کی بات ہے- یہ وقت ہے کہ آپ اپنی اولادوں کے قلوب میں دین و ایمان اور روحانیت کے بیج بونے میں زیادہ سے زیادہ کوشش کریں- ان کو حضرت مسیح موعود کی کتب ملفوظات، اور بزرگانِ سلسلہ کی کتب حالاتِ رفقاء وغیرہ خاص توجہ دے کر کثرت سے پڑھائیں- آپ بھی اپنی قدر و قیمت کو پہچانیں اور ان کو بھی ان کی قدر بتائیں- احمدیت کے نام کی عزت رکھنے والے بنائیں تو وہ دوسروں سے مرعوب بھی کیوں ہوں؟ انہوں نے تو زمانہ پر سکّہ نیک نمونوں سے بٹھانا ہے- وہ غیروں کے پیچھے کیوں چلیں؟ عام رو میں کیوں بہتے چلے جائیں- یہ کمزوری محض اپنا منصب نہ پہچاننے اور اپنی تعلیم سے ناواقف ہونے کی وجہ سے پیدا ہو رہی ہے- گو بفضلہٖ تعالیٰ اکثریت تو نہیں مگر جتنی بھی ہوں، ہمارے نقطۂ نظر سے تو بہت ہی ہیں-

(افتتاحی خطاب جلسہ سالانہ مستورات ۱۹۶۳ء بحوالہ تاریخ لجنہ جلد دوم، صفحہ ۲۳۴)

آپ کے دل میں تڑپ ہے کہ جماعت کا ہر قدم نیکی کی طرف بڑھے چنانچہ آپ احباب کو مختلف اخلاق اختیار کرنے کی تلقین کرتی ہیں کیونکہ آپ چاہتی ہیں ہر احمدی سچا احمدی بن جائے جس میں بے مثال جرات، بہادری، غیرت، ایمان، اخلاص اور صبر کی صفات ہوں چنانچہ آپ اپنی ایک لمبی نظم ''ہو گیا آخر نمایاں، فرق نور و نار کا'' میں فرماتی ہیں ؎

پر خدا سے ڈرنے والے، کب ڈرے اغیار سے
بڑھ کے کب آگے، قدم پیچھے ہٹا اخیار کا
عشق میں تحلیل روحیں، چور زخموں سے بدن
سایہ شمشیر میں، پیغام دینا یار کا
سب سے افضل تھے مگر، اصحاب ختم المرسلینؐ
خلق میں کامل نمونہ، عشق کے کردار کا

پھر حضرت مسیح موعود کی شان بتاتی ہیں ؎

چن لیا اک عاشق خیرالرسلؐ شیدائے دیں
جس کی رگ رگ میں بھرا تھا عشق اپنے یار کا
نوک خامہ سے سلجھتی گتھیاں دیکھا کیے
خوب تار و پود بگڑا، دجل کی سرکار کا
سانپ کی مانند، بل کھاتا ہے ابلیس لعیں
دیکھ کر رنگ جمالی احمدؐ مختار کا

(درعدن صفحہ ۵۳ تا ۵۶)

گندہ دہن مولویوں کی باتوں پر آپ کو سخت غیرت آتی ہے اور فرماتی ہیں ؎

جو رہن ہو چکی، ابلیس کے خزانے میں
وہ ''روح'' نذر شہنشاہ انبیاء کیلئے؟
دہان کھلتے ہی اڑتی ہے بوئے طاغوتی
نہیں! یہ لب نہ ہلیں ذکر مصطفےؐ کے لیے
اسی زباں سے، اسی وقت گند بک بک کر
خدا کا نام نہ لو، ظالمو! خدا کے لئے

(درعدن صفحہ ۵۷)

بیگم صاحبہ احمدیوں کو، صبر کرنے کی تلقین کرتی ہیں کہ مخالفین کی بہتان طرازیوں پر گالیاں سن کر دعا دو فرماتی ہیں ؎

شان دکھلا گئے، جس صبر کی، مردان جلیل
سن کے 'بہتان' دکھا تو بھی وہی صبر جمیل
صبر کر صبر کہ اللہ کی نصرت آئے
تیری کچلی ہوئی غیرت پر، وہ غیرت کھائے
لب خاموش کی خاطر، وہی لب کھولتا ہے
جب نہیں بولتا بندہ، تو خدا بولتا ہے

# قدر دان اور ذرہ نواز

آپ انتہائی قدر دان اور ذرہ نواز ہستی تھیں ہر ملنے والی اور تعلق والی کی چھوٹی سے چھوٹی حوصلہ افزائی اور قدر دانی فرماتیں۔

استانی حمیدہ صابرہ صاحبہ لکھتی ہیں۔ ۱۹۴۵ء کی بات ہے مجھے عزیزہ آصفہ مسعودہ کو پڑھانے کی سعادت ملی۔ اس خدمت میں، اکثر ملاقات کا موقع بھی مل جاتا۔ تعلق بڑھتا ہی چلا گیا اس اثنا میں آپ نے مجھے معاوضہ بھیجا اور ساتھ ہی یہ خط

عزیزہ حمیدہ بیگم سلمہا - السلام علیکم

گذشتہ حالات کے سبب دیر ہوگئی ماہ جنوری وفروری و مارچ کی ٹیوشن کے ۴۰ روپے ارسال ہیں امید ہے دیر کا خیال نہ کریں گی۔ فقط مبارکہ

حمیدہ صابرہ نے معذرت کرتے ہوئے معاوضہ واپس کر دیا کہ میں تو عقیدت ومحبت کی بنا پر پڑھا رہی ہوں صرف دعاؤں میں یاد رکھیں اس پر آپ نے تحریر فرمایا۔

عزیزہ حمیدہ السلام علیکم

عقیدت اور محبت کو، میرا دل سچی قدر دانی کے ساتھ واقعی محسوس کر رہا ہے اور یہ اتنی ناچیز سی چیز اس اثر کو مٹا نہیں سکتی۔حق استادی یا کسی کی محبت کا احسان ان باتوں سے تو مٹ نہیں سکتا ہرگز۔ وہ بالکل الگ حساب ہے اور یہ بالکل الگ ہے۔ گویا ایک قاعدہ کی بات ہے۔ جس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ خیر میری طرف سے، تحفہ ہی اس کو سمجھ لو میری نشانی جان کر کچھ خرید لینا۔ واپس نہ کرنا۔ وعدہ کرتی ہوں۔ محبت زیادہ ہی ہوگی گھٹے گی نہیں انشاء اللہ فقط مبارکہ

حمیدہ صابرہ کہتی ہیں بے شمار نوازشوں کی بنا پر خادمہ حد، احترام میں بے تکلف

ہو جاتی- ایک دفعہ دارالسلام (آپ کی کوٹھی کا نام) قادیان میں کئی خواتین آپ کے پاس بیٹھی تھیں- پاندان کھلا تھا باتیں ہو رہی تھیں- آپ نے صرف اپنے دست مبارک سے مجھے پان بنا کر دیا میں نے عرض کیا ؎

ان سے لے کر پان، رنگ اپنا ہوا سرخ و سفید
اور بزم دلربا میں، منہ ہوئے کتنوں کے زرد

بہت محظوظ ہوئیں- جب بھی میں حاضر ہوئی فیض محبت پایا- ذکر حبیب نہایت دل نشین پیرایہ میں بیان فرماتیں- فرمایا کرتی تھیں میں چھوٹی تھی مگر حضرت مسیح موعود کے زمانے کی باتیں اس طرح یاد ہیں جیسے کل کی بات ہو جبکہ دوسروں کی باتیں بھول بھی جاتی ہوں لیکن حضرت اقدس کی باتیں خوب یاد ہیں'' اکثر اپنے بچپن کے واقعات سنایا کرتیں-

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۷۲)

اسی طرح رضیہ غوری لندن لکھتی ہیں-

''گرمیوں میں ایک بار خاکسار بیگم صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو میں نے دیکھا کہ بیگم صاحبہ ایسے ہی آنکھیں بند کئے لیٹی ہیں- فرمانے لگیں ''میرا دل بہت گھٹتا ہے- انگریزی دوائیاں کھاتی ہوں- میں نے عرض کیا بیگم صاحبہ یا قوتی کھا کر دیکھیں- میں بنا کر لاؤں گی- جب میں بنا کر لائی تو بیگم صاحبہ نے پوچھا مربے خود بنائے ہیں؟ اس کی خوراک کتنی ہے؟ ایک چمچہ کھاؤں نا؟ میں نے عرض کیا جی- چند دنوں بعد حاضر ہوئی تو خاص طور پر ذکر فرمایا کہ یا قوتی اچھی تھی مجھے فائدہ ہوا- میں نے خوش ہو کر کہا میں اور بنا کر لاؤں گی- بیگم صاحبہ نے مسکرا کر فرمایا نہیں نہیں میں خود بنوا لوں گی-''

ایک اور مرتبہ رضیہ غوری نے افریقہ سے خریدا ہوا جوڑا پہنا ہوا تھا بیگم صاحبہ نے کپڑے کی تعریف کی- رضیہ کہتی ہیں ''کچھ عرصہ بعد خاکسار نے افریقہ سے وہ کپڑا منگوا کر پیش خدمت کیا آپ بہت خوش ہوئیں- فرمانے لگیں ''میں تمہیں قمیض کا کپڑا

دوں؟'' میں نے عرض کیا ''بیگم صاحبہ نیا نہیں لیکن اگر اپنی پہنی ہوئی قمیض تبرکاً عطا فرمائیں تو عین خوش قسمتی ہوگی- فرمایا اچھا- جب پھر گئی تو حضرت بیگم صاحبہ نے باوجود ناسازی طبع کے خود اٹھ کر الماری میں سے قمیض اور دوپٹہ نکالا اپنے دست مبارک سے عطر لگایا اور بڑی محبت سے میرے ہاتھ میں دیا اور ایک دلکش مسکراہٹ سے فرمایا- ''لو یہ میں تمہیں اپنی طرف سے دیتی ہوں-'' مجھے یاد ہے کہ میرا دیا ہوا جوڑا آپ نے ایک مرتبہ جامعہ نصرت کے جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر پہنا ہوا تھا-

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۵۹)

صفیہ بیگم اہلیہ شیخ مبارک احمد صاحب لکھتی ہیں کہ حضرت بیگم صاحبہ میری بیٹی عزیزہ نعیمہ سلمہا کی شادی پر تشریف نہ لاسکیں تو اپنے مبارک ہاتھوں سے مبارک بادی کا خط تحریر فرمایا- جس میں طبیعت کی ناسازی کا لکھااور قیمتی نصائح عزیزہ کو تحریر فرمائیں- ساتھ نقدی اور خوشبو کا تحفہ بھجوایا- یہ نایاب تحفہ ہمارے لئے بے حد خوشی کا موجب اور باعث فخر تھا-

ایک دفعہ میری ہمشیرہ امتہ الحمید، بیگم مکرم سید بشیر احمد شاہ صاحب میرے ساتھ گئیں- امتہ الحمید نے ایک قمیض بطور تبرک مانگی- فرمایا دونگی، اور یہ بات یاد رکھی- چند دنوں بعد عزیزم صاحبزادہ میاں قمر سلیمان صاحب کے ہاتھ اپنی بابرکت قمیض بھجوائی اور ساتھ رقعہ خود تحریر فرمایا کہ یہ قمیض امتہ الحمید کو پنڈی بھجوا دیں-

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۵۴)

رضیہ غوری صاحبہ لندن بیگم صاحبہ کی سیرۃ کے بعض پہلوؤں کو ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں-

حضرت بیگم صاحبہ کے بلند مقام، پاس ادب اور فرط محبت کے باعث خاکسار آپ کے سامنے زیادہ باتیں نہیں کرتی تھی- لیکن بیگم صاحبہ خود ہی بے تکلفی سے باتیں کرتی تھیں اور اس طرح پیش آتی تھیں گویا میں ان کی عزیزہ ہوں- اسی طرح خیریت

اور احوال پوچھتیں، جس طرح اپنے قریبی رشتہ داروں سے پوچھا جاتا ہے- ایک دن حاضر خدمت ہوئی تو فرمایا- پلنگ پر آؤ اور میرے پیچھے بیٹھ جاؤ اور آہستہ آہستہ میری کمر کھجلاؤ- ساتھ فرمایا ''تم ناصرہ بیگم کی طرح ہو-'' (یہ بیگم صاحبہ کی ذرہ نوازی تھی) میں بیگم صاحبہ کی کمر کھجلاتی رہی اور آپ بڑے پیار سے باتیں کرتی رہیں- حتیٰ کہ آپ کو نیند آ گئی اور میں خاموشی سے اٹھ کر دبے پاؤں باہر آ گئی- ایک بار میں اپنی ایک عزیزہ کو ساتھ لیکر حاضر خدمت ہوئی، اتفاق سے اس وقت بیگم صاحبہ کھانا تناول فرما رہی تھیں- خادمہ نے ہمارے آنے کی اطلاع دی، تو چند لمحوں بعد، وہی خادمہ ہمارے لئے کھانا لے آئی کہ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں آپ بھی کھانا کھا لیں- میں نے کہا ہم تو کھانا کھا چکے ہیں- ہاں اگر بیگم صاحبہ اپنی پلیٹ میں سے عنایت فرمائیں تو تبرک ہمارے لئے خوشی کا باعث ہوگا- آپ نے ازراہ نوازش فورا اپنی پلیٹ بھجوا دی-

ایک دفعہ میں عید کے موقع پر سیدہ بیگم صاحبہ کی خدمت میں سلام کیلئے حاضر ہوئی تو بہت خوشی کا اظہار فرمایا کہ تمہاری بچی کیلئے عیدی بھیجی تھی، مگر ملازم کو تمہارے گھر کا پتہ نہیں چلا- تمہارا حصہ رکھا ہوا ہے پھر خادمہ سے کہا کہ ان کا حصہ، مٹھائی وغیرہ سب کچھ اچھی طرح سے ٹرے میں رکھ کر لاؤ اور عزیزہ صالحہ سے فرمایا ''لو بچی کھاؤ'' اس کے بعد حضرت بیگم صاحبہ کا معمول رہا کہ ہر عید پر ہمارا حصہ ضرور رکھتیں- سبحان اللہ کہاں مسیح موعود کی لخت جگر اور کہاں میں گنہگار-

(مصباح خاص نمبر۶۰)

''صاحبزادی آپا امتہ الباسط صاحبہ اس پوت والے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتی ہیں ''اجتماع پر یا جلسہ سالانہ پر ذکر حبیب میں یہ واقعہ سنایا تھا- کہنے لگیں ''ایک آدمی نے مجھے پوت کی قمیض بھیجی کہ حضرت مسیح موعود کی خواہش پوری کرنے کیلئے یہ تحفہ بھیج رہا ہوں'' آپ کی آواز بھرا گئی فرمانے لگیں- بہت پوت پہنی ہے اس کے بعد، مگر حضرت مسیح موعود سے اس شخص کی محبت کی وجہ سے، یہ قمیض سلوا کر ایک دفعہ

ضرور پہنوں گی بڑی قدر ہوئی اس شخص کی میرے دل میں"- (پوت والا واقعہ صفحہ 75 پر درج ہے-)

آپ کے داماد ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا مبشر احمد صاحب ۱۹۶۹ء میں مزید تعلیمی کورس کیلئے برطانیہ گئے ساتھ آپ کی بیٹی آپا آصفہ مسعودہ صاحبہ بھی گئیں- بیگم صاحبہ ان کے بچوں کے پاس لاہور میں آکر رہیں- میں کالج میں پڑھانے کے بعد اکثر بیگم صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہوتی کہ زیادہ سے زیادہ آپ کی بابرکت صحبت میں بیٹھ سکوں اور حضرت مسیح موعود اور حضرت مصلح موعود کے واقعات سن سکوں اور خدا توفیق دے تو کچھ خدمت بھی کروں اور یہ سب کچھ میرا فرض اور میرے لیے عین راحت تھی- لیکن آپ اکثر فرماتیں کہ میں تم سے خوش ہوں- تم نے میرا بہت خیال رکھا کئی مرتبہ خطوط میں بھی اس کا تذکرہ فرمایا- فرماتی ہیں:

عزیزہ مکرمہ سیدہ نسیم سعید صاحبہ سلمہا السلام علیکم

آپ کا خط ملا- پرخلوص دعاؤں کا بہت بہت شکریہ- میں تو برابر دعا کر رہی ہوں- آپ کا بچہ پہلے سے صحت مند ہے الحمدللہ

آپ کے اخلاص اور محبت بھرے سلوک سے میں بہت خوش ہوں- چھاؤنی میں قیام کے دوران آپ میرا بہت خیال رکھتی تھیں میرے دل میں بھی آپ کے لئے محبت بھرے جذبات ہیں اللہ تعالی آپ کو ہمیشہ اپنے فضلوں سے نوازے اور اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق دے آمین

میری صحت کے لئے خاص طور پر دعا کرتی رہیں- خداتعالی آپ سب کا حافظ و ناصر ہو آمین- پیار اور دعائیں-

دستخط بقلم خود والسلام مبارکہ

مشاہدہ ہے کہ دنیاوی لحاظ سے جو لوگ بڑے ہوتے ہیں وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے- بیگم صاحبہ دینی و دنیاوی دونوں لحاظ سے بہت معزز اور محترم ہستی تھیں لیکن

پھر بھی دوسروں کے حفظ مراتب کا آپ کو خیال رہتا تھا۔ میں اکثر آپ کو دعا کی غرض سے خطوط لکھتی رہتی تھی۔ کبھی دست مبارک سے جواب دیتیں اور کبھی کسی سے جواب لکھوا دیتیں۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے مجھے خط لکھا جس میں مجھے ''تم'' لکھا۔ ''تم'' چھوٹوں کیلئے موزوں لفظ ہے۔ ہم لوگ خود استعمال کرتے ہیں لیکن مرحبا آپ پر جو خود ''نواب بیگم'' ہیں ایک حقیر کنیز اور عاجز عورت کو تم لکھ کر اگلی سطر میں لکھتی ہیں۔ کہ آپ برا نہ منائیں یہ بے تکلفی کا اظہار ہے۔ میں نے فوراً خط کا جواب دیا اگر آپ تم کیا 'تو' بھی لکھتیں تو اس میں بھی میری عزت تھی آپ نے دوبارہ اپنے دست مبارک سے جو خط لکھا وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے مرحبا کیا عظیم خاتون تھیں۔

عزیزہ نسیم سعید سلمہکم

السلام علیکم۔ خط ملا۔ یہ تو درست ہے کہ تم نے ''تم'' لکھنے کا برا نہ مانا۔ اپنی بچیوں کو ''تم'' لکھتی ہوں۔ تو چونکہ تم سے ملنے اور تمہاری محبت سے تعلق خاطر اور بڑھا تھا تو 'تم' لکھا۔ مگر 'تو' کر کے تو چھوٹی نصرت بے بی کی بچی مجھے مخاطب کرتی ہے یہ اس کے ازحد پیار کی نشانی ہے۔ اب بھی لکھوایا ہے کہ ''تو آتا کیوں نہیں'' تمہاری والدہ مرحومہ کے خدا درجات بلند سے بلند فرمائے اور والد مرحوم کے بھی فرمائے اور تم سب نیک رہو نیک نسلیں چلیں ان کی روحوں کو بشارتیں پہنچیں۔ اللہ تعالیٰ بہن کی بھی پریشانی دور فرمائے۔ میری صحت کیلئے دعا کیا کرو جتنی زندگی ہے صحت سے گزرے۔

والسلام مبارکہ

آپا امتہ القدیر ارشاد صاحب بنت چوہدری علی محمد صاحب بی اے۔ بی ٹی نے تحریر کیا۔

میں دور دور سے آپ کو جلسہ سالانہ اجتماعات اور دوسری تقاریب میں دیکھتی لیکن بات کرنے کی خواہش دل ہی دل میں رہی۔ ایک مرتبہ ایک ولیمے میں مجھے گھر والوں نے بیگم صاحبہ کو کھانا کھلانے کی ذمہ داری سونپ دی۔ میں نے اس کو بہت بڑی

سعادت جانااور بڑے سلیقے طریقے سے بیگم صاحبہ کے آگے کھانے کی مختلف ڈشز پیش کیں کھانے کے بعد آپ نے شاباش کے طور پر میرے کندھے پر تھپکی دی اور دعا دی۔ (ذاتی تحریر)

اسی طرح ستارہ مظفرصاحبہ بنت آپا ثریا مرحومہ آفس سکریٹری دفتر لجنہ لاہور تحریر کرتی ہیں ”بیگم صاحبہ لاہور تشریف لائی ہوئی تھیں میری والدہ ہم دونوں بہنوں کو آپ سے ملاقات کرانے لے گئیں۔ سردیوں کے دن تھے میں نے آپ کے پاؤں تھوڑی دیر دبائے۔ پاؤں گرم ہونے پر آپ نے خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ میں نے آٹوگراف کے طور پر لکھوانا چاہا تو آپ نے لکھا۔”عزیزہ ستارہ۔ نیک رہو نیک نصیب ہو۔“ پھر دوران گفتگو امی جان سے معلوم ہونے پر کہ امی لاہور کی میاں فیملی سے ہیں جن کے گھر حضرت اقدس ابتدائی دنوں میں دہلی دروازہ میں آکر ٹھہرا کرتے تھے تو خوش ہوکر فرمایا اچھا لاؤ السلام علیکم تو لکھ دوں اور پھر آٹوگراف پر نام کے ساتھ السلام علیکم کے الفاظ زیادہ فرمائے۔ (ذاتی تحریر)

# خدام احمدیت کا خاص خیال

سلسلے کیلئے کام کرنے والوں، ان کی اولادوں اورعزیزوں سب کا آپ کو بہت خیال رہتا ہر ایک کی خوشی غمی میں شریک ہوتیں۔ چنانچہ پروفیسر ڈاکٹر نصیر احمد خاں صاحب بیگم صاحبہ کی شفقتوں کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں ''۱۹۶۹ء میں جب میں بیمار ہوا اور قریباً ڈیڑھ ماہ فضل عمر ہسپتال میں صاحب فراش رہا، تو آپ عیادت کیلئے اپنے ملازم کو دوسرے تیسرے روز بھجواتیں اور دعا سے سرفراز فرماتیں اسی دوران عید آ گئی ہمارے مختصر سے کنبہ کیلئے یہ ہسپتال کی عید بہت بے رونق اور اداس تھی---- ہم خاموش بیٹھے ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی، دیکھا تو حضرت سیدہ موصوفہ کا پیغامبر، عید مبارک اور دعا کا پیغام لیئے فرشتہ صبح کی طرح کھڑا تھا۔ بھرے شہر میں صرف ایک دل تھا، جسے بیماروں اور ناداروں کی دلداری مقصود تھی---- میرے گھر سے جب بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتیں آپ میری خیریت دریافت کرکے فرماتیں کہ میاں کا خیال رکھنا۔''

(الفضل ۳۰ جون ۱۹۷۷ء)

رضیہ درد صاحبہ لکھتی ہیں۔

خاکسار کے ابا جان مرحوم (حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد) کی وفات جہاں جماعت کیلئے صدمہ تھی، اپنے گھر میں تو اس کا رنگ ہی اور تھا۔ چھوٹے چھوٹے بچے جن میں کوئی بھی اس قابل نہ تھا کہ اس کشتی کو چلا سکتا۔ طویل عرصہ رنج وغم مختلف قسم کی پریشانیوں اور تفکرات میں گزرا۔ پیارے آقا حضرت مصلح موعود کی بے پناہ شفقتوں مہربانیوں کے زیر سایہ، خدا پر توکل کرتے ہوئے یہ دور ختم ہوا اور میرے بھائی

حبیب الرحمٰن کے نکاح کا موقع آیا تو خاکسار حضرت بیگم صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور امی کی اس خواہش کا اظہار کیا کہ بیگم صاحبہ اپنے دست مبارک سے دلہن (امتہ الباسط) کو انگوٹھی پہنا دیں۔ فرمایا۔

”اللہ تعالیٰ مبارک کرے (آمین) اگرچہ مجھے بخار ہے طبیعت بے حد خراب ہے لیکن چونکہ ہمارے درد صاحب مرحوم جو کے سلسلہ کے فدائی تھے کے گھر میں ایک لمبا عرصہ، رنج وغم گزارنے کے بعد، خوشی و مسرت کی گھڑی آئی ہے اس لیے میں باوجود طبیعت کی خرابی کے ضرور آؤں گی۔ انشاء اللہ۔ اپنی امی کو مبارک باد دینا بیچاری کو بہت دکھوں کے بعد خوشی نصیب ہوئی ہے۔“

یہ تھا وہ روحانی جذبہ جس سے زندگی بھر وہ عظیم ہستی معمور رہیں۔ سلسلے کے خدام اور ان کی اولادوں کا اتنا خیال، کہ باوجود صحت کی خرابی کے جبکہ اکثر لوگ اپنے عزیزوں کی تقاریب میں بھی شریک نہیں ہوتے آپ نے مختصر ہمدردانہ الفاظ میں نہ صرف خوشی میں شامل ہونا منظور فرمایا بلکہ ان چند فقروں میں، ابا جان مرحوم کی موت کے بعد تک کے زمانہ تکالیف اور مصائب پر، شفقت اور ہمدردی کا مرہم رکھ کر ہمارے جذبات کی کمال طریق سے تسکین فرمائی۔ کتنا پاس تھا آپ کو اس خوشی کا، جو ایک دین کے خادم کے گھر مسرتوں کا پیغام لائی تھی کون ان محبتوں کو بھول سکتا ہے؟ کون ان گزرے لمحوں کو فرمواش کر سکتا ہے۔

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۶۸، ۶۹)

صفیہ بیگم اہلیہ شیخ مبارک احمد کہتی ہیں۔

یہ عاجزہ جب بھی بیت الظفر حاضر ہو کر اطلاع کرتی تو اسی وقت اندر بلا لیتیں اور محبت سے بٹھاتیں۔ باتیں کرتیں۔ میرے ابا جان محترم قاضی عبدالسلام صاحب بھٹی۔ محترم شیخ صاحب اور ان کے والد کی خیریت دریافت فرماتیں میری نانی جان محترمہ امتہ الرحمٰن صاحبہ( جو حضرت قاضی ضیا الدین صاحب کی بیٹی اور حضرت قاضی محمد عبداللہ

صاحب کی ہمشیرہ تھیں جن کو کچھ عرصہ حضرت مسیح موعود کے دیار پاک میں خدمت کا شرف حاصل ہوا تھا) کا ذکر بیگم صاحبہ کرتیں کہ ہم بچے تھے رات کو ہم انہیں کہتے کہ کہانی سنائیں تو تمہاری نانی ہمیں کہانیاں سناتیں۔

میرے سسر حضرت شیخ محمد الدین صاحب مرحوم کی وفات پر حضرت بیگم صاحبہ تشریف لائیں اور کافی دیر بیٹھیں اور سب بہن بھائیوں کو اکٹھا کر کے نصائح فرمائیں کہ آپ کے والد صاحب کی بہت قربانیاں تھیں آپ بھی اتفاق و محبت سے رہنا۔ میری والدہ صاحبہ کی وفات پر ازراہ مہربانی تشریف لائیں اور دیر تک بیٹھ کر ہمدردی کا اظہار فرماتی رہیں۔ میرے بہنوئی چند دن پہلے فوت ہوئے تھے جن کا نام لئیق احمد تھا ان کا افسوس فرماتی رہیں۔ ہمارے دادا جان حضرت قاضی عبدالرحیم صاحب کا ذکر فرماتی رہیں اور اسی طرح ہماری نانی جان کا بھی ذکر فرمایا۔

حضرت مسیح موعود کے پاک لخت جگر کی تشریف آوری اور اظہار ہمدردی سے ہی ہم خادموں کا غم غلط ہو جاتا اور اس عظیم ہستی کو دیکھ کر دل تسلی پا جاتے۔

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۵۴)

حمیدہ صابرہ لکھتی ہیں۔

میری والدہ کی وفات کے بعد یہ شفقت، مادرانہ رنگ اختیار کر گئی۔ چہرے کے ہلکے سے تغیر کو بھی محسوس فرما لیتیں۔ دلداری فرماتیں۔ اکثر فرماتیں حمیدہ برقع اتارو اور آرام سے بیٹھو۔ آؤ باتیں کریں۔ گھر کے ہر فرد پر نظر کرم تھی حالات سے باخبر رہتیں۔

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۴۷)

عبدالسمیع صاحب نون سرگودھا جو حضرت بیگم صاحبہ کو دعاؤں کے لئے لکھتے رہتے تھے اور خدمت بجالانہ کی بھی کوشش کرتے رہتے تھے تحریر کرتے ہیں۔

۱۹۶۶ء کا واقعہ ہے میرے پاس موٹر کار نہیں تھی۔ میں نے دعا کے لئے

درخواست کی تو جواباً فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ ہر خیر عطا فرمائے۔ اور ہر شے سے محفوظ رکھے۔'' گویا قرآنی آیات کا ترجمہ کر کے جامع دعا تحریر فرمائی۔ چنانچہ میں نے نئی کار خریدی تو پھر دعا کے لئے لکھا۔ کہ مؤجب برکت ہو۔ جواب آیا۔

''آپ نے صدقہ تو دے دیا ہو گا۔ اگر نہیں دیا تو اب دے دیں اور ایسے غریب لوگوں کو اس میں سیر کروائیں جو موٹر کار میں بیٹھنے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ سواری کا یہ بہترین صدقہ ہے۔''

ایں نسخہ از بیاض مسیحا نوشتہ ایم

چنانچہ میں نے اسی پر عمل کیا اور برکتیں پائیں۔ اور پھر یہ ''نسخہ'' اپنے اور غیروں میں خوب خوب مشتہر کیا۔ سب ہی نے اسے بے حد پسند کیا۔ اور اس پر عمل کرنے کا عزم کیا۔ ظاہر ہے کہ اس میں غریب پروری اور غربا اور مساکین کو اپنے ساتھ بٹھانا، اور ان کو اپنی خوشیوں میں شریک کرنے کا ایک سبق اور وہ بھی مسیحِ دوراں کی مبشر دختر کے مبارک مُنہ سے نکلا ہوا تھا۔ اور اس کی لازوال برکتوں کا تو کوئی شبہ ہی نہیں۔ مگر مادر مہربان نے ہمیشہ اپنی خوشیوں میں غربا کو شامل کرنے کا دائمی حکم دے کر میرا تو گویا قبلہ درست کر دیا۔

# قادیان دارالامان سے محبت

حضرت مسیح موعود کو قادیان سے جو محبت تھی بیگم صاحبہ کے بچپن کے حافظے میں محفوظ تھی چنانچہ ''الفرقان'' کے درویشان قادیان کے نمبر کے لئے آپ نے حضرت مسیح موعود کی محبت قادیان کا ذکر فرمایا۔

اپنا وطن کس کو پیارا نہیں ہوتا۔ کسی شاعر کا مصرعہ ہے کہ ؎

''خارِ وطن از ملک سلیمان خوشتر''

حضرت مسیح موعود کو بھی قادیان سے بہت محبت تھی اور یہ محبت محض وطن اور جنم بھومی ہونے کی وجہ سے نہ تھی بلکہ احسانِ باری تعالیٰ کی وجہ سے۔ یہ محبت اور قدر آپ کے دل میں عام حب وطن سے بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ یہی مقام تھا یہی گھر تھا جس میں آپ کو ذکر الٰہی کی توفیق ملی۔ اسی جگہ آپ نے عشق رسول اللہ ﷺ میں کثرت سے درود پڑھا۔ دردِ دل پیدا ہوا اور خدمتِ دینِ حق میں قلم سے، تلوار کا کام لیا۔ نورِ خدا نازل ہوا۔ وحی صادق سے مولا کریم نے نوازا جس مقام پر کوئی کسی محبوب دوست کے ساتھ جاتا ہے پھر جب کبھی گزر ہو اُس جگہ اُس کو وہ پیارا وجود اور اس کی باتیں یاد آ جاتی ہیں تو یہ تو ایک صادق عشق، اعلیٰ پایہ کا تھا۔ آپ کو ہر جگہ اپنے گھر کو دیکھ کر نزولِ رحمت اور خدا تعالیٰ کا محبت اور تسکین سے بھرا ہوا کلام جب یاد آ جاتا ہوگا تو سوچیں آپ کے قلب کی کیفیت کیا ہوتی ہوگی۔ جب کبھی باہر جانے کا ذکر ہوتا یا آپ باہر سے آتے تو ایک پنجابی کی مثال بڑے پیار سے دہرایا کرتے تھے کہ

جیہڑا لطف چوبارے
نہ بلخ نہ بخارے

آپ کو اپنے گھر سے محبت تھی- اس کی قدر تھی جو خود آپ سے بڑھ کر کون محسوس کر سکتا ہے- ہم مقدمہ کے سلسلہ میں جب گورداسپور میں تھے تو آپ قادیان کو بہت یاد کرتے تھے- ہر وقت واپسی کی تڑپ رہتی تھی- ایک دن اوپر کی منزل میں آپ صحن میں ٹہل رہے تھے میں بھی پاس تھی اور حضرت اماں جان بھی- آپ نے قادیان کی یاد کی باتیں کرتے ہوئے فرمایا کہ آخری شاہ اودھ نے لکھنؤ کی یاد میں کہا تھا ؎

یا تو ہم پھرتے تھے ان میں یا ہوا یہ انقلاب
پھرتے ہیں آنکھوں کے آگے کوچہ ہائے لکھنؤ

فرمایا ہم اس کو اس طرح پڑھتے ہیں:

یا تو ہم پھرتے تھے ان میں یا ہوئے یہ انقلاب
پھرتے ہیں آنکھوں کے آگے کوچہ ہائے قادیاں

یہی شعر حضرت سیدنا خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنی لندن والی نظم ؎

ہے رضائے ذاتِ باری اب رضائے قادیاں

میں شامل کیا ہے-

اب حضرت خلیفۃ المسیح کی تڑپ قادیان کے لئے دیکھی نہیں جاتی- مجھ سے تو قطعی ان کا قادیان کے لئے تڑپنا اور مجبوری برداشت نہیں کی جاتی- واقعی جسے مثالاً کہتے ہیں ''دل بھُنا'' دل پھٹنے لگتا ہے- ان کی صحت اور اس کے ساتھ ان کی اس تمنا کے خاص نصرت اور شان سے پورا ہونے کے لئے بہت بہت دعاؤں کی ضرورت ہے-

سب بھائیوں سے دعاؤں کی خواستگار

مبارکہ

(الفرقان درویشان قادیان نمبر، ۱۹۶۳ء، صفحہ ۹)

یہ ہی محبتِ قادیان بیگم صاحبہ کے دل میں موجزن تھی چنانچہ درویش برادران کے نام ایک یادگار تحریر ہے-

دنیا میں بہت گھر ہیں، اور ایک سے ایک اچھا
پر گھر تھا وہ کیا پیارا، ہم جس میں ہوئے پیدا

یہ عنوان ابتدائے عمر میں پڑھا تھا- لیکن اب تک یاد رہا- اور خصوصاً اب آ کر تو یہ میرے قلب پر بہت ہی درد انگیز اثر چھوڑ جاتا ہے-

وہ گھر چھٹ گیا مگر اس کی یاد نہیں جاتی، ایک ایک کونہ، ایک ایک جگہ دل پر نقش ہے- کئی بار خواہش پیدا ہوتی ہے کہ نئی پود، جنہوں نے حضرت مسیح موعود کا زمانہ نہیں دیکھا- بلکہ شائد اکثر کے والدین نے بھی نہیں دیکھا- میں قادیان جاؤں اور ان کو گوشہ گوشہ دکھاؤں کہ اس جگہ آپ رہے- یہاں اکثر قیام کیا یہاں ٹہلتے تھے، یہاں لکھتے تھے- یہاں آرام کرتے وغیرہ وغیرہ- مجھے بچپن کا زمانہ خدا تعالی کے فضل و کرم سے بہت یاد ہے- بیچ کی عمر کی اکثر باتیں بھول گئی اور اب تو بہت بھولتی ہوں- مگر الحمدللہ کہ وہ وقت سب یاد ہے- اپنی عمر کے مطابق، بلکہ اس سے زیادہ، آج کل کے بچوں کو دیکھتے ہوئے-

بہت کم عمری کے وقت کی بات ہے- پلیگ پھیلنے سے پہلے ہم لوگ اکثر گرمی کے دن اور سردی کی راتیں نیچے گزارتے تھے- نیچے کے کمرے، جو بعد میں محض مہمان خانہ کا کام دیتے رہے- غرضیکہ اس گھر کی ایک ایک جگہ متبرک ہے- کوئی میرے ساتھ پھر کر میرے سامنے دیکھے، تو شائد آپ کے قدموں کی جگہ بھی بتلا سکوں- اوپر بھی جو نیا کمرہ بنتا، حسب ضرورت آپ ضرور چند دن اس کو استعمال فرماتے تھے- گو زیادہ قیام آپ کا حضرت اماں جان والے کمرے اور حجرے میں رہا ہے، آخری سالوں میں- مگر آپ کے کم و بیش قیام سے کوئی جگہ ہی شائد خالی ہو- دارالبرکات (ام طاہر کے مکان) کے برآمدے میں جو چھوٹا کمرہ ہے، جس کی کھڑکی مسجد اقصیٰ کو جانے والی گلی کی طرف کھلتی ہے- اس میں بھی چند دن رہے تھے-

میرا یہ سب کچھ لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ درویشان قادیان کے پاس یہ بظاہر

سال خوردہ مکان---- ایک دولت ہے- ایک برکتوں کا خزانہ ہے، جس کی ہر اینٹ پر دعائے مسیح الزماں، مامور ربانی ہو چکی ہے- اس کی دیواروں پر، آپ کی آواز نقش ہے، وہ درد بھری پکار جو آج بھی میرے کانوں میں گونجتی ہے ضرور اس کا نقش ان دیواروں پر ہے-

آپ، ان تمام کمروں میں، بیت الدعاء میں خصوصاً اور کونے کونے میں عموماً دعائیں کریں- بہت دعائیں کریں- اس دعاؤں والے، عاشق رب کی دعاؤں کا واسطہ دے کر دعائیں کریں- کہ خدا تعالیٰ میرے بڑے بھائی کو شفا دے- تاریکی دور ہو کر ایک بار پھر روشنی ظاہر ہو جائے- احمدیت کو ترقی ہو، اور ہم سب کو اعمال نیک اور انجام نیک نصیب ہو اور ہمیں خدا پھر قادیان لے جائے- ہم حضرت اماں جان کو وہاں لے جا کر حضرت مسیح موعود کے پہلو میں لٹا کر اپنے فرض سے سبکدوش ہوں- میری پیاری اماں جان کی روح خوش ہو جائے- میں نے خواب میں، آپ کو بڑے درد کے ساتھ پکارتے ہوئے سنا ہے کہ ''مجھے قادیان پہنچاؤ- مجھے قادیان پہنچاؤ'' ہم مجبور ہیں بجز، دعا کے اب کوئی چارہ نہیں- قادیان میں رہنے والوں پر بھی خصوصاً یہ دعا کرنا فرض ہونا چاہیئے- مجھے امید ہے کہ درویش بھائی اس دعا پر بھی آئندہ خاص طور پر زور دیں گے-''

والسلام

مبارکہ

(مصباح دسمبر ۷۷ جنوری ۷۸ صفحہ ۲۶، ۲۷)

آپ نے اپنے جذبات کے اظہار کے ساتھ، درویشان قادیان کے جذبات فراق در حضرت مصلح موعود اور دیگر بزرگان دین کی مناسبت سے ''فغانِ درویش'' نظم کہی جس میں ان نازک جذبات کا اظہار فرمایا ؎

جو دور ہیں، وہ پاس ہمارے کب آئیں گے
دل جن کو ڈھونڈتا ہے، وہ پیارے کب آئیں گے

کب راہ ان کی، تیرے فرشتے کریں گے صاف
کب ہوں گے، واپسی کے اشارے؟ کب آئیں گے
کہتا ہے رو کے دل، شب تاریک ہجر میں
وہ ''مہر و ماہتاب'' تمہارے کب آئیں گے

(درعدن صفحہ ۴۶ تا ۴۸)

آپ نے اہل قادیان کے نام پیغام، نثر کے علاوہ نظم میں بھی حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ امیر جماعت قادیان کی درخواست پر اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی تحریک پر بھیجا- اس نظم کو نہایت درجہ قبولیت حاصل ہوئی- کیونکہ اس کا ایک ایک لفظ اپنے پیارے مسیح موعود کی پیاری بستی قادیان کے فراق و محبت میں لکھا گیا تھا ۔

خوشا نصیب، کہ تم قادیان میں رہتے ہو
دیار مہدی آخر زماں میں رہتے ہو
فرشتے ناز کریں، جس کی پہرہ داری پر
ہم اس سے دور ہیں، تم اس مکاں میں رہتے ہو
شبیں جہاں کی، ''شب قدر'' اور دن عیدیں
جو ہم سے چھوٹ گیا، اس جہاں میں رہتے ہو
تمہارے دم سے ہمارے گھروں کی آبادی
تمہاری قید پہ، صدقے ہزار آزادی

(درعدن صفحہ ۴۱،۴۲)

اس نظم کے الفاظ میں ایسا جذب و اثر ہے کہ وہ نسل جس نے قادیان کو نہیں دیکھا وہ بھی قادیان کیلئے تڑپتی ہے اور یہ نظم زبان زد عام ہوگئی ہے-

# حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی دینی خدمات

تاریخ لجنہ سے، حضرت سیدہ بیگم صاحبہ کی دینی خدمات کو تاریخی ریکارڈ کیلئے محفوظ کیا جا رہا ہے۔

حضرت مسیح موعود کی صاحبزادی سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ لجنہ اماء اللہ کی ابتدائی چودہ ممبرات میں شامل تھیں۔

(تاریخ لجنہ جلد اول صفحہ ۷۰)

گویا لجنہ اماء اللہ کو ابتدا ہی سے آپ کی سرپرستی حاصل رہی۔ شادی کے بعد آپ کا قیام اکثر قادیان سے باہر مالیر کوٹلہ رہا لیکن جب قادیان تشریف لاتیں تو لجنہ اماء اللہ کے کاموں میں حصہ لیتیں اور مفید مشورے دیتی رہیں جیسا کہ آپ فرماتی ہیں کہ ”امتہ الحی ہر کام سے پہلے اس سلسلہ میں مجھ سے مشورہ کر لیا کرتی تھیں۔“

(تاریخ لجنہ جلد چہارم صفحہ ۵۰۶)

آپ نے خواتین کے جلسہ ہائے سالانہ اور جلسہائے یوم مصلح موعود کی صدارتیں کیں۔

سنہ ۱۹۲۴ء کے جلسہ سالانہ پر پہلے دن کے دوسرے جلسے اور تیسرے دن کے دوسرے جلسے کی۔

(تاریخ لجنہ جلد اول صفحہ ۱۴۳)

سنہ ۱۹۲۴ء کے جلسہ سالانہ پر حضرت اماں جان کے زیر نگرانی آپ کو بھی خصوصیت سے کام کی توفیق ملی۔

(تاریخ لجنہ جلد اول صفحہ ۱۴۵)

۱۹۲۵ء کے جلسہ سالانہ پر خواتین کے ایک جلسے کی صدارت کی۔
(تاریخ لجنہ جلد اول صفحہ ۱۷۱)
جلسہ سالانہ ۱۹۳۳ء کے تمام جلسے کی کاروائی بیگم صاحبہ کی زیر صدارت انجام پائی۔
(تاریخ لجنہ جلد اول صفحہ ۳۱۹)
جلسہ سالانہ ۱۹۴۲ء کے دوسرے دن کے اجلاس کی صدارت آپ نے فرمائی۔
(تاریخ لجنہ جلد اول صفحہ ۵۱۴)
جلسہ سالانہ ۱۹۴۵ء کے پہلے دن کے اجلاس کی صدارت فرمائی۔
(تاریخ لجنہ جلد اول صفحہ ۵۸۶)
جلسہ سالانہ ۱۹۴۶ء کے پہلے دن کے اجلاس کی صدارت آپ نے فرمائی۔
(تاریخ لجنہ جلد اول صفحہ ۶۱۲)
جلسہ سالانہ ۱۹۵۴ء کے پہلے روز کے جلسے کی صدارت آپ نے فرمائی۔
(تاریخ لجنہ جلد دوم صفحہ ۳۸۳)
جلسہ سالانہ ۱۹۵۶ء دوسرے روز کے جلسے کی آپ نے صدارت فرمائی۔
(تاریخ لجنہ جلد دوم صفحہ ۴۴۸)
لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کے اجتماع منعقدہ ۱۹۶۰ء کے پہلے اجلاس کی صدارت بیگم صاحبہ نے پر سوز لمبی دعا کے بعد فرمائی اور تیسرے روز ناصرات اور لجنات کو انعامات اپنے دست مبارک سے تقسیم کئے اس کے بعد آپ نے دعا کروائی۔
(تاریخ لجنہ جلدسوم صفحہ ۵۰ تا ۶۴)
لجنہ اما اللہ مرکزیہ کے سالانہ اجتماع ۱۹۶۱ء کے موقعہ پر بیگم صاحبہ نے ''ذکر حبیب'' کے موضوع پر تقریر فرمائی۔
(تاریخ لجنہ جلدسوم صفحہ ۵۲۴)

زنانہ جلسہ سالانہ ۱۹۶۱ء پر حضرت سیدہ بیگم صاحبہ نے افتتاحی خطاب فرمایا جس میں اس جلسہ کی اہمیت اور برکات بتائیں۔

(تاریخ لجنہ جلد سوم صفحہ ۱۲۲)

سالانہ اجتماع لجنہ اماء اللہ ۱۹۶۲ء زیر صدارت حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ شروع ہوا۔ آپ نے اخلاق فاصلہ اپنانے پر اہم نصائح فرمائیں۔

(تاریخ لجنہ اماء اللہ جلد سوم صفحہ ۱۴۸ - ۱۵۰)

۱۹۶۲ء کے زنانہ جلسہ سالانہ کے افتتاحی اجلاس کی صدارت کی اور افتتاحی تقریر فرمائی۔

(تاریخ لجنہ جلد سوم صفحہ ۱۶۹)

۲ ستمبر ۱۹۶۳ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی وفات ہوئی آپ کی وفات پر آپ کی ہمشیرہ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے آپ کے اوصاف حسنہ پر مضمون لکھا۔

(تاریخ لجنہ جلد سوم صفحہ ۱۸۵ء)

زنانہ جلسہ سالانہ ۱۹۶۳ء کے افتتاحی اجلاس کی صدارت حضرت بیگم صاحبہ نے کی اور افتتاحی خطاب فرمایا جس میں خواتین کو خلافت سے محبت اور وفا کی نصیحت فرمائی۔

(تاریخ لجنہ جلد سوم صفحہ ۲۳۲)

سالانہ اجتماع ۱۹۶۴ء کے موقع پر حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا نہایت ایمان افروز مضمون سنایا گیا جس میں آپ نے احمدی مستورات کو مفید اور بیش بہا نصائح سے نوازا اور انہیں ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔

(تاریخ لجنہ جلد سوم صفحہ ۲۵۵)

جلسہ سالانہ ۱۹۶۴ء کے پہلے روز حضرت بیگم صاحبہ نے صدارت فرمائی اور

افتتاحی خطاب فرمایا- تیسرے روز اختتامی خطاب بھی فرمایا- چونکہ جنگ کی وجہ سے سالانہ اجتماع نہیں ہوا تھا اس لئے اول دوم سوم آنے والی لجنات کو بیگم صاحبہ نے اپنے دست مبارک سے انعامات بھی تقسیم فرمائے-

(تاریخ لجنہ جلد سوم صفحہ ۳۳۴ تا ۳۴۸)

مئی ۱۹۶۶ء کو لجنہ لاہور نے سیرۃ النبی ﷺ کا اجلاس کیا جس میں حضرت سیدہ چھوٹی آپا صاحبہ نے تقریر کی اور حضرت سیدہ بیگم صاحبہ نے دعا کروائی-

(تاریخ لجنہ جلدسوم صفحہ ۳۷۶)

جلسہ سالانہ احمدی خواتین ۱۹۶۶ء جو ۲۶ تا ۲۸ جنوری ۱۹۶۷ء کو منعقد ہوا- پہلے دو روز کے اجلاس حضرت بیگم صاحبہ کی زیر صدارت منعقد ہوئے-

(تاریخ لجنہ جلد سوم صفحہ ۴۲۱)

جلسہ سالانہ جنوری ۱۹۶۸ء کو منعقد ہوا- ایک جلسہ کی صدارت کے فرائض حضرت سیدہ بیگم صاحبہ نے ادا کئے-

(تاریخ لجنہ جلد سوم صفحہ ۵۳۰)

فضل عمر تعلیم القرآن کلاس ۱۷ جولائی ۱۹۶۸ء میں حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے ''ذکر حبیب'' کے موضوع پر طالبات سے خطاب فرمایا-

۳۰ جولائی کو کلاس کی الوداعی تقریب حضرت سیدہ کی زیر صدارت منعقد ہوئی-

(تاریخ لجنہ جلد سوم صفحہ ۵۴۶)

سالانہ اجتماع ۱۹۶۸ء کے موقع پر آپ کی تقریر ''ذکر حبیب'' جو آپ نے خاص اس موقع کے لئے لکھ کر بھجوائی تھی حضرت سیدہ چھوٹی آپا صاحبہ نے پڑھ کر سنائی-

(تاریخ لجنہ جلدسوم ۵۵۹)

لجنہ اماء اللہ کے بچاس سال مکمل ہونے پر لجنہ کے جشن پچاس سالہ ستمبر ۱۹۷۲ء کے موقع پر سیدہ بیگم صاحبہ کی تقریر ذکر حبیب کے موضوع پر آپ کی ناسازی

طبع کی وجہ سے حضرت سیدہ چھوٹی آپا صاحبہ نے پڑھ کر سنائی۔

(تاریخ لجنہ جلد چہارم صفحہ ۳۰)

۱۹۷۳ء کے جلسہ سالانہ پر ''ذکر حبیب'' کے موضوع پر حضرت سیدہ کی تقریر حضرت سیدہ چھوٹی آپا صاحبہ نے پڑھ کر سنائی۔

(تاریخ لجنہ جلد چہارم صفحہ ۲۲۰)

## جلسہ ہائے سیرۃ النبی ﷺ اور یوم مصلح موعود کی صدارتیں

۱۹۳۶ء میں قادیان کا جلسہ سیرۃ النبی ﷺ حضرت سیدہ کی زیر صدارت منعقد ہوا۔

(تاریخ لجنہ جلد اول ۳۸۹)

۳۱ اکتوبر ۱۹۳۷ء تمام ہندوستان میں جلسہ سیرۃ النبی کا دن تھا۔ اس دن قادیان کا جلسہ حضرت سیدہ بیگم صاحبہ کی زیر صدارت حضرت سیدہ ام طاہر صاحبہؓ کے گھر منعقد ہوا۔

(تاریخ لجنہ جلداول صفحہ ۴۰۷)

۱۱ دسمبر ۱۹۳۸ء جلسہ سیرۃ النبی ﷺ کی تاریخ مقرر کی گئی۔ اس دن برکت علی ہال لاہور میں لجنہ اماء اللہ لاہور نے بیگم صاحبہ کی زیر صدارت جلسہ منعقد کیا۔

(تاریخ لجنہ جلد اول صفحہ ۴۰۷)

۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کو قادیان کا جلسہ مصلح موعود لجنہ قادیان نے نصرت گرلز اسکول میں بیگم صاحبہ کی زیر صدارت منعقد کیا۔

(تاریخ لجنہ جلد اول صفحہ ۶۱۷)

۱۹۴۹ء میں لجنہ اماء اللہ لاہور کا جلسہ یوم مصلح موعود حضرت بیگم صاحبہ کی زیر

صدارت منعقد ہوا۔

(تاریخ لجنہ جلد دوم صفحہ ۱۰۴)

۱۹۵۱ء میں لاہور میں زیر صدارت حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ جلسہ یوم مصلح موعود منایا گیا۔

(تاریخ لجنہ جلد دوم صفحہ ۲۹۱)

۱۹۶۷ء میں آپ کا اپنی تعلیم کے بارے میں ایک مضمون جو حضرت چوہدری علی محمد صاحب بی اے بی ٹی اسسٹنٹ ایڈیٹر ریویو کی درخواست پر آپ نے لکھا تھا۔ شائع ہوا۔ یہ ایک تاریخی تحریر ہے۔

(تاریخ لجنہ جلد چہارم صفحہ ۲۸۹)

## مختلف دینی مساعی

### حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی مختلف دینی مساعی

حضرت سیدہ علاج کیلئے دہلی تشریف لے گئی تھیں۔ آپ کی صدارت میں لجنہ اماء اللہ دہلی کا قیام عمل میں لایا گیا بیگم حسن زمانی صدر اور بیگم شفیع سکریٹری مال بنائی گئیں۔

(تاریخ لجنہ جلد اول صفحہ ۲۰۵)

۱۹۳۸ء میں حضرت مصلح موعود کے ساتھ آپ اس تاریخی سفر میں شامل تھیں جو سندھ، کراچی، بمبئی، حیدرآباد دکن، آگرہ اور دہلی کا تھا ان سفروں سے متعلق حضور کی ''سیر روحانی'' کی تقاریر ہوئیں جن کا سلسلہ ۱۹۳۸ء سے شروع ہو کر وقفوں کے ساتھ ۱۹۵۸ء تک جاری رہا۔

(تاریخ لجنہ جلد اول صفحہ ۴۲۹)

۱۹۳۹ء میں خلافت جوبلی کی تقریب کے لئے لوائے احمدیت کی منظوری عطا

فرماتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ارشاد فرمایا ''حضرت مسیح موعود کے مخصوص رفقا سے پیسہ پیسہ دھیلہ دھیلہ لے کر اس سے روئی خریدی جائے اور (رفقات) کو دیا جائے کہ وہ اس کو کاتیں اور اس سوت سے (رفیق) درزی کپڑا تیار کریں۔''

(رپورٹ مجلس مشاورت صفحہ ۶۳)

چنانچہ ''یہ سوت حضرت سیدہ ام طاہر صاحبہ کے زیر انتظام حضرت اماں جان کے ساتھ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے بھی کاتا۔ یہ سوت کل ۴۸ (رفقات) نے کاتا۔

(تاریخ لجنہ جلد اول صفحہ ۴۵۰)

۱۹۴۶ء میں ہندوستان میں انگریز حکومت نے انتخابات کروائے۔ حضرت مصلح موعود کا ارشاد تھا کہ ہر احمدی انتخاب میں حصہ لے کر مسلم لیگ کو کامیاب کرے۔ قادیان میں مسلم لیگ کی سیٹ سے حضرت فتح محمد سیال صاحب کھڑے ہوئے تھے احمدی خواتین کو ووٹ ڈالنے کی تربیت دی گئی۔ اور انتخاب کے دن مختلف مقامات پر ووٹ ڈالے گئے۔ ایک پولنگ اسٹیشن پر، اور احمدی خواتین کے ساتھ حضرت سیدہ بیگم صاحبہ نے بھی صبح سے شام تک کھڑے ہو کر احمدی خواتین سے اپنی نگرانی میں ووٹ ڈلوائے۔

(مصباح خاص نمبر ۷۷)

حضرت مصلح موعود نے ۱۹۴۸ء کا رمضان کوئٹہ میں گزرا اور سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ آپ کے ہمراہ تھیں۔ آپ نے کوئٹہ کی لجنہ کے اکثر جلسوں کی صدرات کی۔

(تاریخ لجنہ دوم صفحہ ۹۰)

۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۹ء میں حضرت سیدہ بیگم صاحبہ نے جامع نصرت ربوہ کے جلسہ تقسیم اسناد و انعامات کی صدارت فرمائی اور انعامات تقسیم کئے۔

(تاریخ لجنہ جلد دوم صفحہ ۲۶۱ تا ۲۶۶)

۱۹۶۶ء میں مجلس خدام الاحمدیہ نے لوائے احمدیت کے سینے کیلئے وہ کپڑا بھجوایا (جس کیلئے کپاس رفقا حضرت مسیح موعود نے بوئی تھی اور جس کو کاتنے کی سعادت حضور کی (رفقات) کو حاصل ہوئی تھی۔ پھر حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے ساتھ ۱۹ رفقات کو اس کے سینے اور تیار کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

(تاریخ لجنہ جلد سوم صفحہ۴۲۴)

تاریخ لجنہ اماء اللہ جلد سوم جو جشن پنجاہ سالہ کے موقع پر تیار ہوئی تھی۔ حضرت سیدہ چھوٹی آپا صاحبہ کی درخواست پر اس کا ''تعارف'' حضرت سیدہ بیگم صاحبہ نے تحریر فرمایا۔

(تاریخ لجنہ جلد سوم صفحہ ابتدائی)

# آپ کی مالی قربانی

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ لازی چندہ جات کے علاوہ بھی خداتعالی کے فضل و کرم سے خلفاء کی فرمودہ چندوں کی تمام تحریکوں میں نمایاں حصہ لیتیں بلکہ وقتی طور پر جو تحریکیں کی جاتیں خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی، آپ ان میں بھی نمایاں طور پر شامل ہوتیں چنانچہ برلن کی مسجد کیلئے چندے کی تحریک، میں آپ نے خواتین کی اکثریت سے بڑھ کر ۱۹۲۳ء میں ایک ہزار روپے دیئے۔

(تاریخ لجنہ جلد اول صفحہ ۹۰)

۱۹۲۳ء میں ہی ملکانہ میں شدھی کی روک تھام کیلئے چندے کی تحریک حضور نے فرمائی اور اس میں بھی بیگم صاحبہ نے دوسو روپے چندہ دیا جو نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔

(تاریخ لجنہ جلد اول صفحہ ۱۰۹)

۱۹۳۳ء میں نظارت ضیافت نے جلسہ سالانہ کیلئے لنگر خانہ مسیح موعود کیلئے دیگوں کی تحریک کی اس میں بھی بیگم صاحبہ نے ایک دیگ کا تحفہ پیش کیا۔

(تاریخ جلداول صفحہ ۳۱۶)

۲۴ مارچ ۱۹۴۴ء کو حضرت مصلح موعود نے جماعت سے ایک اہم مالی تحریک تعلیم الاسلام کالج کیلئے ڈیڑھ لاکھ روپے کی فرمائی۔ اس میں حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے پانچ سو روپے چندہ دیا۔

(تاریخ لجنہ جلداول صفحہ ۵۵۴)

۲ دسمبر ۱۹۴۴ء کو حضور نے جماعت سے سلسلہ احمدیہ کے لئے اپنی جائدادیں وقف کرنے کا مطالبہ فرمایا۔ احباب جماعت نے لبیک کہا اور حضرت سیدہ بیگم صاحبہ نے

تو اپنی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائداد وقف کیلئے پیش کر دی۔

(تاریخ لجنہ جلداول صفحہ ۵۴۷)

بہشتی مقبرے میں تدفین کیلئے حضرت مسیح موعود نے رسالہ الوصیت صفحہ نمبر ۲۹ پر تحریر فرمایا ہے کہ ''میری نسبت اور میرے اہل و عیال کی نسبت خداتعالی نے استثناء رکھا ہے'' یعنی وہ بغیر چندہ وصیت ادا کیے ہوئے بھی بہشتی مقبرے میں دفن ہوں گے حضرت نواب عبداللہ صاحب تحریر کرتے ہیں ''میری والدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ بھی ۱/۱۰ چندہ ادا کرتی ہیں (حالانکہ وہ نظام وصیت سے مستثنیٰ ہیں)

(اصحاب احمد جلد۱۲ صفحہ ۷۶)

# حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ

## بحیثیت صدر لجنہ اماء اللہ لاہور

تقسیم ملک کے بعد ایک لمبا عرصہ ۱۹۵۸ء تا ۱۹۶۷ء آپ لجنہ اماء اللہ لاہور کی صدر رہیں اور حضرت مصلح موعود کے وصال کے بعد آپ مستقل طور پر ربوہ میں رہائش پذیر ہوئیں اس طرح تقریباً، دس سال لجنہ اماء اللہ لاہور کو آپ کی سر پرستی حاصل رہی۔ باوجود کمزوری صحت کے آپ لجنہ اماء اللہ لاہور کی مجلس عاملہ کی صدارت فرماتیں اور اپنے مفید مشوروں سے ان کو نوازتیں۔ اگر کسی موقع پر اجلاس میں شرکت نہ کرسکتیں تو رپورٹ پڑھ کر اپنی رائے سے ان کو آگاہ کرتیں۔ لجنہ اماء اللہ کی عہدہ داران نے آپ کی سر پرستی سے بہت فیض پایا بہت کچھ سیکھا اور آپ کی ہدایت کی روشنی میں کام کرتے ہوئے ترقی کی منزل کی طرف اپنے قدم بڑھائے۔

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے، صدر ہوتے ہی، خاص تاکید اس امر کی فرمائی کہ حلقہ جات کے اجلاسوں میں، التزام کے ساتھ حضرت مسیح موعود کی کتب کے منتخب حصے باقاعدگی کے ساتھ پڑھے جائیں۔ ممبرات کو سمجھایا جائے کہ نبی کی زندگی کے بعد اس کی تعلیم ہی باقی رہ جاتی ہے جس کو زندہ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی تعلیم کو بار بار پڑھا جائے اور رائج کیا جائے۔

۱۹۶۰ء تا ۱۹۶۱ء میں، ایک حلقہ کی صدر کی، وفات کی وجہ سے ممبرات لجنہ بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے اختلاف کا شکار ہو گئیں اور ڈر تھا کہ اس حلقہ میں اتحاد قائم نہ رہے۔ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے اس حلقہ کی اس کمزوری کو بھانپا اور اس

امر کی اصلاح کیلئے اس حلقہ کی ممبرات کے نام ذیل کا پیغام بھجوایا-

''آپ لوگوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر دینی کام محض اللہ کیلئے کرنا ہے- یہ انجمن کوئی سیاسی انجمن نہیں ہے- ذاتیات اور آپس کے نفاق کو بھول کر محض اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے کام کرنے کو تیار ہونا چاہیئے نہ کہ دینوی عہدہ اور وجاہت کیلئے- خدا تعالیٰ آپ سب کے قلوب کی اصلاح کرے اور جماعت کو شماتت اعداء سے محفوظ رکھے- آمین- مبارکہ

چنانچہ آپ کے اس مختصر سے پیغام کا بہنوں نے بہت نیک اثر قبول کیا اور اس حلقہ کی اصلاح ہو گئی- حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے شعبہ خدمت خلق کی طرف خصوصی توجہ فرمائی اور اس امر کی تحریک فرمائی کہ سوال کی عادت سے پرہیز فرمائیں اور محنت کر کے روزی پیدا کرنے کی کوشش کریں- چنانچہ مجلس عاملہ مرکزیہ اور سیکرٹری شعبہ خدمت خلق کو جو خصوصی ہدایت آپ نے اپنے قلم سے لکھ کر دیں وہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں-

''جو رقم بھی امداد غربا کیلئے جمع کرے اس کو بطور خود تقسیم کر دینے کا اس کو ہرگز اختیار نہ ہو گا- رقم کا حساب باقاعدہ تحریر ہو اور قابل امداد اشخاص کے نام پیش کر کے (جس کی تصدیق سیکرٹری خدمت خلق اور صدر حلقہ اور سیکرٹری، غرض تین ہستیوں کے دستخط دیانت دارانہ ہوں) پھر بعد اجازت مدد دی جائے- اگر ایسا موقع ہو کہ کسی کو فوری ضرورت ہے تو اسی طرح تین دستخطوں کے ساتھ تحریری اجازت آ کر صدر یا نائب صدر یا جنرل سیکرٹری سے لے کر پھر دیا جائے-

اور خیرات میں مدنظر رکھیں کہ اپنے احمدی بہن بھائیوں کو محض صدقہ خور بنا کر ذہنیت خراب کرنا اور ان کے وقار کو گرانا ہمارا کام نہیں- رسول کریم ﷺ نے بھی سوال کرنے والے کو نصیحت فرمائی کہ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے- سوال سے حتی الامکان پرہیز کرو- خیال ان کا زیادہ رکھیں، جو مانگتے نہیں مگر حقدار و ضرورت مند ہیں-

اس تحقیق کی زیادہ ضرورت ہے اور یہی بڑا کام خدمت خلق کا اصول ہے- غریب جو کام کرنے کے قابل ہیں ان میں کام کرنے کی تحریک کریں کہ محنت اور کام کر لینا مانگنے سے ہزار درجہ زیادہ باعزت ہے- ضرورت مندوں کی حاجتیں ضرور پوری ہوں مگر ایسا نہ ہو کہ یہ پیشہ بن جائے اور ہماری قوم خدانہ کرے بھک منگی ہو جانے میں شرم محسوس نہ کرے-

نیک نصیحت میں نرم الفاظ سے کام لیں اور ایسی مدد کریں کہ مستقل کام کا راستہ ان کیلئے کھلے- غریب بچوں کی تعلیم کا سلسلہ یا بیماروں کی مدد اور بات ہے-''

اس طرح غریب لڑکیوں کی شادی پر جہیز وغیرہ میں مالی امداد دینے کے متعلق حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے ممبرات کو ہدایت فرمائی کہ:-

''تمام احمدی بہنیں اس طرح اشیاء جمع کریں کہ جس احمدی گھرانے میں شادی ہو اس سے اس کی حیثیت کے مطابق شادی فنڈ کے طور پر کوئی برتن، کپڑوں کا جوڑا، پراندہ، ازار بند، موزے، جوتا اور زیور وغیرہ لے کر جمع کرتی رہیں اور بوقت ضرورت غرباء کی بچیوں کی شادی پر تحفتہً دے دیں-''

اسی طرح شعبہ صنعتی نمائش کے متعلق حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے مندرجہ ذیل ہدایات تحریر فرمائیں:-

''نمائش کیلئے آئیندہ میری رائے ہے کہ ہر ایک بہن یہاں سے، ایسی چیز لے جائے بنا کر، خواہ بنوا کر، جو اگر نہ بکے تو خود اس کے گھر میں کام آ سکے یا جس کی اس کو ضرورت ہو- فروخت ہونے پر چیز کی اصل قیمت مالک کو دے دی جائے- نہ بکے تو اپنے گھر میں رہے- لجنہ پر کوئی بار آئندہ نہ ہو- اگر دوسو بیویاں بھی ایک ایک چیز لے جایا کریں گی تو دوسو چیزیں، بغیر خطرہ، بغیر بوجھ اچھی سے اچھی بن سکتی ہیں- بے شک تین ماہ پہلے تحریک اور یاد دہانی سب میں بلکہ محلّہ وار ہر اجلاس میں کر دی جائے-''

(تاریخ لجنہ جلد سوم صفحہ ۹)

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی صدارت میں لجنہ اماء اللہ لاہور نے نمایاں ترقی کی اگر آپ کسی وجہ سے اجلاسوں میں شرکت نہ کرسکتیں تو اجلاس کا ایجنڈا آپ کی خدمت میں بھجوا دیا جاتا ہے- اپریل ۱۹۶۳ء میں لجنہ اماء اللہ لاہور کے دفتر کا باقاعدہ قیام آپ کے زمانہ صدارت میں ہوا-

صاجزادی امتہ العزیز بیگم صاحبہ، بیگم صاجزادہ مرزا حمید احمد صاحب جو آپ کے بعد لجنہ لاہور کی صدر بنائی گئیں تحریر کرتی ہیں-

''میری امی جان ام ناصر کی وفات کے بعد میرے عمو صاحب حضرت صاجزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے پھوپھی جان سے کہا کہ ام ناصر کی وفات سے لجنہ میں خلا سا پیدا ہو گیا ہے بہتر ہے آپ ربوہ آ جائیں- چنانچہ آپ ربوہ تشریف لے آئیں- پھر تو ہر طبقے کی خواتین پھوپھی جان کے پاس دعا اور مشورے کیلئے بلاتکلف چلی آتی تھیں- آپ کے آنے سے ربوہ کی رونق بڑھ گئی-''

(ذاتی تحریر)

''غرض لاہور میں آپ کا قیام وہاں کی مستورات کیلئے بہت بابرکت ثابت ہوا- ربوہ تشریف لانے کے بعد آپ لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کی اعزازی ممبر بنیں اور مجلس عاملہ کے اجلاسوں میں اکثر شرکت فرماتیں اور اپنے مشوروں سے نوازتیں-''

(تاریخ لجنہ جلد سوم صفحہ ۷ تا ۱۰)

# آپ کا اعلیٰ علمی ادبی ذوق

حضرت سیدہ نواب مبارکہ صاحبہ کا علمی و ادبی ذوق نہایت بلند تھا- حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالی بنصرہ العزیز بھی فرماتے ہیں- ''ہم نے اپنے گھر میں دیکھا ہے کہ حضرت چھوٹی پھوپھی جان اور حضرت بڑی پھوپھی جان کی دنیا کے لحاظ سے بہت معمولی تعلیم، نہ ہونے کے باوجود، ایسی روشن دماغ تھیں ایسا وسیع مطالعہ تھا کہ اکثر مجھے یاد ہے جب بھی گئے ان کے ہاتھوں میں کتابیں ہی دیکھیں بات کرنے لگے تو کتاب دہری کرکے رکھ دی- تاکہ جب باتیں ختم ہوں تو پھر کتاب اٹھا لیں اور اس کے نتیجہ میں ان کی زبان میں جلا تھی-''

(بحوالہ حوا کی بیٹیاں اور جنت نظیر معاشرہ صفحہ ۱۵۰ حضور کے خطابات جلسہائے سالانہ جرمنی و کینیڈا)

حضرت سیدہ چھوٹی آپا صاحبہ آپ کے ادبی ذوق کے بارے میں تحریر فرماتی ہیں-

''آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت بھی عطا فرمائی تھی کہ آپ نہایت پاکیزہ ادبی ذوق رکھتی تھیں- آپ کا منظوم کلام نہایت لطیف اور سراسر روحانیت سے لبریز ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت بلند ادبی شان کا بھی حامل ہے نظم کی طرح نثر میں بھی آپ کی ایک مخصوص اور منفرد طرز نگارش تھی- آپ کی شاعری نفیس، پاکیزہ، شگفتہ، سوز و گداز اور روحانیت سے معمور تھی جو درحقیقت حضرت مسیح موعود کی پرسوز دعاؤں کا اثر اور حضرت اماں جان کی حسن تربیت کا فیض تھا- آپ کے اشعار کا مجموعہ درعدن شائع ہو چکا ہے- آپ کی ایک ایک نظم پڑھنے والے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور رسول

کریم ﷺ سے عشق کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ بعض نظمیں جو آپ نے اپنے بچوں کیلئے لکھی ہیں وہ بھی نصائح سے پر ہیں۔ جن سے احمدی خواتین اور بچیوں کو فائدہ اٹھانا چاہیئے۔''

(تاریخ لجنہ جلد چہارم صفحہ۵۰۵)

آپ کی بیٹی آپا محمودہ بیگم صاحبہ تحریر کرتی ہیں۔

''امی جان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ ہر قسم کی کتب پڑھتی تھیں۔ شاعری بھی کمال کی تھی اور بے ساختہ تھی، مجھے حیرت ہوتی تھی۔ جب اردو کی بعض کورس کی کتابیں مجھے پڑھائیں، تب مجھے پتہ لگا کہ کتنا وسیع علم ہے۔ انگریزی بھی تھوڑی کبھی کسی سے پڑھی کبھی کسی سے اور اچھی خاصی کتابیں پڑھ لیتی تھیں عربی اور فارسی بھی خوب آتی تھی۔'' (ذاتی تحریر)

استانی حمیدہ صابرہ کہتی ہیں کہ

''آپ علم و ادب کا بحر تھیں فرمایا کرتی تھیں کہ قرآن کریم پڑھتے ہوئے کسی لفظ کے ترجمہ کے متعلق طبیعت رکتی ہے تو میں لغت دیکھتی ہوں اور وہی معنے درست ہوتے ہیں جو میں سمجھتی ہوں۔ کوئی کتاب پسند آجائے، تو مجھے پڑھنے کیلئے اکثر مرحمت فرماتیں۔ کبھی میں پیش کر دیتی۔ اس بات کا خاص خیال فرماتیں کہ کسی کی کتاب ادھر اُدھر نہ ہو جائے۔''

(مصباح خاص نمبر صفحہ۳۷)

بچپن میں راقمتہ الحروف اپنی والدہ بیگم شفیع مرحومہ کے ساتھ کئی مرتبہ حضرت اماں جان نور اللہ مرقدھا کے پاس گئی۔ چھوٹی تھی مگر آپ کی باتیں آپ کا پر شفقت سلوک مجھے ہمیشہ یاد رہتا ہے اسی جذبہ کو مزید تسکین دینے کیلئے میری تمنا رہی کہ حضرت اماں جان کی صاحبزادیوں سے زیادہ سے زیادہ ملوں جن میں مجھے آپ کا عکس نظر آتا اور حضرت سیدہ بیگم صاحبہ میں تو حضرت اماں جان کی بہت مشابہت تھی شکل وصورت

میں بھی عادات اور اوصاف میں بھی- خواتین جماعت سے وہی ہمدردی اور خیر خواہی، وہی خوف خدا، وہی دعاؤں کی کثرت- وہی بے ساختہ انداز بیان وہی پرانی تہذیب و تمدن، ادب و آداب کی پسندیدگی وہی پہناوا وہی نشست و برخواست لاہور کے قیام میں مجھ سے فرماتیں نسیم سعید اچھی ہلکی پھلکی اردو کی کتابیں لا کر دو، جو فضول نہ ہوں اکثر خواتین مصنفوں کی کتابیں منگواتیں- میں کالج کی لائبریری سے کتابیں لاتی، بعض آپ نے پڑھی ہوئی ہوتی تھیں لیکن زبان و بیان کی شگفتگی کی وجہ سے پھر رکھ لیتیں کہ ان میں اردو محاورہ بہت اچھا ہے- فرماتی تھیں کہ تفاسیر اور حضرت مسیح موعود کی کتب پڑھتے پڑھتے جب تھک جاتی ہوں تو ان کتابوں کو کہیں کہیں سے دیکھ لیتی ہوں-

آپ کو انگریزی زبان میں بھی کافی مہارت تھی راقمۃ الحروف کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں مالیر کوٹلہ میں تھی تو انگریزی پڑھنے کا شوق ہوا اور تھوڑے ہی عرصہ میں انگریزی سیکھ لی- پھر فلاں فلاں کتابیں میں نے پڑھیں، اب تو صحت اور نظر کی کمزوری کی وجہ سے نہیں پڑھ سکتی کیونکہ انگریزی کی کتابیں باریک حروف میں ہوتی ہیں-

بی بی شکری تحریر کرتی ہیں-

بڑی امی کو مطالعہ کا بہت ذوق تھا اور گو باقاعدہ سکول کالج میں تعلیم نہیں پائی تھی- انگریزی زبان پر بھی آپ کو خاصہ عبور تھا- انگریزی ادب بڑے شوق سے پڑھتی تھیں- جب میں، اس عمر کو پہنچی کہ انگریزی ادب کا مطالعہ کر سکوں، تو مجھے پہلے پہل، کچھ انگلش کی کتابیں پڑھنے کیلئے دیں- میری عمر اس وقت ۱۳ یا ۱۴ سال تھی-

میری اور بڑی امی کی دوستی اس وقت پکی پکی ہو گئی جب ہم نے ایک دوسرے سے کتابیں ایکسچینج کر کے پڑھنی شروع کیں- بس ان کی ایک شرط ہوتی کہ صفحہ نہیں موڑنا- پڑھتے ہوئے کتاب اوندھی کر کے نہیں رکھنی، خراب ہو جاتی ہے وغیرہ وغیرہ- جب ۱۰۸-سی ماڈل ٹاؤن چھوڑ کر میں جہلم گئی تو میری ساری کتابیں اور رسالے

اپنے پاس رکھ لیے- ایک لکڑی کی الماری خالی کروائی اور اس میں طریقے سے ساری کتابیں وغیرہ رکھ کر تالہ لگا دیا اور کہنے لگیں کہ یہ تمہاری امانت ہیں ،میرے پاس- اور مجھ سے پوچھنے لگیں کہ ''مجھے پڑھنے کی تو اجازت ہے نا؟'' میں نے کہا کیوں نہیں بڑی امی آپ کے لیے تو چھوڑ رہی ہوں- مجھے جہلم خط ملا کہ ''گوگی (خالہ بے بی کا بیٹا) میرے پاس آیا ہوا ہے، وہ میرے سے کتابیں، پڑھنے کو مانگ رہا ہے اور کچھ انگلش کی جاسوسی کتابیں تم کہو تو اسے ایک ایک کر کے پڑھا دوں- خود لیکر رکھ دیا کرونگی-'' آپ کو کس قدر خیال تھا میری کتابوں کا-

آپ انگریزی بھی بول سکتی تھیں- یہاں ایک اور بات یاد آئی کہ انگریزی پڑھنے اور بولنے میں بہت فرق ہے- بڑی امی انگلش پڑھ سکتی ہیں یہ تو معلوم تھا لیکن اعتماد سے بول بھی لیں گی اس بات کی آج تک حیرت ہے-۱۹۶۱ء کی بات ہے کہ میری امریکن قلمی سہیلی پین فرینڈ Peggie لاہور آئی اور مجھے پہلے سے اطلاع دی- میں نے اسے پام ویو کا بڑی امی کا ایڈریس اور پام ویو کا فون نمبر بھی دیا- یہ طے ہوا کہ اس دن، ابا مجھے لاہور لے جائیں گے اس سے ملوائیں گے- لیکن tragedy یہ ہوئی کہ ابا کو بہت ضروری کام پڑ گیا اور ہم لاہور نہ جا سکے- لاہور پہنچ کر اس نے مجھے فون کیا- میں نے معذرت کر لی اس نے کہا کہ چلو اگر مجبوری ہے لیکن میں تمہاری نانی سے ضرور ملنا چاہوں گی- ان کے پاس تمہاری تصویریں ہونگی وہ دیکھوں گی اور ان سے مل کر تمہارے کلچر کا بھی اندازہ کرونگی- میں نے بڑی امی کو اطلاع کر دی، وقت وغیرہ بتا دیا- بڑی امی نے چائے پر اہتمام کیا، اور بڑی اچھی طرح اس سے ملیں اور جو سوال بھی وہ کرتی تسلی بخش انگلش میں جواب دیتیں- اس نے اپنے میاں سے ملانا چاہا تو بڑی امی نے پردے کا بتایا ، کہنے لگی کہ اچھا آپ جھانک کر اسے دیکھ لیں، پھر شکری کو بتائیں کہ کیسا ہے؟ پھر پردہ کے متعلق اس نے سوال کیئے- جس پر بڑی امی نے اسے سارا سمجھایا- اس کا، جانے کے بعد مجھے خط آیا- کہ مجھے تمہاری نانی کو مل کر اتنی خوشی

ہوئی کہ شاید تم سے مل کر بھی اتنی خوشی نہ ہوتی۔ کتنی پیاری اور اچھے اخلاق کی ہیں اور میں تو ان کی انگلش پر حیران تھی کہ وہ کیسے غیر زبان آرام سے بول لیتی ہیں۔ اور میرے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ نہ ہی وہ سکول، کالج میں پڑھی ہوئی ہیں اور نہ کبھی یورپ یا امریکہ گئی ہیں۔

تمہاری خالہ بھی انگلش بول لیتی ہیں لیکن تمہاری نانی تو بلا جھجک بول رہی تھیں۔

She is an amazing and wonderful woman. (ذاتی تحریر)

# طب سے لگاؤ

حضرت مسیح موعود اور حضرت مصلح موعود کی طرح آپ کو بھی طب سے دلچسپی تھی، تا کہ مخلوق خدا کیلئے، دعا اور دوا سے شفا کا ذریعہ بنیں- راقمتہ الحروف نے کتنی ہی مرتبہ ملاقاتوں کے دوران دیکھا- کوئی خاتون بیماری کا ذکر کرتی تو آپ تفصیل پوچھتیں اور دعاؤں کے ساتھ دوا بھی تجویز فرماتیں- احتیاط اور پرہیز بتاتیں- آپ کو عورتوں اور بچوں کی بیماریوں کے علاوہ دوسرے امراض کے کتنے ہی نسخے یاد تھے اور نسخوں کے ساتھ فرماتیں یہ نسخہ حضرت مسیح موعود کا ہے اور یہ حضرت خلیفہ اول کا- اور بعض اوقات ملنے والیاں آپ کا شکریہ ادا کر رہی ہوتیں کہ آپ نے جو دوا بتائی تھی اس سے بہت فائدہ ہوا- یا شفا ہوئی- کمزوری نظر، کمزوری دماغ، اولاد نرینہ- اٹھرا- خوبصورت بچے اور صحت مند بچے کی پیدائش- گھریلو ٹوٹکے، رنگ نکھرانے، دبلے ہونے، کپڑوں اور چیزوں کو کیڑے سے محفوظ رکھنے کے وغیرہ وغیرہ- کچھ نسخے میں نے بھی ملاقاتوں کے دوران سنے مزید تصدیق آپ کی بہو بیٹیوں بھانجیوں بھتیجیوں سے کی-

آپا محمودہ بیگم صاحبہ تحریر کرتی ہیں-

''طب سے لگاؤ تھا- کتابیں بھی ان کے کتب خانے میں تھیں- کسی حکیم کا کامیاب نسخہ ملا تو نوٹ کرلتیں- سرموں کے نسخے اور منجن کے کئی قسم کے نسخے وغیرہ، مجھے حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب نے ایک نسخہ حمل کے دوران دیا- وہ مجھے ہر بچے کی دفعہ کھلایا اور یوں بھی بتاتیں- بہت سے نسخے اب بھی حکیم خورشید احمد مرحوم کے دواخانہ خورشید یونانی دواخانہ ربوہ میں موجود ہیں- مثلاً گلاب کی عطر والی گولیاں وغیرہ- بچوں کو گرمی لگنے سے بچانے والے چھوٹے چھوٹے ٹوٹکے- اور پیٹ کی مختلف تکالیف کیلئے

بتاتی تھیں۔'' (ذاتی تحریر)

آپ کی بہو آپا طیبہ بیگم تحریر کرتی ہیں۔

''بچوں کے لئے دوائیاں ٹوٹکے سب انہی کے بتائے ہوئے ہیں۔ انہیں ہی دیکھ کر مجھے نسخے جمع کرنے کا شوق ہو گیا تھا۔ آپ کو نسخے جمع کرنے اور دوسروں کو بتانے کا شوق تھا۔ دواخانے سے کوئی نسخہ بنوانے کیلئے میرے سے لکھوایا کرتی تھیں۔ اس طرح مجھے بھی جمع کرنے کا بہت شوق ہو گیا تھا۔ آپ کی ایک نسخوں کی کاپی میرے پاس ہے۔ چند نسخے کتاب کیلئے بھیج رہی ہوں۔'' (ذاتی تحریر)

صاحبزادی امتہ الشکور صاحبہ شکری تحریر کرتی ہیں۔

''بڑی امی بڑی اچھی طبیب تھیں۔ بے حد کارآمد نسخوں کی بیاض بنائی ہوئی تھی۔ خاص طور پر آنکھ، دانت اور جلدی بیماریوں کے بہت اچھے نسخے تجویز کرتیں۔ جن کے استعمال سے بہت افاقہ ہوتا۔'' (ذاتی تحریر)

آپا طاہرہ صدیقہ صاحبہ نے بتایا کہ:۔

''بانجھ پن کے علاج کیلئے ایک عورت کو بتایا کہ صبح نہار منہ ایک کالی مرچ چبائیں دوسرے دن دو تیسرے دن تین، اسی طرح چالیس دن تک روزانہ ایک کا اضافہ کرتی جائیں۔ ۴۱ ویں دن ۳۹ کھائیں اور پھر روزانہ ایک کم کرتی جائیں اور ایک تک لے آئیں۔ اس نسخے سے ہماری چپ بورڈ فیکٹری کے ایک ملازم کی بیوی کو خداتعالی کے فضل سے اولاد ہوئی۔'' (ذاتی تحریر)

یہ نسخہ ایک ملاقات میں میرے سامنے بھی ایک خاتون کو آپ نے بتایا تھا۔

آپ کے چند آزمودہ نسخے

نسخہ از حضرت خلیفہ اول اولاد نرینہ پیدا ہونے کا۔

کچور پانچ ماشہ، مجیٹھ پانچ ماشہ، کلونجی نو ماشہ، فلفل سیاہ پانچ ماشہ، مشک خالص ایک ماشہ۔ باریک پیس لیں۔ ایک رتی سے دو رتی تک۔ پورے نو ماہ تک ایام حمل میں

ہر مہینے میں دس روز صبح یہ دوا کھلائیں۔ فرزند انشاء اللہ ہو گا۔

ساتھ دعا نقل از خط حضرت مسیح موعود

ہر نماز کے بعد ۱۱ دفعہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھیں۔ اور رات کو سوتے وقت عشاء کی نماز کے بعد کم از کم اکتالیس دفعہ درود شریف پڑھ کر دو رکعت نماز پڑھیں اور ہر سجدے میں کم از کم تین دفعہ یا حی یا قیوم برحمتک استغیث پڑھیں۔ دعا کریں اور سلام پھیر دیں۔ (نقل آپ کی تحریر)

## نسخہ مہاسوں کا از مفتی محمد صادق صاحب

صندل سرخ، مغز بادام تلخ، گھنگچی سفید، پوست نارنگی، اردنخود بریان کو پیس کر سفوف بنا لیں رات کو لیپ کریں۔

دیگر

سرسوں سفید کو گائے کے سیر بھر دودھ میں پکائیں۔ جب خشک ہو جائے تو باریک کر کے رکھ لیں۔ ابٹنہ کی طرح رات کو ملیں۔ صبح منہ دھو لیں۔

چہرے کی رنگت نکھارنے کیلئے نسخہ ۱

چہرے پر دودھ مل کر دھو لیا جائے۔ یا دودھ پانی میں ملا کر لگایا جائے یا بکری کا تازہ دودھ مل کر بتیاں اتار لیں اور پھر دھو ڈالیں۔

### دھوپ سے سیاہ چہرہ

دھوپ سے سیاہ چہرے کو پہلے دھونا۔ پھر خشک کر کے ٹماٹر یا انگور کا رس ملنا پھر جب خشک ہو جائے تو دھو ڈالنا بہت مفید ہے۔

چہرے کی رنگت نکھارنے کیلئے نسخہ ۲

ہائیڈروجن پراوکسائیڈ، گلیسرین، عرق نیبو، عرق گلاب۔

چاروں برابر ملا کر گاہے گاہے رات کو آہستہ آہستہ روئی سے چہرے پر

لگائیں۔ صبح منہ دھولیں۔

## رنگت نکھرنے کا ایک اور نسخہ

یہ آپا آصفہ مسعودہ صاحبہ (بے بی صاحبہ) نے بتایا کہ آٹے کا چھان یعنی بھوسی دودھ میں بھگو کر رکھیں اور اس کو تھوڑی دیر چہرے پر لگائیں پھر منہ دھولیں۔

## چہرے اور ہاتھوں کی خشکی کیلئے

گلیسرین اور عرق گلاب ملا کر ہاتھوں پر اور منہ پر دن میں ایک دو مرتبہ اور رات سوتے ہوئے لگائیں۔

# زبردست مشاہدہ اور پہچان

آپ کا حافظہ اور پہچان زبردست تھی- آپ نے بھی حضرت مسیح موعود اور حضرت مصلح موعود کے حافظے سے حصہ پایا تھا- راقمتہ الحروف (نسیم سعید) ایک دفعہ کسی شادی میں شرکت کیلئے ربوہ گئی- پھر حضرت سیدہ چھوٹی آپا سے ملنے بھی گئی- آپ نے جامعہ نصرت میں اسی شام ہونے والے آل پاکستان انٹر کالجیٹ مشاعرے میں مجھے بھی آنے کیلئے فرمایا (اس مشاعرے میں کراچی سے مشہور افسانہ نگار اور شاعرہ وحیدہ نسیم صاحبہ بھی آئی ہوئی تھیں) میں ذرا دیر سے پہنچی سامعین کی تیسری قطار میں مجھے جگہ ملی- دور اسٹیج پر حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نور اللہ مرقدھا میر مجلس کے طور پر تشریف فرما تھیں- مجھے کئی دفعہ محسوس ہوا جیسے آپ مجھے دیکھ رہی ہوں- میں نے سوچا کہ بہرحال انہوں نے سامنے ہی دیکھنا ہے مجھے ایسے ہی خوش فہمی ہو رہی ہے کہ آپ مجھے دیکھ رہی ہیں- اس لیے میں نے دور سے سلام کرنا بھی مناسب نہ سمجھا- مشاعرہ ختم ہونے سے کچھ پہلے ہی میں اٹھ کر چلی گئی کیونکہ لاہور واپس جانا تھا- چند دن کے بعد میرا پھر ربوہ جانا ہوا- تو میں حضرت بیگم صاحبہ کی خدمت میں قدم بوسی کیلئے حاضر ہوئی- خیریت دریافت کرنے کے بعد آپ نے پوچھا ''تم مشاعرہ میں آئی تھیں- ہاں ہاں تم ہی تھیں میں نے تم کو پہچان لیا تھا- تم بغیر ملے کیوں چلی گئیں؟'' میں نے معذرت کی کہ جلدی جانا تھا- تیسرے پہر کچھ وقت تھا- لیکن آپ کی طرف اس لئے نہیں آئی کہ آپ آرام فرما رہی ہوں گی- مجھے آج تک حیرت ہوتی ہے کہ آپ نے اتنی دور سے مجھے کیسے پہچانا اور وہ بھی رات کے وقت جبکہ سامنے بیٹھنے والے کو سامعین کے سر آنکھیں اور چہرے ایک جیسے نظر آتے ہیں-

رضیہ درد صاحبہ بھی اپنے مضمون میں اسی قسم کے ایک واقعہ کا ذکر کرتی ہیں کہ قادیان سے آنے کے بعد رتن باغ لاہور میں ایک بڑا جلسہ ہوا، جلسہ کے بعد حضرت بیگم صاحبہ سے مصافحہ کرنے کو احمدی خواتین ایک دوسرے پر گری پڑ رہی تھیں یہ بھی کافی دیر کھڑی انتظار کرتی رہیں لیکن جب انہیں سلام کرنے اور مصافحہ کرنے کا موقع نہیں ملا تو یہ بغیر ملے چلی آئیں- چند دن کے بعد جب ان کی امی سارہ بیگم اہلیہ عبدالرحیم درد صاحب بیگم صاحبہ سے ملنے آپ کے گھر گئیں، تو بیگم صاحبہ نے ان سے گلہ کیا کہ ''سارہ تمہاری بیٹی نے اس دن مجھے سلام نہیں کیا-'' رضیہ درد صاحبہ اس بات پر نہایت درجہ حیران ہوئیں کہ اتنے ہجوم اور خواتین میں بیگم صاحبہ نے انہیں دیکھا بھی اور پہچان بھی لیا اور تربیت کی خاطر ان کی والدہ سے گلہ بھی کر دیا-

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۶۶)

اسی طرح استانی حمیدہ صابرہ کہتی ہیں-

عزیزہ طاہرہ اسماء (بیگم مرزا خلیل احمد مرحوم) میرے پاس معذرت خواہ ہوئیں کہ مصروفیت کی بنا پر وہ اپنے بھائی کی دعوت ولیمہ کا بلاوا میرے تک نہیں پہنچا سکیں- مجھ سے کہنے لگیں کہ پھوپھی جان نے مجھ سے پوچھا تھا کیوں حمیدہ صابرہ کو نہیں بلایا؟ میں نے کہا بہت بہت شکریہ تمہاری اس مصروفیت وسہو نے جو مجھے خوشی بخشی ہے بیان سے باہر ہے کہ آپ نے اتنے لوگوں میں میری کمی محسوس کی- پھر ملاقات پر پوچھا تم رشید (صاحبزادی امتہ الرشید صاحبہ جن کی بیٹی امتہ النور کی شادی تھی) کے ہاں بھی نظر نہیں آئیں- میں نے عرض کیا کہ میں تھی مگر صحن میں بیٹھی رہی اور آپ کمرہ میں تشریف فرما تھیں-''

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۵۷)

# خدمت کرنے والوں سے حسن سلوک

حبیبہ بیگم اہلیہ ملک محمد اسمٰعیل کہتی ہیں۔

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی خدمت کرتے ہوئے میرے خاندان کی یہ تیسری نسل ہے۔ میری نانی مرحومہ نیاز بی بی، عرف مائی ناجو، موضع موسیٰ کھیڑا ضلع انبالہ کی راجپوتنی تھیں۔ جب میرے نانا نے دوسری شادی کر لی اور گھر میں رہنا دوبھر ہو گیا تو وہ اپنی اکلوتی بچی (جو بہت ہی چھوٹی تھی) کو لے کر مالیر کوٹلہ آ گئیں اور حضرت نواب صاحب کے گھر انہیں پناہ ملی۔

جب حضرت بیگم صاحبہ کی شادی ہوئی۔ تو میری والدہ ان کی ہم عمر ہونے کی وجہ سے حضرت موصوفہ کی خاص توجہ اور مہربانیوں کا مورد رہیں۔ انہوں نے ہی صاحبزادہ نواب محمد احمد خاں صاحب کو دودھ پلایا۔ تین بھائیوں کے بعد میں پیدا ہوئی تو حضرت بیگم صاحبہ نے خود مجھے کپڑے پہنائے۔ ابھی میں بہت ہی چھوٹی تھی کہ میری والدہ خدا کو پیاری ہو گئیں۔ مجھے ان کا کچھ بھی یادنہیں مجھے میری نانی مرحومہ اپنے پاس نواب صاحب کی کوٹھی لے گئیں وہیں میں نے ہوش سنبھالا۔ مجھے اور صاحبزادی امتہ الودود مرحومہ کو حضرت نواب صاحب نے اکٹھا قاعدہ یسرنا القرآن بڑی محبت سے پڑھایا۔ حضرت بیگم صاحبہ کا سلوک سب لڑکیوں سے یکساں مشفقانہ تھا۔ کئی دفعہ ہم آپ کی صاحبزادیوں سے لڑ جھگڑ لیتیں۔ مگر آپ کسی کو کبھی ڈانٹ ڈپٹ نہ فرماتیں۔ حضرت نواب صاحب کے گھر میں پردہ کی بہت پابندی کی جاتی تھی۔ اس معاملہ میں ہمارا بھی اسی طرح خیال رکھا جاتا جس طرح خاندان کی لڑکیوں کا رکھا جاتا تھا۔ مجھے سلائی، کڑھائی کا شروع سے بہت شوق تھا۔ حضرت بیگم صاحبہ نے مجھے کاج بنانا سکھایا تھا۔

صرف اس سکھائی کی وجہ سے مجھے دونوں کاموں میں کافی مہارت ہو گئی۔

جب میں جوان ہوئی تو حضرت بیگم صاحبہ اور نواب صاحب نے میرا رشتہ کرانے میں بہت دلچسپی لی۔ حضرت ماموں جان، میر محمد اسحٰق صاحب نے حضرت بیگم صاحبہ سے ذبیح صاحب کیلئے بات کی۔ حضرت نواب صاحب نے ذبیح صاحب سے، کئی مرتبہ بڑا لمبا انٹرویو لیا۔ حضرت نواب صاحب جب کسی سے بات کرتے، تو بڑا وقت خرچ فرماتے تھے خواہ مخاطب کسی پوزیشن کا ہوتا۔ بڑی توجہ سے اس کی بات سنتے اور پھر آپ سوال کرتے جاتے۔ حضرت بیگم صاحبہ نے اس طریق سے کہ ذبیح صاحب کو معلوم بھی نہ ہو چک کے پاس پردہ میں ذبیح صاحب کو ملاحظہ فرمایا اور یہ سلوک باقی لڑکیوں سے بھی تھا۔ جب میری والدہ کی شادی میرے والد حضرت عبداللہ خان صاحب سے طے پائی، تو حضرت نواب صاحب نے میرے نانا کو بلوایا اور ان کی منظوری سے شادی طے پائی (حالانکہ وہ میری نانی سے ملنے بھی نہ آتے تھے۔) کیونکہ حضرت نواب صاحب شریعت کے بہت پابند تھے۔ میاں محمد احمد صاحب کو دودھ پلانے کی خدمت کے معاوضے کے طور پر حضرت نواب صاحب نے محلّہ باب الانوار سے متصل، سابقہ زنانہ جلسہ گاہ میں ایک پختہ مکان بنوا کر میرے والدین کے حوالے فرمایا۔

حضرت بیگم صاحبہ بھی میرے والد صاحب کا بہت خیال فرماتی تھیں جب میاں محمد احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے پہلا بیٹا حامد احمد خاں عطا فرمایا تو تمام ملازموں اور دودھ میں رشتہ داروں کو کپڑے مرحمت فرمائے میرے بھائی اور والد صاحب کو بھی بھجوائے حضرت بیگم صاحبہ اور حضرت نواب صاحب دودھ کے رشتے کی بہت قدر فرماتے تھے۔

آپ کے پرانے ملازم بہت تھے۔ سب کے بچوں کی شادیوں پر کپڑے وغیرہ عطا فرماتی تھیں۔ ان کے دکھ سکھ میں حصہ لیتی تھیں۔ سیدہ مخدومہ حضرت منصورہ بیگم صاحبہ حرم خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز مخدومہ محمودہ بیگم صاحبہ بیگم مرزا منور احمد صاحب ہمارے ساتھ بے تکلف ہوتی تھیں۔ کوئی بڑائی کا خیال نہ فرماتی تھیں۔

خداتعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے- اب بھی وہ اسی طرح مہربان ہیں-

سیدہ حضرت منصورہ بیگم صاحبہ کی اجازت سے میں نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی صاحبزادی عزیزہ امتہ الشکور کو دودھ پلایا- حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ نے میری بچی عزیزہ رضیہ کو دودھ پلایا- پھر میں نے حضرت بیگم صاحبہ کی پوتی عزیزہ راشدہ سلمہا اللہ تعالیٰ بنت میاں محمد احمد خاں صاحب کو دودھ پلایا-

۱۹۷۳ء میں حضرت بیگم صاحبہ اپنے داماد کرنل میاں مبشر احمد صاحب کے ہاں پشاور میں تھیں لجنہ اماء اللہ کا سالانہ اجتماع قریب تھا میں بنوں سے پشاور آپ کی خدمت میں گئی- آپ نے فرمایا- مریم (آپا مریم صدیقہ) نے ذکر حبیب کیلئے مقالہ کا خط لکھا ہے- میں وہ لکھ دیتی ہوں تم لے جانا- چنانچہ آپ نے مضمون لکھ کر میرے حوالے فرمایا اور جب گاڑی کا وقت قریب ہوا تو آپ نے کار تیار کروائی اور مجھے اسٹیشن تک چھوڑنے کیلئے میرے ساتھ اسٹیشن پر تشریف لے گئیں- اس وقت کئی لجنات اجتماع میں شمولیت کیلئے اسٹیشن پر آ کر گاڑی میں بیٹھ چکی تھیں- آپ ڈبے تک میرے ساتھ آئیں- بہنوں کو بڑی خوشی ہوئی اور انہوں نے دریافت کیا- حضرت بیگم صاحبہ اسٹیشن پر کیسے تشریف لائی تھیں- میں نے عرض کی ''مجھے چھوڑنے کیلئے'' کیا آپ ان کی رشتہ دار ہیں؟ نہیں میں خادمہ ہوں-

میں آپ کی آخری علالت پر مورخہ ۱۷ اپریل کو حاضر خدمت ہوئی تو آپ پر بیماری کا کافی اثر تھا میں نے السلام علیکم عرض کیا مگر جواب نہ ملا- اس پر بیگم میاں مسعود احمد خاں صاحب نے کہا- حبیبہ آئی ہے، اپنی حبیبہ- آپ نے بڑی دھیمی آواز میں وعلیکم السلام فرمایا اور جواب دیا ''ہاں میں جانتی ہوں'' اور یہ آپ کا آخری سلام کا جواب تھا- پھر غنودگی طاری ہوگئی- خداتعالیٰ کا شکر ہے کہ مجھے کئی رات خدمت کا موقع میسر آیا- میں رات کو آپ کی خدمت بھی کرتی اور آپ کے پلنگ کے پاس بیٹھ کر دعائیں بھی کرتی-

میرے تینوں بیٹوں کے نکاح آپ کے مشورے سے اور دعا سے طے ہوئے۔ اپنے لڑکے عباس کی منگنی کے لیے، میں انگوٹھی لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے سر کے برابر ہاتھ اٹھا کر انگوٹھی ہاتھ میں لیکر دعا کی۔ یہ باتیں اور سیرۃ کسی خاص شخص سے مخصوص نہ تھی بلکہ آپ کا حسن سلوک عام تھا۔"

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۴۷ تا ۵۱)

مندرجہ بالا مضمون ایک ایسی عورت کا لکھا ہوا ہے جو ایک لمبا عرصہ آپ کے گھر میں رہتی رہی اور جس نے اپنی کم تعلیم اور کم شعور کے باوجود بیگم صاحبہ کے حسن خلق اور سیرۃ کے حیرت انگیز پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

صاحبزادی امتہ الباسط صاحبہ تحریر کرتی ہیں "اپنی اس آخری بیماری میں دو تین مہینے پہلے مجھ سے کہنے لگیں کہ میرے دل میں منشی صدیق کی بڑی قدر ہوئی۔ ایک دن میں نے اس کو کچھ رقم دی۔ درویشوں کیلئے، دارالضیافت کے لیے اور دار الاقامتہ میں غرباء کے لیے وظیفہ وغیرہ دینے کیلئے۔ کہنے لگیں کہ واپس آیا تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ میں نے گھبرا کر پوچھا صدیق کیا بات ہے۔ کیا ہوا ہے تو کہنے لگا مجھے میاں داؤد بہت یاد آئے۔ پہلے آپ ان کو رقعہ بھیجتی تھیں اور سارے کام ہو جاتے تھے۔ اب مجھے کئی جگہ جانا پڑتا ہے اور اسی کام کو کئی آدمی کرتے ہیں۔ کہنے لگیں، کتنا وفادار آدمی ہے۔ احمدی تو نہیں مگر میاں (پھوپھا جان کو کہتی تھیں) کا ہمشیرزادہ ہے۔"

اسی طرح آپ فرماتی ہیں کہ "پھوپھا جان کے نوکروں سے بھی بے حد تعلق تھا اور ان سے بے حد حسن سلوک کیا۔ باوجود اس کے کہ پارٹیشن کے بعد سوائے چند کے سب چلے گئے تھے مجھے یاد ہے کہ جب ہم لندن میں تھے کہ ایک لڑکا آیا ایک خط لے کر پھوپھی جان کا یہ خط ان (میرداود صاحب) کے نام تھا کہ "یہ لڑکا میاں کے ہمشیر کا پوتا ہے اور اس کے باپ نے میاں کی بہت خدمت کی ہے اور یہ یہاں کام کے سلسلے میں آیا ہے۔ اس کی جتنی بھی مدد ہو سکتی ہے ضرور کرو۔"

حضرت اماں جان کے خدمتگاروں سے بھی بے حد محبت کرتی تھیں- ایک مرتبہ مجھے کہنے لگیں کہ اماں جان نے مجھ سے ایک مرتبہ کہا تھا کہ عائشہ نے میری بڑی خدمت کی ہے کبھی اسے قمیض تحفتہً بھجوا دیا کرو- خواہ پہنی ہوئی کیوں نہ ہو- اس کے بعد سے میں ہر سال عائشہ (اہلیہ محمد اسماعیل صاحب) کو قمیض بھجواتی ہوں-''

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۲۳ تا ۲۵)

اسی طرح سراج بی بی صاحبہ جو دفتر لجنہ میں عرصہ دراز کام کرتی رہیں تحریر کرتی ہیں:-

''وہ زمانہ نہیں بھولتا اور نہ ہی ساری عمر بھولے گا، جب حضرت بڑی بیگم صاحبہ گرمیوں کی شام، حضرت اماں جان کے گھر تشریف لاتیں ساتھ سیدہ امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ، حضرت خلیفتہ المسیح الثانی بھی مسجد مبارک سے نماز پڑھا کر وہیں تشریف لے آتے اور صحن کے اوپر والے حصے میں ٹہلتے جاتے اور باتیں کرتے جاتے- ایسے لگتا تھا جیسے آسمان سے جنت کے فرشتے اترے ہوئے ہیں- میں آپ سب کو دیکھتی ہی رہتی تھی دل نہ بھرتا- حتیٰ کہ رات کے گیارہ بج جاتے اور آپ سب اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے اور میں بھی آپا جان عزیزہ بیگم یعنی حضرت سیدہ ام وسیم احمد صاحب کے گھر جا کر سو جاتی-

اسی طرح کئی مرتبہ دوپہر کے وقت یا رات کے وقت آپ سب مل کر حضرت اماں جان کے تھڑے پر جو بڑا سارا تخت پوش بچھا ہوتا تھا اس پر کھانا کھاتے جاتے اور ہنس ہنس کر باتیں کرتے جاتے تھے اور میں دیکھ کر لطف اٹھاتی رہتی تھی- ایک جنون تھا، خاندان حضرت مسیح موعود کے افراد کو ملنے اور دیکھنے کا، دیکھ کر سیروں خون بڑھ جاتا تھا- اور خوشی سے دل باغ باغ ہو جاتا-

جب آپ ربوہ تشریف لائیں تو حضرت سیدہ ام متین کے گھر اکثر ملنے کا موقع ملتا رہا- جب بھی آپ اپنے بڑے بھائی یعنی حضرت خلیفتہ المسیح الثانی سے ملنے تشریف

لاتیں تو آپ دونوں اتنے خوش نظر آتے جس کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ اتنی زیادہ محبت آج تک، کسی بہن بھائی میں نظر نہیں آتی جتنی آپ میں دیکھی۔ حضور اپنے بنائے ہوئے طرح طرح کے عطر اندر سے لا لا کر آپ کو سنگھاتے اور پھر پوچھتے کونسا عطر سب سے اچھا ہے۔

جب شام ہو جاتی تو مغرب کی نماز ادا کرنے کیلئے آپ حضرت سیدہ چھوٹی آپا صاحبہ کے گھر آ کر آپ کا پچھلا کمرہ بند کر کے گھنٹوں نماز ادا کرتی رہتیں۔ ایک دن اچانک میری اور میری لڑکی سمشی، کی آپ سے، حضرت سیدہ چھوٹی آپا صاحبہ کے گھر ملاقات ہوگئی تو میں نے بڑی جرات سے کام لیتے ہوئے آپ سے درخواست کی کہ اس کے اچھے نصیب کیلئے دعا فرمائیں۔ ساتھ یہ بھی دعا کریں کہ اس کی طرف سے اللہ تعالی مجھے کوئی دکھ نہ دکھائے۔ آپ نے ازراہ شفقت اور مہربانی میری لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھ کر آواز کے ساتھ دعائیں کیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے قبول بھی فرمائیں۔ خداتعالی آپ کی دعائیں میری بچی کی نسل درنسل کو پہنچائے۔ جب میری لڑکی کا رشتہ ہوا تو بے حد خوشی کا اظہار فرمایا۔ شادی میں شامل ہوئیں اور اس کی انگوٹھی پر بھی دعا فرمائی-----

جب آپ کو آپ کی خوش نصیب بہو طیبہ صدیقہ اور خوش نصیب بیٹا نواب مسعود احمد خاں صاحب اپنے گھر لے گئے تو مجھ سے آپ امتہ الحی لائبریری سے کتابیں منگواتی رہتی تھیں۔ ایک تھیلی سلوائی ہوئی تھی جس میں کتابیں منگواتی تھیں آپ ایک ایک کتاب دیکھ کر فرماتیں میں سب سے پہلے کتاب کا انجام دیکھتی ہوں جس کا انجام اچھا ہو وہ رکھ لیتی ہوں۔

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۶۴)

# صلہ رحمی

والذین یصلون مآ امر اللہ بہ ان یوصل اور وہ لوگ جو ان تعلقات کو ہمیشہ قائم رکھتے ہیں جن کے قائم رکھنے کا خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

(سورہ رعد آیت ۲۲)

اس حکم خداوندی پر حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ خود بھی عمل کرتیں۔ اور دوسروں کو بھی صلہ رحمی کی تلقین فرماتیں۔ آپ کا صلہ رحمی کی تلقین کا طریقہ بہت اچھا تھا۔ ملاقاتی خواتین سے ان کے عزیزوں، رشتہ داروں کے نام لیکر ان کے حال احوال دریافت کرتیں اور ملاقاتی خواتین، جب جواب میں لاعلمی کا اظہار کرتیں، تو دل ہی دل میں شرمندہ ہوتیں کہ بیگم صاحبہ سوچیں گی ہم آپس میں ملتے نہیں۔ ایسے ہی جذبات کا اظہار رضیہ درد صاحبہ کرتی ہیں کہ

''آپ کی سیرت کا ایک پہلو جس نے مجھے متاثر کیا بیان کرنے سے قلم رک نہیں رہی۔ جب بھی آپ کی خدمت میں ملاقات کی غرض سے حاضر ہوئی آپ ضرور ددھیال اور ننھیال کی طرف سے بزرگوں کا ذکر کرتیں کسی کا کسی رنگ میں کسی کا کسی رنگ میں۔ اس وجہ سے جب بھی مجھے آپ کے پاس جانا ہوتا، تو ضرور اندر ہی اندر اپنا محاسبہ کر لیتی کہ ہمارے خاندان کا کوئی بزرگ جو ہمارے قریب اسی شہر میں رہتا ہے، میں ان کے حالات سے باخبر ہوں یا نہیں، کہیں ایسا نہ ہو میں بیگم صاحبہ کے سامنے لاعلمی کا اظہار کرکے شرمندگی اٹھاؤں۔ اس طرح لاشعوری طور پر یہ بات بھی ذہن میں رہتی کہ بزرگوں کے پاس ضرور جانا چاہیئے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کتنا بڑا ثواب ہے ایک تو رحمی رشتہ اور دوسرے بزرگ۔ اور میں حیران ہوتی کہ جو آپ کے مقابل پر ایک بچہ ہے

اس کے ذریعہ خاندان سے غائبانہ تعلق اور رابطہ رکھتی ہیں اتنی دلچسپی سے ان کے بارے میں سوال کرتیں کہ یہ احساس ہوتا کہ وہ میرے گھر کے نہیں آپ کے گھر کے فرد ہیں اور مجھ سے زیادہ آپ کا تعلق ان سے ہے۔‘‘

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۶۷)

اور یہ آپ کا دستور تھا ہر ملاقاتی خاتون سے ان کے عزیزوں کا حال احوال معلوم کرنا اس معاملے میں آپ اپنی صد احترام والدہ حضرت اماں جان کے نقش قدم پر چلتی نظر آئیں۔ راقمتہ الحروف (نسیم سعید کی) والدہ بیگم شفیع مرحومہ جب حضرت اماں جان سے ملاقات کیلئے جاتیں تو حضرت اماں جان ان سے دہلی کے رشتہ داروں کی باتیں ان کے حالات پوچھتیں (کیونکہ میرے والد سید شفیع احمد محقق دہلوی، حضرت اماں جان کے رشتے کے بھانجے تھے) اور بعض اوقات حضرت اماں جان خود بتاتیں۔ یہی بات حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ میں تھی۔ آپ مجھے خود بتاتیں کہ تم کو تو معلوم نہیں فلاں بھی تو ہمارے رشتہ دار ہیں۔ اچھا فلاں کو تم جانتی ہو؟ فلاں کے بچے لاہور میں ہیں وغیرہ اور فلاں کراچی میں اسی طرح ایک مرتبہ میری پھوپھی نیر جہاں شعاع کا پوچھتی رہیں کہ وہ تو بڑی اچھی شاعرہ تھیں خواجہ میر درد کا اثر ان کی شاعری میں تھا۔ کئی رشتہ داریاں تو حضرت بیگم صاحبہ کے توسط سے مجھے پتہ چلیں کیونکہ ہمارے ددھیالی رشتہ داروں میں سے میرے والد مرحوم کے علاوہ کوئی احمدی نہیں ہوا تھا۔

اللہ اللہ آپ کو صلہ رحمی کا کس قدر خیال تھا دنیا کا دستور ہے۔ عزت وجاہت والے امیر کبیر رشتہ دار اپنے غریب رشتہ داروں سے دور رہتے ہیں بلکہ پہچانتے بھی نہیں اور کہاں یہ عظیم المرتبت خاتون کہ خود رشتہ داریاں بتاتیں۔ بیگم صاحبہ کی والا قدر ہستی کے سامنے میں کس شمار قطار میں۔ مور بے مایہ، لیکن صلہ رحمی کا جذبہ ہے کہ امڈا چلا آرہا ہے۔ نہ صرف زبانی رشتہ داری بتاتیں بلکہ تحریری طور پر بھی اظہار فرماتیں چنانچہ ایک مرتبہ میری چھوٹی بہن سیدہ رضیہ کو ان کے شوہر کیلئے ایک سفارشی خط سیدہ نے اپنے

دست مبارک سے صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کے نام لکھ کر دیا- جس میں کام کرنے کی تاکید رشتہ داری کی بنا پر کی چنانچہ آپ تحریر فرماتی ہیں-

''ان کی شادی بیگم شفیع مرحومہ کی لڑکی سے ہوئی- دونوں پرانے احمدیوں کی اولاد ہیں میاں بیوی- بلکہ بیوی کے والد تو ہمارے نانا جان کے خاندان سے اور شاخ کے تھے-''

چنانچہ میری بہن سیدہ رضیہ نے مجھے ۴ نومبر ۱۹۷۰ء کو خط لکھا کہ:-

''پرسوں میں ربوہ گئی تھی حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ سے ملنے رات ساڑھے سات بجے ہم آپ کے گھر پہنچے- وہ روزانہ شام کو اپنے بیٹے نواب محمد احمد خاں صاحب کے گھر چلی جاتی ہیں آپ کی ملازمہ نے بتایا کہ رات دس بجے تک واپس آئیں گی- میں نے آپ کے نام رقعہ لکھ کر بھیجا- آپ اسی وقت تشریف لے آئیں- ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوئیں- میں نے کہا یہ پھل میرے میاں نے آپ کیلئے بھیجا ہے- (آپ میری سسرال سے بھی اچھی طرح واقف ہیں-) میں نے بتایا میں کس طرح آئی ہوں- ایم ایم احمد صاحب کے نام رقعہ لکھ دیں- کیونکہ میرے میاں کہتے ہیں کہ میں جو کچھ آج ہوں وہ خدا کے فضل کے بعد آپ کی دعاؤں کے طفیل ہوں وغیرہ- ہمت کرکے اٹھیں بہت اچھا رقعہ ایم ایم احمد صاحب کے نام لکھ کر دیا- ہمیں بہت اچھی چائے پلوائی ہمارے لئے بستر لگوائے ملازمہ کو رات کے کھانے کیلئے کہا- ہم ایسے پاگل کہ آپ کی مہمانی چھوڑ کر ہم نے کہا ہم فلاں کے یہاں ٹھہر جائیں گے آپ تکلیف نہ کریں- چنانچہ آپ نے اپنی کار میں ہمیں وہاں چھڑوایا-''

یہ واقعہ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے اعلی اخلاق محبت خلوص مہمانوازی اور صلہ رحمی کا شاہکار ہے اس سے کتنے ہی پہلو اجاگر ہوتے ہیں-

میری بہن رضیہ نے آپ کو رقعہ بھیجا کہ ہم ملنے کیلئے لاہور سے آئے ہیں- آپ رضیہ کو نواب محمد احمد خاں کے گھر بلالیتیں جبکہ آپ کا پروگرام وہاں سے رات دس

بجے آنے کا تھا۔ لیکن آپ صلہ رحمی کرتے ہوئے خود واپس تشریف لے آئیں کہ لاہور سے آئے ہیں ان کے ٹھہرانے کا انتظام کروں۔ اگرچہ صاحبزادہ صاحب کسی کی سفارش نہیں مانتے تھے، لیکن آپ نے سفارشی رقعہ لکھا اور کام کرنے کی وجہ، قرابت داری بتائی۔

نہ صرف رقعہ ہی لکھا بلکہ بہت اچھی چائے پلوائی۔ بستر لگوائے کھانے کا پوچھا۔ رضیہ نے جانے کا اصرار کیا تو اپنی کار میں چھڑوایا۔ سبحان اللہ آخر بیٹی کس کی تھیں؟ اس مسیح کی، جو مہمانوں کیلئے رات کو بھی، اٹھ اٹھ کر کسی کو دودھ، کسی کو بستر کسی کو چارپائی دیتے اور کسی کو اپنا چوغا اوڑھا دیتے تھے۔

حضرت سیدہ بیگم صاحبہ رشتوں کے احترام کرنے کی برابر تلقین فرماتیں خصوصاً بچوں کو ماں کا درجہ بتانے کا انداز دیکھئے۔

رضیہ درد تحریر کرتی ہیں۔ ''جب بھی ملنے گئی آپ سلام کے جواب کے ساتھ ہی عجیب انداز میں آہستہ سے نیچی نظروں سے فرماتیں۔

''سارہ کی بیٹی ہو ناں''؟

آپ کے اس فقرہ میں جانے کیا ترنم تھا کیا جادو تھا کہ آپ سے ملنے کے کافی دیر بعد تک آپ کے الفاظ کی صدا کانوں میں گونجتی رہتی اور میں اس چاشنی اور مٹھاس سے لطف اندوز ہوتی۔ جس سے وہ امی کا نام لیتیں۔ میرے بھائی مجیب الرحمٰن کی شادی کے موقع پر غلطی سے حضور (حضرت خلیفۃ المسیح الثالث) کی خدمت میں دعوت نامہ بھیجنے میں تاخیر ہوگئی۔ عین وقت پر اس غلطی کا علم ہوا، تو امی نے فیصلہ کیا کہ وہ خود حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کے ساتھ دعوت نامہ پیش کریں۔ میں بھی امی کے ساتھ تھی جب ہم قصر خلافت پہنچے تو حضرت بیگم صاحبہ بھی تشریف فرما تھیں۔ ہماری پریشانی کا علم ہوا تو مجھے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

''تم آٹھ بہنیں ہو ستر سال کی ماں کو کیوں اس بڑھاپے میں ساتھ لیے پھرتی ہو اس کام کیلئے تم ساری کافی نہیں ہو۔'' بے شک امی اپنی مرضی سے گئی تھیں تاہم آپ

نے ماں کے احترام اور شفقت کی طرف توجہ مبذول کروائی۔ حقیقت میں امی کمزور بھی تھیں اور چلنے سے سانس بھی پھول رہا تھا اور کچھ اپنی غلطی تسلیم کرنے کی وجہ سے گھبرائی ہوئی بھی بہت تھیں کہ کس طرح حضور کے سامنے اپنی غلطی تسلیم کروں گی۔ آپ کے اس فقرہ سے مجھے بھی حقیقتاً بے حد شرمندگی ہوئی اور اس بات کا احساس ہوا کہ کیوں نہ امی کو میں نے آنے سے روک دیا اور تسلی کر دی کہ میں خود ہی چلی جاتی ہوں۔ لیکن پھر دل کو اطمینان ہو گیا کہ آخر حضور کے پاس آنا تھا اور امی کا آنا ضروری تھا۔ اگرچہ یہ معمولی سا فقرہ تھا تاہم اس کے بعد میں حتی المقدرور یہی کوشش کرتی کہ امی کو اس قسم کی ذرا سی بھی تکلیف نہ ہو۔ غرض یہ آپ کے اعلیٰ اخلاق کا بین ثبوت ہے کہ کوئی بھی موقع آپ تربیت کا اور اصلاح کا ہاتھ سے نہ جانے دیتیں اور اس قسم کی تنبیہہ کرنا اپنا فرض سمجھتیں اور ساتھ ساتھ انداز مشفقانہ رہتا۔ یہی اسلامی معاشرہ کی جان ہے کہ انسان میں اتنی اخلاقی جرات ہو کہ وہ کسی بھی بری یا معیوب بات کو اپنی زبان ہاتھ اور دل سے دور کر دے لیکن ساتھ ہی اپنے پرائے کے فرق کو بھی واضح فرماتیں۔ ایک دفعہ اپنی کسی دوست کے رشتہ کے لیے میں اپنے طور پر پریشان رہی کوشش بھی کرتی کہ کوئی اچھا مناسب رشتہ مل جائے تو میں ہی ثواب لے لوں۔ آخر ایک رشتہ آیا میں نے اپنی طرف سے بہت کوشش کی کہ طے ہو جائے لیکن یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچتا نظر نہ آیا۔ تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ آپ سے مشورہ کروں اور دعا کیلئے بھی عرض کروں۔ آپ نے نہایت توجہ سے میری ساری بات سن کر فرمایا:۔ ”کیا تمہاری دوست کے اپنے والدین بہن بھائی یا کوئی عزیز نہیں تم کیوں اس قدر پریشان اور متفکر ہو رہی ہو۔ یہ کام تو اپنوں کے ہاتھوں سے ہی سرانجام پائیں تو زیب دیتے ہیں، کل کو بات بگڑ گئی، تو دوستی بھی جاتی رہے گی۔ تم صرف ان تک رشتہ پہنچا دو اور خود نکل جاؤ وہ جانے اور ان کا کام۔“ آپ کے مشورہ میں نہ جانے کیا اثر تھا کہ میرا اطمینان ہو گیا۔

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۶۹)

# آپ کے خدائی خطابات

حضرت مسیح موعود کو خدا تعالیٰ نے حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کیلئے کئی خطابات سے نوازا ، اللہ تعالیٰ نے حضور کو وحی کی ''نواب مبارکہ بیگم۔''

الہام نواب مبارکہ بیگم میں اس پہلو کی طرف بھی اشارہ تھا کہ آپ نوابی خاندان میں بیاہی جائیں گی چنانچہ ۱۷ فروری ۱۹۰۸ء کو آپ کا نکاح نواب محمد علی خاں رئیس مالیرکوٹلہ سے ہوا اور ۱۴ مارچ ۱۹۰۹ء کو آپ کا رخصتانہ ہوا۔

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اپنے ''نوابی'' لقب کے بارے میں فرماتی ہیں:۔

**''نواب مبارکہ بیگم'' کا لقب نوابی خاندان میں شادی کے سلسلے میں میرے لئے ہرگز قابل فخر نہیں، صرف نواب کوٹلے والے۔ مجھے تو میرے خدا نے ایک نام دیا ہے اس کے بہت مبارک اور وسیع معنی ہوں خدا کرے۔''**

(درعدن صفحہ ٦)

آپ کو خدا تعالیٰ پر کس قدر توکل یقین اور ایمان تھا کہ صرف نواب صاحب سے شادی کر کے یہ نام یہ خطاب پورا نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس کے بہت وسیع معنے ہیں اور واقعی اس کے کس قدر وسیع معنے ثابت ہو رہے ہیں نوابی سے زیادہ دینی دنیاوی ہمیشہ ہمیشہ کی تمکنت اور شوکت خدا تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی۔

## تنشاء فی الحلیۃ

حضرت مسیح موعود کو اللہ تعالیٰ نے ایک لڑکی کی بشارت دی اور اس کی نسبت

فرمایا- تنشاء فی الحلیۃ یعنی زیور میں نشوونما پائے گی یعنی نہ خورد سالی میں فوت ہو گی اور نہ تنگی دیکھے گی چنانچہ بعد اس کے لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام مبارکہ رکھا گیا-‘‘

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۱۸)

آپ کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے یہ الہام ظاہری ومعنوی روحانی وجسمانی لحاظ سے پورا فرمایا- آپ واقعی ہمیشہ زیورات میں ہی پلی بڑھیں اور زیورات میں ہی پھلتی پھولتی زندگی اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی- ہر طرح کی آسائش اور آرام حضرت مسیح موعود کے یہاں پایا اور آپ کے شوہر نواب محمد علی خاں صاحب نے بھی پھولوں کی طرح آپ کو رکھا چنانچہ آپا طاہرہ صدیقہ تحریر کرتی ہیں کہ ’’واقعی خالہ جان کو ہمارے دادا جان نے بالکل بےفکر اور بےغم ہر چھوٹی سے بڑی چیز سے کیا ہوا تھا- حتیٰ کہ گھر میں کیا پکنا ہے کیا آنا ہے کیا سنبھالنا ہے- صبح کے ناشتے، دوپہر کے کھانے، رات کے کھانے دعوتوں کے اہتمام آئے گئے مہمان ہر ایک کیلئے دادا جان (نواب محمد علی خاں صاحب) پرچی جاری کرتے تھے، سٹور کے منشی کے نام، کہ صبح کو ناشتے میں فلاں فلاں چیز بھیجی جائے، دوپہر کو کھانے میں پلاؤ، قورمہ، مرغی، رائیتہ، سلاد وغیرہ ہر چیز لکھی ہوتی تھی- سٹور میں سے کتنے چاول، کتنا گھی، کتنی جنس نکال کر باورچی کو دینی ہے- کیا کیا چیزیں بازار سے آنی ہیں اور منشی اسی طرح کر کے روز کا روز حساب دیتا تھا- کھانا باورچی باہر سے پکا کر سینیوں (ٹرے) کشتیوں میں، ملازم عورتوں کے ہاتھ بھیجتے وہ کھانا میز پر لگاتیں اس طرح بڑی امی کو ہم نے کبھی ان انتظامات کو کرتے نہیں دیکھا- نوکروں اور ان کے بچوں کیلئے کھانا ملازمہ اندر پکاتی تھی- لیکن بڑی امی کو بہترین کھانا پکانا آتا تھا- انگیٹھیاں اپنے پاس منگوا لیتیں، اگر کھانا کبھی شوقیہ وہ پکاتیں، تو تیاری کے تمام لوازمات منگواتیں اور خادمہ کو بتاتی جاتیں اب یہ بھونو اب یہ ڈالو- اب ایسے چلاؤ، ایسے فلاں چیز اوپر سے ڈالو اور بہترین کھانا پکواتیں بلکہ مٹھائیاں تک تیار کروا لیتی تھیں- ان کی بتائی ہوئی ترکیبوں سے ہم نے بھی سیکھا-

دادا جان آپ کے لئے کپڑے پسند کروانے کیلئے گھر بزاز بلواتے کپڑے سلوانے کے لیے درزی بلواتے اور خود آپ کیلئے کپڑوں کے ڈیزائن بتاتے ایسے کاٹو ایسے بناؤ ایسے سیئو۔ (ذاتی تحریر)

اسی طرح آپا محمودہ بیگم صاحبہ تحریر کرتی ہیں

والد نے، جب تک زندہ رہے، امی جان پر کبھی بھی خانہ داری کا بوجھ نہیں ڈالا۔ گھر میں والد کی ہمشیرہ زادیاں تھیں، وہ سب کچھ کرتی تھیں۔ خود ہی خانساماں جی کو روزمرہ کا کھانا لکھ کر دیتے۔ امی جان کا دل چاہتا تو خود گھر میں پکوا لیتی تھیں یا کوئی خاص کھانے انگیٹھیاں رکھ کر، اپنی نگرانی میں پکواتیں۔لیکن والد کی وفات کے بعد جب امی جان نے خود گھر سنبھالا تو حیرت ہوتی تھی۔ پرانے آدمی اور عورتیں وفادار بھی رہے اور ہر طرح کا خیال رکھا۔ مہمان نواز بھی بہت تھیں۔ دوسرے مہمانوں کی تو خیر بات ہی اور تھی۔ ہم بھی سب بیٹیاں، داماد اور بچے جاتے تو بہت زیادہ اہتمام کرتیں۔ (ذاتی تحریر)

اس سلسلے میں صاحبزادی فوزیہ شمیم صاحبہ بھی تحریر کرتی ہیں۔

حضرت مسیح موعود کو آپ کے متعلق الہام ہوا نواب مبارکہ بیگم دوسرا الہام ہوا۔ زیوروں میں پلے گی۔ نواب مبارکہ بیگم والا الہام صرف میرے دادا حضرت نواب محمد علی خاں صاحب سے شادی کی وجہ سے ہی پورا نہیں ہوا۔ بلکہ میں سمجھتی ہوں کہ آپ کی طبیعت کی نفاست اور نوابی شان آپ کو خدا کی طرف سے ودیعت کی گئی تھی۔ اللہ تعالے کا یہ سلوک اپنے بعض مقرب بندوں سے رہا ہے۔ چنانچہ حضرت عبدالقادر جیلانی بہت بلند پائے کے بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ بہت فاخرانہ لباس پہنا کرتے تھے اور آپ فرمایا کرتے تھے مجھے خدا کہتا ہے۔ اے عبدالقادر اسے پہن تو میں پہنتا ہوں۔

ہماری حضرت بڑی امی نے انتہائی نفیس طبیعت پائی تھی۔ آپ کا لباس، ہمیشہ صاف ستھرا اور نفیس ہوتا۔ رات کے کپڑے الگ حتیٰ کہ رات کے کانوں کے زیور بھی

الگ ہوتے- صبح اور شام کا لباس، موسم اور وقت کی مناسبت سے الگ ہوتا چنانچہ لباس التقویٰ کے ساتھ ساتھ ظاہری لباس کا خیال بھی غالبًا اس کے مطابق آپ فرماتیں-
(ذاتی تحریر)

آپا محمودہ صاحبہ بھی اس بات کی شہادت دیتیں ہیں کہ امی جان اور خالہ جان کو مالی تنگی نہیں ہوئی ان کی جائیداد پاکستان میں پہلے سے موجود تھی- (ذاتی تحریر)

حضرت صاحبزادی امتہ العزیز بیگم صاحبہ بیگم صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب تحریر کرتی ہیں-

''آپ بہت نفیس طبیعت کی مالک تھیں- میں نے آپ کو کبھی نامناسب حلیے اور کپڑوں میں نہیں دیکھا- یہ بھی نہیں کہ وہ سنگھار وغیرہ کرتی تھیں بلکہ صاف ستھری، موسم کے لحاظ سے عمدہ لباس- کانوں میں چھوٹے چھوٹے بندے بہت پیاری لگا کرتی تھیں- (ذاتی تحریر)

غرض آپ کی تمام عزیز رشتہ دار، ملنے والی خواتین اس بات کی شاہد ہیں کہ آپ ہمیشہ ہی تیار اور عمدہ لباس میں نظر آئیں- یہ تو ظاہری زیوارت، زیب و زینت اور آرام و آسائش کی بات تھی- لیکن آپ تو روحانی لحاظ سے بھی، ہمیشہ خداتعالی کی محبت، اس کی حمد و ثنا، تسبیح تحمید درود و استغفار اور دعاؤں کے زیورات سے لدی پھندی رہیں- بچپن سے تہجد شروع کی جو آخر تک چلی- بچپن سے تسبیح وتحمید درود اور استغفار کا مبارک زیور اپنے عظیم والد سے پایا جو زندگی کے آخری سانس تک جاری رہا- سب تیماردار جس کے گواہ ہیں-

گویا آپ محبت الٰہی ذکر الٰہی محبت مخلوقِ خدا- خدا، خدا کے رسول ﷺ اور اس کے مسیح کی محبت کے زیور سے پوری طرح مرصع تھیں اور آپ کی تمام زندگی تنشاء فی الحلیۃ کی مصداق رہی-

# آخری بیماری اور وفات

درد کہتا ہے بہا دو، خونِ دل آنکھوں سے تم
عقل کہتی ہے نہیں! آہ و فغاں بے سود ہے
خوف ہے مجھ کو کہ لگ جائے نہ اشکوں کی جھڑی
آج میرا مطلعِ دل، پھر غُبار آلود ہے

(درعدن صفحہ ۷۴)

''حضرت سیدہ بیگم صاحبہ کی طبیعت، یوں تو عرصہ سے مختلف عوارض کی وجہ سے ناساز چلی آتی تھی- لیکن ۱۹۷۵ میں آپ کو کمر درد کی شدید تکلیف ہوگئی- جس کا اثر ٹانگوں تک جاتا تھا- دوران خون میں رکاوٹ پڑ جانے کی وجہ سے، آپ کو شدید اعصابی اور دماغی کمزوری محسوس ہونے لگی، اس کے ساتھ ہی دیگر مختلف عوارض بھی تقاضائے عمر کے ساتھ لاحق ہو گئے- علاج معالجہ کے لئے محترم ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب نے اپنے رفیق کار مکرم ڈاکٹر قریشی لطیف صاحب کے ہمراہ ہر ممکن کوشش کی اور لگاتار ان تھک محنت کے ساتھ جد و جہد کرتے رہے- لیکن وقتی افاقہ کے سوا کوئی فرق نہ پڑا اور عوارض بڑھتے چلے گئے- حتی کہ فروری ۱۹۷۶ کے بعد آپ مستقل طور پر صاحب فراش ہوگئیں-''

(الفضل ربوہ خلافت نمبر ۱۹۷۷)

آپا طیبہ بیگم نواب مسعود احمد خاں صاحب کہتی ہیں ''بیت الظفر'' سے کہیں جانے کو تیار نہیں تھیں بمشکل میرے میاں ان کو ہمارے یہاں لائے- پھر اللہ تعالی نے ان کی خدمت کی توفیق دی، کھلاتی پلاتی میں خود تھی- جب میرے میاں زیادہ بیمار ہو

گئے تو میں اپنے میاں کے پاس ہی زیادہ رہتی- میں نے اپنے میاں کی بیماری کا، بھی انکونہیں بتایا ہوا تھا پھر بھی ان کو جیسے پتہ ہو- اسی طرح فوزیہ شمیم کے میاں کا اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے جاپان میں انتقال ہو گیا- اب ہمیں ہمت ہی نہیں تھی کہ یہ خبر سنائیں کہ خود ہی مجھ سے اور چھوٹی آپا سے پوچھا کہ جاپان میں کیا ہوا ہے- ہم نے کہا کیا ہوا کوئی زلزلہ وغیرہ آیا ہو گا- کہنے لگیں میری چھوٹی سی امتہ السلام (والدہ شمیم احمد صاحب) پر کیا مصیبت آ گئی- ان ہی دنوں میری بیٹی رعنا کی شادی تھی جو ملتوی کر دی گئی- دو تین بعد کہنے لگیں ہائے بیچاری بچی کی تو شادی تھی- میں نے کہا شادی تو ہو رہی ہے- (ذاتی تحریر)

آپا طیبہ مزید اپنے مضمون میں تحریر کرتی ہیں-

''آخری بیماری میں سوا سال میرے پاس رہیں ہم گھر لے آئے تھے پہلے تو بہت گھبراتی تھیں کہ مجھے میرے گھر لے جاؤ- آہستہ آہستہ کمزوری بڑھتی گئی- جب لوگ ملنے کو آتے تو کسی قسم کی گھبراہٹ کا اظہار ان کے سامنے نہیں کرتی تھیں- پھر جب بھولنے لگیں تو چونکہ حضرت اماں جان کی یاد ہر وقت رہتی تھی، اپنی سب چیزوں کو اماں جان کی چیزیں کہنے لگی تھیں کہ مجھے فلانی اماں جان کی چیز اٹھا دو وغیرہ- ان کی آخری بیماری کے دوران میرے میاں کو دل کا شدید دورہ ہوا، پھر میں زیادہ میاں کے پاس رہنے لگی- ایک دن مودی میری نند میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ امی جان کو کچھ پلا دو، وہ کسی کے ہاتھ سے نہیں پی رہیں- تمہاری انہیں عادت ہو گئی ہے- خیر میں نے جا کر فیڈنگ کپ منہ سے لگائی تو فوراً پینے لگیں- اس کے بعد میں نے کھلانے پلانے کا کام اپنے ہاتھوں میں لے لیا-''

آپا محمودہ بیگم کہتی ہیں ''طیبہ بیگم باوجود گھر کی ذمہ داری، اپنے میاں کی بیماری اور بعض اوقات اپنی بیماری کے ہر وقت خدمت کیلئے حاضر رہتیں، گویا کہ تمام تیمارداری کی ذمہ داری ان پر تھی- کھانا وہ کھلاتیں، دوا وہ وقت پر دیتیں، ہرقسم کا کام اپنے ہاتھ

سے کرتیں۔‘‘

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۴۲-۴۳)

اسی طرح آپ کی دوسری نند آپا آصفہ مسعودہ (بے بی) تحریر کرتی ہیں ’’ہماری بھابی آپا طیبہ صدیقہ نے امی جان کی تیمارداری کا حق ادا کر دیا امی جان بیماری میں طیبہ طیبہ ہی پکارتی تھیں۔‘‘ (ذاتی تحریر)

سبحان اللہ کیسی اچھی ساس اور کیسی اچھی بہو قابل تقلید۔

آپا محمودہ بیگم تحریر کرتی ہیں ’’یوں تو امی میں کئی سال سے کمزوری آ رہی تھی لیکن اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھیں۔ اپنے پیارے بھائی حضرت مصلح موعود کی وفات کے بعد سے طبیعت زیادہ گری گری رہنے لگی تھی لیکن قریباً ڈیڑھ سال سے زیادہ کمزور ہو گئی تھیں۔ بھوک بالکل بند ہو گئی تھی۔ غذا نہ ہونے کے برابر تھی وہ بھی بہت منت خوشامد کے بعد کھلائی جاتی اکثر بے چینی اور بے خوابی کی شکایت ہو جاتی۔ شروع میں جسم میں دردوں کی شکائیت تھی، وہ بھی قریباً جاتی رہی تھی۔ کمزوری بڑھتی گئی۔ ہر قسم کے علاج ہوئے، بس ایک دو روز فرق پڑتا، پھر وہی حالت ہو جاتی۔ ایک بے چینی تھی۔ اماں جان کی یاد، بھائیوں کی یاد، ہمارے ابا میاں کی وفات پر بہت صبر سے کام لیا تھا۔ لیکن اس بیماری میں اکثر سب فوت شدہ عزیزوں کا ذکر ہوتا تھا۔ جیسے جن جذبات کو دبایا ہوا تھا اب پھوٹ پڑے ہیں۔ اب پرانی لمبی جدائیاں برداشت نہیں ہوتیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث اکثر دیکھنے آتے۔ اگر جماعتی مصروفیات کی وجہ سے پانچ سات روز گزر جاتے تو بار بار کہلا کر بھیجتیں کہ مجھے آ کر مل جائیں۔ اسی طرح دوسرے عزیزوں میری باجی جان (حضرت صاحبزادی منصورہ بیگم صاحبہ بیگم حضرت خلیفۃ المسیح الثالث) اگر کسی وقت نہ آ سکتیں تو بے چین ہو جاتیں۔ خالہ جان (حضرت نواب امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ) صبح شام کئی کئی گھنٹے پاس بیٹھتیں۔ اگر کبھی نظر نہ پڑتی تو بار بار پوچھتیں۔ چھوٹی بہن (آصفہ بے بی) لاہور ہوتی ہے اس کی چھوٹی بچیاں ہیں۔ گھروں

کی سو مجبوریاں ہوتی ہیں، ذرا طبیعت خراب سنتی تو فوراً پہنچتی - کئی روز رہتی، اپنے ہاتھ سے سب کام کرتی لیکن پھر مجبوراً جانا پڑتا- اس کے جانے سے بہت گھبراتیں- امی جان کو اس کا خیال رہتا تھا اور اس سے بہت لگاؤ تھا- وہ بھی اب تک بچیوں والے لاڈ کرتی- اس کے بچوں سے بہت پیار تھا اس لیے اس کی جدائی بہت محسوس کرتیں- بچوں کو یاد کرتیں- آصفہ بھی چکر ہی لگاتی رہی- آخر میں تو ڈیڑھ مہینہ قریباً پاس سے ہلی نہیں- میں اگر تھوڑی دیر کے لیے گھر آتی تو گھبرا جاتیں- جانے نہ دیتیں- دوپٹہ پکڑ لیتیں وعدہ کرو جلدی آؤ گی- میں کہتی امی جان دیکھیں تمام دن آپ کے پاس رہتی ہوں ابھی گئی ابھی آئی-

یوں تو سب نواسے نواسیاں- پوتے پوتیاں پیارے تھے- لیکن میرے بچوں کے ساتھ دو سے خصوصیت سے زیادہ محبت تھی- ایک میری بچی امتہ الحئی دوسرے میرا بیٹا مظفر، اس نے بیماری میں بہت خدمت کی- میرے میاں دونوں وقت دیکھنے جاتے پاس بیٹھتے- پہلے سے ہی کہنا شروع کر دیتیں- کرسی رکھو- کشن رکھو- یہ احساس تھا کہ ان کی کمر میں تکلیف ہے- اسی طرح سب عزیزوں کو چاہتیں کہ میرے سامنے رہیں- خصوصاً چھوٹی آپا صاحبہ کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیتیں- اسی طرح طیبہ بیگم، میری بھاوج کو اسی طرح بیٹیوں کو بار بار بلاتیں- چھوٹے بھائی جان ڈیڑھ برس سے اپنے ہاں لے آئے تھے تاکہ ٹھیک طرح تیمارداری ہو سکے- پھر بھی اچھی حالت نہیں تھی- آخری ڈیڑھ مہینہ میں بخار رہنے لگا اور بے ہوشی ہو گئی- غذا بند ہو گئی، لیکن اس میں بھی لگاتار دعائیں، تسبیح، درود، استغفار پڑھتی رہتی تھیں اور بہت سی دعائیں کرتیں- علاج سے بخار کم ہوا کچھ بے ہوشی نیم بے ہوشی کی ساتھ آٹھ روز کیفیت رہی- ایک آدھ بات بھی کی- لیکن پھر بے ہوش ہو گئیں بخار بھی رہنے لگا- کبھی کبھی تنفس تیز ہو جاتا- لیکن دل کی حالت ٹھیک رہتی- آخری روز یعنی ۲۲ مئی کو بخار بہت تیز ہو گیا حالت بہت نازک ہو گئی- دل اور گردوں نے جواب دینا شروع کر دیا-''

(مصباح خاص نمبر ۴۱،۴۲)

شام ڈھلتی گئی دن گزرتا گیا
زندگانی کا سورج پگھلتا گیا
زندگی موت کی گود میں دیکھ کر
دل سلگتا رہا، کرب بڑھتا گیا

(صاحبزادی امتہ القدوس بیگم صاحبہ مصباح خاص نمبر صفحہ ۸)

آپا محمودہ صاحبہ فرماتی ہیں ۲۲ مئی کو سانس بے قاعدہ ہو گئی قرآن کریم کئی بار پڑھا گیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث تمام دن وہیں رہے اور سب عزیز بھی ۲۲، ۲۳ مئی کی شب بارہ بجے کے قریب پھر قرآن کریم سنایا گیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح پاس آ کر بیٹھے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ بس تھوڑی دیر خاموشی سے اللہ کے حضور پہنچ گئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔

کرب و تکلیف کی شدتیں مٹ گئیں
روح معصوم کو اب قرار آ گیا
ہجر کی تلخیاں جو فزوں ہو گئیں
اُس کو لینے بہشتی سوار آ گیا

(صاحبزادی امتہ القدوس بیگم صاحبہ مصباح خاص نمبر صفحہ ۸)

آپا محمودہ صاحبہ فرماتی ہیں

”اب جماعت کا یہ انمول سرمایہ اور گلستان احمد کا یہ حسین و معطر پھول، ہم سے جدا ہو کر اس اعلیٰ و ارفع اور رحیم و کریم ہستی کی رحمتوں اور فضلوں کی آغوش میں پہنچ چکا ہے۔ ہمارے دل غمگین بھی ہیں اور ان کی یاد سے تڑپ بھی جاتے ہیں لیکن خدا کی رضا پر راضی بھی ہیں۔ کل من علیھا فان و یبقی وجه ربك ذوالجلال و الاکرام۔

اب تو ان کی یادیں اور باتیں باقی رہیں گی---- مجھے افسوس ہے، تو یہ ہے اور یہ خلش تا زندگی رہے گی کہ معلوم نہیں اس مہربان وشفیق وغم خوار ماں کا، حق خدمت بھی ادا کر سکے یا نہیں؟ معلوم نہیں ہم سے کتنی غفلتیں ہوئی ہوں گی جن کو ہم نہ سمجھ سکے- اللہ تعالیٰ ہمارے گناہ معاف کرے- آمین محمودہ-

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۴۲،۴۳)

صفیہ بیگم اہلیہ شیخ مبارک احمد صاحب کہتی ہیں

بیگم صاحبہ علالت میں بیت الظفر سے اپنے صاحبزادے کے پاس تشریف لے آئیں- ایک دن میں حاضر خدمت ہوئی حضرت سیدہ بیگم صاحبہ کو دیکھ کر میرے آنسو بے قابو ہو گئے مجھے دیکھ کر حضرت بیگم صاحبہ نے لیٹے لیٹے مجھے اپنے ساتھ لگا لیا اور میرا چہرہ اپنے چہرہ مبارک کے ساتھ لگا لیا- کمزوری کی وجہ سے بات نہ کرسکیں صرف یہ پوچھا کہ کس کی شادی تھی- ان دنوں میرے بیٹے کی شادی ہوئی تھیں- میں نے عرض کر دیا بیٹے کی-"

سراج بی بی کہتی ہیں-

"آپ کی آخری بیماری، میں میں آپ کو دیکھنے جاتی- آپ کئی دن بے ہوش رہیں- ایک دن آپ کو دیکھنے کا موقع ملا- بالکل حضرت اماں جان لگ رہی تھیں- سیدھی کروٹ پر لیٹی ہوئی تھیں اور ایک ہاتھ تکیہ پر رکھا ہوا تھا- جس پر تھوڑا ورم تھا- وفات والی رات میں نے خواب دیکھا کہ حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ کھڑی ہیں اور بہت اداس ہیں آپ مجھے ایک انگوٹھی دیتی ہیں، جس کے دوطرف آتشی گلابی رنگ کے بڑے بڑے نگ ہیں، ایک ثابت ہے اور دوسرا ٹوٹا ہوا- دونوں نگوں کے درمیان تین سفید ہیرے کے نگ ہیں، وہ بالکل ٹھیک ہیں- آپ کہتی ہیں سراج بی بی جاؤ ٹوٹا ہوا نگ جڑوا لاؤ- میں جاتی ہوں کوشش کرتی ہوں لیکن اس کے ساتھ کا نگ نہ ملا- میں واپس آ کر، آپ کو انگوٹھی واپس کر دیتی ہوں- اور کہتی ہوں اس کے ساتھ کا نگ نہیں

مل رہا۔

(مصباح خاص نمبر ۶۳)

استانی حمیدہ صابرہ کہتی ہیں۔

''اور جب یہ جسد مبارک آخری آرام گاہ میں جانے کیلئے تیار تھا ہزارہا خواتین، اشکبار آنکھوں سے آخری زیارت کر رہی تھیں۔ ہر ایک انہیں اپنا جانتا تھا۔''

(مصباح خاص نمبر صفحہ ۷۵)

# تیمار دار

صاحبزادی آپا محمودہ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں

ڈاکٹر لطیف قریشی صاحب کو خدا جزائے خیر دے۔ بہت لمبا عرصہ نہایت جانفشانی اور محبت سے علاج کرتے جن کے ہم بہت ہی مشکور ہیں۔ اسی طرح عبدالجبار اور لطف الرحمٰن صاحب بھی شکریہ کے مستحق ہیں۔ انہوں نے بھی بہت محنت کی۔ ڈاکٹر فہمیدہ صاحبہ اور ان کی سٹاف بھی آتی رہیں۔

آخری دنوں میں تو باقاعدہ۔ ہماری بھاوج طیبہ بیگم اور چھوٹی آپا نے جان توڑ کر خدمت کی اور حق خدمت ادا کیا۔ باقی خاندان میں اکثر نے یہ سعادت حاصل کی۔ خصوصاً سیدہ بیگم ملک عمر علی، عزیز ان امتہ الشکور بیگم، امتہ المصور، صبوحی، نزہت، رعنا، قدسیہ بیگم، امتہ النور، امتہ المومن، سب رات کو باری باری ڈیوٹی دیتی تھیں۔ حضرت چھوٹی آپا نے تو گویا اپنے آپ کو ان کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اس طرح خاندان کے بچوں۔ عزیز ان طیب احمد، سلیمان قمر احمد، زبیر احمد، خالد احمد، مظفر احمد اور شاید شعیب احمد۔ جب طبیعت خراب ہوتی ان میں سے دو بچے رات حاضر رہتے بازار سے دوائیں لانا۔ ڈاکٹر کو بلانا اپنے سامنے ٹیکے وغیرہ کروانا۔ آکسیجن دینا رات کو ڈیوٹی دینا۔ بڑی مستعدی سے سب کام کرتے۔

اسی طرح عائشہ بیگم اہلیہ محمد حسین شاہ صاحب مرحوم نے سال بھر ہفتہ میں تین بار رات کو ڈیوٹی دی۔ سعیدہ بیگم عطاء صاحبہ جو ایک طرح سے امی جان کی بیٹی ہی ہیں۔ لاہور سے بار بار آتیں کئی روز رہ کر خدمت کرتیں۔ حبیبہ بیگم اسمٰعیل ذبیح نے بھی آخر کے کئی روز رات کو ڈیوٹی دی۔

اسی طرح امی جان کے کام کے لیے جو عورتیں اور لڑکیاں تھیں- زینب، سلطانہ کوثر اور امتہ الحئی انہوں نے بھی بہت خدمت کی- ان سب کے لیے خاص دعا کی درخواست ہے- اللہ تعالی انہیں دین و دنیامیں اجر دے- عزیزہ طیبہ بشریٰ بنت عبدالعزیز صاحب کے لیے بھی دعا کے لیے عرض کرتی ہوں- اللہ اس بچی کو نیک نصیب کرے- اس عزیز بچی نے کئی سال سے امی جان کی ڈاک کا کام سنبھالا ہوا تھا- باوجود اس کے کہ خود پڑھتی تھی- پھر ٹیچر ہوگئی- پھر بھی وقت نکال کر امی جان کے پاس آتی تھی امی جان خطوں کے جواب اس سے لکھواتی تھیں خدا نے خود اس کے دل میں محبت ڈال دی تھی- خود ہی امی جان کے پاس اپنے آپ کو پیش کیا اور اس فرض کو نہایت بشاشت اور ذمہ داری سے نبھایا- ویسے کسی کام کو عار نہیں سمجھا- اپنی بیمار ماں کو چھوڑ کر آتی تھی اور گھنٹوں پاس رہتی تھی- اللہ تعالی اسے اعلیٰ سے اعلیٰ جزا دے- آمین

# الوداع اے مقدس شخصیت

آپ کی وفات ۲۲، ۲۳ مئی ۱۹۷۷ء کی درمیانی شب ہوئی گویا (۸۰) اسی سال سے کچھ اوپر آپ نے عمر پائی آپ ۲ مارچ ۱۸۹۷ء کو رمضان کی ستائیسویں شب پیدا ہوئیں جیسا کہ آپ اپنی پیدائش کے بارے میں فرماتی ہیں کہ ’’حضرت اماں جان نے کئی بار مجھے بتایا کہ حضرت مسیح موعود فرماتے تھے رات بھر میں نے بہت دعائیں کی تھیں، بوندیں پڑنے لگیں، تو میں نے خیال کیا کہ لیلۃ القدر کی خاص قبولیت دعا کا وقت ہے اور بہت دعا کی۔‘‘ (تقریر ذکر حبیب مصباح دسمبر ۱۹۷۲ء صفحہ ۱۷) گویا اس لیلۃ القدر کی، دعا کی قبولیت میں آپ کی عمر بتا دی گئی کیونکہ ہزار مہینے تقریباً اسی سال بنتے ہیں۔

پھر اسی لیلۃ القدر کی دعا کی قبولیت کی برکتیں آپ کی ساری زندگی پر محیط نظر آتی ہیں حضرت مسیح موعود کے یہاں شہزادیوں جیسی زندگی گزاری اور پھر رئیس مالیر کوٹلہ کی بیگم بنیں۔ خدا تعالیٰ نے ’’نواب‘‘ اور ’’بیگم‘‘ دونوں ہی لقب سچ کر دیئے۔ لیکن آپ کے مزاج میں قطعاً کوئی غرور اور تکبر نہیں تھا۔ عاجزی اور انکساری کے ساتھ ایک خاص وقار اور تمکنت تھی۔ ملاقاتی عورتیں ہاتھ چومنے کو آگے بڑھتیں تو آپ بے تکلفانہ ہاتھ آگے بڑھا دیتیں لیکن چہرے پر ایک عاجزانہ مسکراہٹ ہوتی۔ حضرت سیدہ بہت ذہین و فطین اور بہت لطیف حساس طبیعت کی تھیں، بہت تقویٰ شعار، خدا سے بے حد پیار کرنے والی، بے حد صابر و شاکر، بغض حسد اور ریس سے سخت نفرت کرنے والی، ہر ایک سے محبت کرنے والی۔ جو عورت ایک دفعہ آپ سے ملتی آپ کی قوت قدسیہ کی کشش اسے بار بار آپ کی طرف کھینچ لاتی۔ الغرض حضرت سیدہ بیگم صاحبہ کی اسی سالہ

زندگی کے تمام پہلو، عبارت ہیں محبت الہیٰ، عشق رسولؐ اور شفقت علی خلق اللہ سے اور یہ ہی دین کا خلاصہ ہیں- منبع حیات یعنی ذات باری تعالیٰ کے ساتھ ایسا گہرا پیوند کہ ہر وقت اسی کے آگے جھکی ہوئی- سراپا دعا عاجزی و انکساری ؎

کیا التجا کروں، کہ مجسم دعا ہوں میں
سرتابہ پا، سوال ہوں، سائل نہیں ہوں میں

کوئی ایک دعا ہو تو کروں میں تو سراپا دعا ہوں کوئی ایک چیز مانگنے والی نہیں بلکہ سوال ہی سوال ہوں اور محبت الہیٰ گویا آپ کی زندگی کا عنوان تھا-

بیگم صاحبہ کی زندگی الذین یذکرون اللہ قیما و قعودا و علی جنوبھم کی قرآنی تعلیم کے مطابق اپنی خواب گاہ میں، کروٹوں کے بل بھی خدا تعالیٰ کے ذکر میں مصروف گزرتی- آپ نے خود فرمایا کہ آنکھ کھلتی ہے تو کروٹ بدلتے بدلتے میرے لبوں پر تسبیح وتحمید درود و استغفار ہوتا ہے- آپ کو رسماً نہیں حقیقتاً خدا کی ذات سے محبت تھی- جو آپ کے خون اور رگ و ریشے میں رچی ہوئی تھی جس کی گواہی حضرت سیدہ چھوٹی آپا صاحبہ جو آپ کی ماموں زاد بہن اور بھاوج ہیں دیتی ہیں- جن کو آپ کی لمبی بیماری میں حد درجہ تیمار داری کی توفیق ملی- آپ فرماتی ہیں کہ غنودگی اور بے ہوشی کی کیفیت سے جیسے ہی بیداری یا ہوش میں آتیں تو فورا ''آپ کی زبان ذکر الہیٰ میں مشغول ہو جاتی اور آپ کے ہونٹ ہلنے لگتے-'' سبحان اللہ کیا عظیم اللہ والی ہستی تھیں-

مخلوقِ خدا کی ہمدردی کا جذبہ آپ کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا ہر ملنے والی کیلئے آپ کے دل کی طرح آپ کے گھر کا دروازہ بھی کشادہ تھا سنیکڑوں بلکہ ہزاروں ہوں گے، جنہیں آپ کی محبت اور شفقت سے وافر حصہ ملا- اپنے اور پرایوں کو اپنی محبت کے پروں میں سمیٹا- مخلوق خدا کیلئے آپ کی زندگی کا عنوان، خود آپ کا یہ شعر تھا ؎

خِلقت انس میں ہے انس و محبت کا خمیر
گر محبت نہیں، بیکار ہے انساں ہونا

(درعدن صفحہ۷۶)

آج دعاؤں بھری وہ چھاؤں چھاؤں شخصیت ہم میں موجود نہیں جس کی دعائیں بارگاہ خداوندی میں قبول ہوتی تھیں۔ جماعت کے مرد و زن آپ سے دعائیں کرانے کے عادی ہو گئے تھے۔ بات بات پر آپ کو دعاؤں کی تحریک کرتے تھے۔ آج وہ سوچتے ہیں ؎

کون دے، دل کو تسلی ہر گھڑی
اب آڑے وقتوں میں، آڑے آئے کون
کون میرے واسطے زاری کرے
درگہ ربی میں، میرا جائے کون

(یہ حضرت مصلح موعود کی نظم کے اشعار ہیں جو حضرت مسیح موعود کی وفات کے فوراً بعد آپ نے کہی۔ کلام محمود صفحہ۵۷)

قانون قدرت ہے کہ موت ہر چیز پر غالب آ جاتی ہے۔ لیکن محبت، موت پر غالب آ جاتی ہے۔ آج اگر چہ حضرت سیدہ ہمارے درمیان میں نہیں ہیں لیکن آپ کے حُسنِ خلق نے دلوں کو موہ لیا ہے آپ کی سیرۃ کی ایمان افروز یادیں، آپ کو ہمیشہ ہی زندہ و پائندہ رکھیں گی انشاء اللہ۔

اے خدا! وہ پیاری مبارک ہستی، تیری مقدس امانت تیرے پاس پہنچ چکی ہے اے پیارے خدا بے شمار رحمتیں اور برکتیں اس خاتون مبارکہ پر نازل فرما۔ اے محبّ ازلی سب چاہنے والوں سے زیادہ چاہنے والے جس طرح دنیا میں تیری محبت پر بیگم صاحبہ کو ناز تھا اس سے بھی بے حساب بڑھ کر اپنی رحمت بخشش اور پیار کی نظر فرما اور بقول خود ان کے ؎

مجھے تو، دامن رحمت میں ڈھانپ لے یونہی
حساب مجھ سے نہ لے، بے حساب جانے دے

آخر میں ہم آپ ہی کی زبان میں آپ کیلئے دعا کرتے ہیں آپ فرماتی ہیں۔

''دعا کریں کہ جیسے ہم پانچ بہن بھائی، ایک سایہ میں پلے، ایک گود میں پرورش پائی۔ اور کافی عرصہ تک ایک کمرے میں فرشتوں کے پہرے میں، حضرت اقدس مسیح موعود کے پاس آرام کرتے تھے، اسی طرح ہمارا خدا، ہمیں اپنی آغوش رحمت میں بے حساب مغفرت فرما کر ہمارے آقا کے قدموں میں، ہمارے والدین کے پاس، پھر اکٹھا کر دے اس وقت وہ زمانہ میری نظروں میں پھر رہا ہے جب گویا ہر دم نور ہی نور برستا رہتا تھا۔ ایک رحمتوں بھرا سکون دلوں کو حاصل تھا۔''

(مصباح مئی ۱۹۶۶ء صفحہ ۹)

آپ یہ جامع دعا بھی کرتی تھیں:

''میرے پیارے اللہ ہزاروں کروڑوں درود و سلام تا ابد ہر لحظہ زیادہ ہی زیادہ رحمتِ عالم محبوب خدا پر پہنچتے رہیں اور ساتھ آپ کے اس عاشق غلام اور روحانی فرزند پر جس کو آپ کی نیابت سپرد کی گئی اور خلعت عطا فرمایا گیا۔ میرے مولیٰ سمیع و بصیر، قریب و مجیب خدا ہم کو ہماری اولادوں ان کے جوڑوں ان کی اولادوں اور ہماری نسلوں کو ہمیشہ کے لئے اپنا بنا لے۔ ہم ہمیشہ تیرے شیدا رہیں، تیرے عاشق رہیں، تیرے نبی کریم ﷺ اور مسیح موعود کے فدائی رہیں، تا قیامت صدق دل سے اور ثابت قدمی سے خادم دین رہیں۔ توحید کو مضبوطی سے پکڑنے والے دین کو دنیا پر مقدم رکھنے والے، خلافت سے وابستہ رہنے والے، ہر فتنہ سے دور رہنے والے رہیں اور میرے خدا اپنی محبت کی دولت ہمیشہ کے لئے ہمیں بخش دے ہم تیرے لئے جئیں اور تیرے لئے مریں، ہمارے انجام بخیر ہوں، نیک انعمت علیھم کے مصداق خادم دین نسلیں تا قیامت

ہم سے چلتی رہیں اور بعد رخصت از جہانِ فانی، روز محشر مسیح موعود کی خدمت میں سرخرو ہوں- آپ اپنے محبوب آقا کے حضور میں سرخرو ہو کر ہمیں پیش کریں اور ہم سب تیری جناب میں سرخرو ہوں-

(الفضل، جلسہ سالانہ نمبر ۱۹۶۸ء)

اے سمیع و مجیب خدا، ہمارا یقین اور ایمان ہے کہ تو نے حضرت سیدہ اور ہماری دعاؤں کو قبول کرتے ہوئے، حضرت سیدہ کو اپنی محبت اور لقاء عطا کرتے ہوئے قرب رسول ﷺ شفقت پدری و مادری سے مسرور و شاداں کیا ہو گا-

# حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی نماز جنازہ و تدفین

حضرت سیدہ کی وفات ۲۲-۲۳ مئی ۱۹۷۷ء کی درمیانی شب کو ہوئی- آپ کا سفرِ آخرت الفضل اخبار سے شائع کیا جا رہا ہے-

جیسا کہ کل یہ اطلاع شائع ہو چکی تھی حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ لمبی بیماری کے بعد ۲۲، ۲۳ مئی کے درمیانی شب کو بارہ بج کر پانچ منٹ پر اپنے چھوٹے صاحبزادے محترم نواب مسعود احمد خاں صاحب کی کوٹھی میں، جہاں آپ ۱۷ جنوری ۱۹۷۶ء سے قیام فرما تھیں رحلت فرما گئی تھیں- وفات کے وقت سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث اور حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ حرم حضور ایدہ اللہ تعالی (جو کہ حضرت سیدہ مرحومہ کی بڑی صاحبزادی ہیں) کے علاوہ خاندان حضرت مسیح موعود اور خاندان حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کے بیشتر افراد موجود تھے-

# غسل اور تجہیز و تکفین

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ اور حضور کی بیگم صاحبہ محترمہ کی عمومی ہدایات کے ماتحت صبح پونے تین بجے آپ کو غسل دیا گیا۔ غسل دینے میں حضرت سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ اور حضرت سید میر محمد اسحٰق صاحب کی دو صاحبزادیوں یعنی محترمہ سیدہ بیگم صاحبہ اہلیہ محترم ملک عمر علی صاحب مرحوم اور محترمہ سیدہ بشریٰ بیگم صاحبہ اہلیہ میجر سید سعید احمد صاحب نے حصہ لیا۔ ان کے علاوہ بیگم صاحبہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبہ عائشہ بیگم صاحبہ اہلیہ سید محمد حسین صاحب اور سعیدہ بیگم میجر سید عبدالغفور صاحب نے بھی حصہ لیا۔ آپ کی خادمات زینب، کوثر اور سلطانہ نے اس سلسلے میں ان کی مدد کرنے کی سعادت حاصل کی۔

# جنازہ اٹھانے کا منظر

نماز جنازہ کیلئے چھ بجے شام کا وقت مقرر کیا گیا تھا لیکن متعدد بیرونی مقامات سے احمدی بھائیوں اور بہنوں کی آمد کا سلسلہ برابر جاری تھا اور بعض دور کے مقامات سے احباب کی آمد متوقع تھی، اس لئے کچھ انتظار کیا جاتا رہا- اس عرصہ میں احمدی خواتین بہت بڑی تعداد میں آپ کے مبارک چہرہ کی آخری زیارت کرتی رہیں اور باہر کوٹھی کے لان میں بیرونی سڑکوں پر ہزارہا کی تعداد میں احباب جمع ہوتے رہے- بالآخر چھ بجے جب حضور ایدہ اللہ محترم نواب مسعود احمد خاں صاحب کی کوٹھی پر تشریف لائے تو جنازہ اٹھایا گیا- جب تابوت کوٹھی کے لان میں لایا گیا تو اسے خاندان مسیح موعود اور خاندان حضرت محمد علی خاں صاحب کے افراد تھامے ہوئے تھے- تابوت ایک چارپائی پر رکھا گیا جس کے دونوں طرف لمبے بانس باندھ دیئے گئے تھے تاکہ زیادہ سے زیادہ افراد اسے کندھا دے سکیں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے کندھا دیا- جس کے بعد احباب ہزارہا کی تعداد میں کندھا دیتے ہوئے مقبرہ بہشتی کی طرف روانہ ہوئے جبکہ وہ سب زیر لب دردمندانہ دعاؤں میں مصروف تھے-''

(الفضل ۲۵ مئی ۱۹۷۷ء)

ربوہ ۴ جمادی الثانی ۱۳۹۷ھ بروز دوشنبہ (مطابق ۲۳ ہجرت مئی ۱۹۷۷ء)

آج شام کو سات بجے کے قریب ملک کے طول وعرض سے تشریف لانے والے ہزارہا احباب جماعت نے محزون اور غمناک قلوب اور اشک بار آنکھوں کے ساتھ انتہائی سوز وگداز سے معمور، دعاؤں کے درمیان حضرت مسیح موعود کی مبشر اولاد کے ایک درخشندہ گوہر یعنی حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے جسد اطہر کو مقبرہ بہشتی ربوہ کی اس

چاردیواری کے اندر، سپرد خاک کیا، جہاں پر حضرت اماں جان نور اللہ مرقدہ اور حضرت المصلح الموعود کے مزار ہیں اور اس طرح وہ مقدس و بابرکت وجود ہمیشہ کیلئے ہم سے رخصت ہو گیا۔ جو عظیم خدائی نشانوں میں سے ایک خاص نشان تھا جس کے وجود باجود سے اللہ تعالیٰ کی کئی بشارات کے پورا ہونے کا ہم نے خود مشاہدہ کیا اور جو جماعت احمدیہ کیلئے متعدد ایسی خاص برکات کا مظہر تھا جو آپ ہی کے مبارک وجود سے مخصوص تھیں۔

تدفین سے قبل بہشتی مقبرہ کے وسیع وعریض احاطہ میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی جس میں ہزارہا کی تعداد میں وہ احباب جماعت بھی شامل ہوئے جو ربوہ کے علاوہ ملک کے مختلف اطراف و جوانب سے نماز جنازہ میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کرنے کے لئے اپنے مرکز میں تشریف لائے تھے۔

# حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نور اللہ مرقدہ کے مزار کا کتبہ

و ادخلها فی اعلیٰ علیین

بسم الله الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسوله الکریم

مزار

## حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ

حضرت مسیح موعود کی دختر نیک اختر جو الٰہی بشارتوں کے مطابق ۲ مارچ ۱۸۹۷ء کو قادیان میں پیدا ہوئیں۔ آپ کی بابت الہام تھا۔ ''تنشاء فی الحلیۃ'' اور ''نواب مبارکہ بیگم''۔ آپ کا عقد ۱۹۰۸ء میں نواب محمد علی خاں صاحب رئیس مالیرکوٹلہ سے ہوا۔ ۲۲، ۲۳ ہجرت ۱۳۵۶ھ بمطابق ۲۲، ۲۳ مئی ۱۹۷۷ء کی درمیانی شب اسی (۸۰) سال کی عمر پاکر بہشتی مقبرہ دارالہجرت ربوہ میں ہزاروں مخلصین کی دعاؤں کے ساتھ ۲۳ مئی کو امانتاً دفن ہوئیں۔

اللھم نور مرقدھا و ارفع درجتھا

# حضرت سیدہ کا بلند مقام خلفاء کی نظر میں

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی وفات کے بعد جمعہ ۲۷ مئی ۱۹۷۷ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے خطبہ جمعہ میں الیس اللہ بکاف عبدہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

''بڑا عجیب، بڑا بلند اور بڑا خادمانہ مقام تھا حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ، ہماری پھوپھی جان کا، بے حد دعائیں کرنے والی اور بہت ہی تسلی دینے والی تھیں۔ لوگ دعا کیلئے کثرت سے آپ کو خط لکھتے اور آپ ان کیلئے باقاعدگی سے دعائیں کرتی تھیں اور ان کو تسلی دیتی تھیں اور بالکل بے نفس تھیں۔ مجھے علم ہے کہ کئی لوگ ایسے ہیں جنہوں نے ان کے ہزارواں حصہ بھی سچی خوابیں نہیں دیکھیں اور ان لوگوں کو ولی اللہ بننے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ اور انہوں نے (بیگم صاحبہ نے) ہزار گنا زیادہ سچی خوابیں دیکھیں لیکن کوئی خیال ہی نہیں۔ یہ کوئی اپنا ہنر تو نہیں نا۔ اگر خدا تعالیٰ اپنے کسی بندے کو اپنی رحمت سے نوازتا اور اس سے پیار کرتا ہے اور اس کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور رویاء اور کشوف کے ذریعے اس کو آئندہ ہونے والی باتوں کی اطلاع دیتا ہے تو یہ محض اس کا فضل ہے۔ آپ کو بڑے کھلے رویا ہوتے تھے اور بچپن سے ہی ہوتے تھے---- (پھر حضور نے بیگم صاحبہ کا خواب چوبارے پر حضرت مولوی نور الدین صاحب والا اور اور ابا مولوی عبدالکریم صاحب آئے ہیں اور کہتے ہیں حضورﷺ تشریف لائے ہیں اور بلاتے ہیں کہ خوابوں کا ذکر فرمایا) پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث فرماتے ہیں۔ غرض اس قسم کی بڑی روشن خوابیں دیکھنے والی تھیں اور بالکل بے نفس تھیں۔ اس واسطے کہ الیس اللہ بکاف عبدہ کا جو مقام ہے اس میں نفس باقی نہیں رہتا اور اگر نفس کا کوئی مقام

باقی رہے تو الیس اللہ بکاف عبدہ باقی نہیں رہتا---- حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ ایک نمونہ تھیں مرد و زن کیلئے اور بڑا اچھا نمونہ تھیں۔ ہم خدائے واحدویگانہ کی پرستش کرنے والے ہیں اور ہر احمدی عورت اور ہر احمدی مرد کا فرض ہے کہ وہ اس نمونے کے پیچھے چلے۔''

(تاریخ لجنہ جلد چہارم صفحہ ۴۹۶ تا ۴۹۸)

پھر حضور نے ۱۰ جون ۱۹۷۷ء کے خطبہ میں فرمایا ''حضرت مسیح موعود نے فرمایا میری یہ بچی بہت خواب دیکھتی ہے کثرت سے وہ خوابیں سچی نکلتی ہیں۔ اب آپ خود سوچیں کہ یہ رحمانیت کا جلوہ ہے نا۔ ایک ایسی بچی کے متعلق حضرت مسیح موعود کی شہادت ہے، جس پر شائد ابھی نماز بھی فرض نہیں ہوئی تھی اور روزے تو فرض ہی نہیں ہوئے تھے حج کا سوال ہی نہیں اور زکوۃ کا بھی کوئی سوال نہیں۔ اور خدا تعالیٰ کا اس سے سلوک یہ ہے کہ وہ کثرت سے اپنی قدرت کے نظارے دکھاتا ہے اور رویائے صادقہ سے نوازتا ہے۔ میں نے سوچا کہ حضرت مسیح موعود نے جو یہ فرمایا ہے کہ کثرت سے خوابیں سچی نکلتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ خوابیں کثرت سے نہیں، بلکہ قلت سے بھی، ایسی ہوتی ہیں کہ بچپنے کے خیالات کی وجہ سے آجاتی ہیں۔ لیکن خدائے رحمان کا یہ جلوہ کس عبادت کے نتیجے میں ہے؟ کس قربانی کے نتیجے میں خدا تعالی نے یہ اپنا جلوہ دکھایا؟ کہ اس عمر میں سچی خوابیں کثرت سے دیکھنے والی بن گئیں اور پھر ساری عمر خداتعالی نے آپ کے ساتھ پیار اور محبت فضل اور رحمت کا سلوک کیا اور انہوں نے، کبھی ان چیزوں کو اپنی کسی خوبی کا نتیجہ نہ سمجھا۔ بلکہ خداتعالی کے ہر فضل کے بعد جو احساس ان کے دل میں پیدا ہوا وہ یہی تھا کہ یہ میری کسی خوبی کا نتیجہ نہیں، محض خدا تعالی کی عطا ہے۔''

(الفضل ۲۹ جون ۱۹۷۷ء صفحہ ۳، تاریخ لجنہ جلد چہارم صفحہ ۵۰۰)

حضرت خلیفتہ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ نے تعلق باللہ، تائید خداوندی اور

فرشتوں کے نزول رحمت کے سلسلے میں جلسہ برطانیہ ۱۹۹۳ء کے موقع پر خواتین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ''نہ صرف حضرت مسیح موعود پر ہی خدا تعالیٰ کے الہام کشوف اور وحی کا نزول تھا بلکہ آپ کے انتشار روحانیت کے نتیجے میں جماعت احمدیہ کی خواتین سے بھی اللہ تعالیٰ کا تعلق تھا۔''

آپ فرماتے ہیں سب سے پہلے حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے دو رویا آپ کے سامنے رکھتا ہوں کہ کس طرح خدا تعالیٰ احمدی خواتین سے اس حالت میں ہمکلام ہوا جب وہ ابھی بچہ تھیں۔ حضرت مسیح موعود کی یہ عادت تھی کہ آپ بچوں کو بھی دعا کے لئے کہا کرتے تھے اور پھر بعض دفعہ پوچھا کرتے تھے کہ کیا کوئی خدا تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا؟ یہ مطلب نہیں کہ گویا آپ بچوں کے محتاج تھے کہ وہ خدا تعالیٰ سے جواب لے کر دیں بلکہ بچوں کی تربیت کی خاطر، آپ کا دستور تھا اور ان کو بتانے کیلئے کہ ان کا باپ ایک زندہ خدا سے تعلق رکھتا ہے، جسے وہ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور اپنے کانوں سے سن سکتے ہیں۔''

پھر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے حضرت بیگم صاحبہ کے دو خوابوں کا ذکر فرمایا ایک وہ جس میں حضرت خلیفہ اول فرماتے ہیں کہ اس الہامات کی کتاب میں لکھا ہے کہ میں ابوبکرؓ ہوں۔ دوسرا خواب جس میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کہتے ہیں بی بی ابا کو بلاؤ کہ حضورﷺ اور صحابہؓ آپ کو بلاتے ہیں۔

(کتابچہ تقریر جلسہ سالانہ برطانیہ ۱۹۹۳ء صفحہ ۸،۹ خواتین سے خطاب)

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کو ساری زندگی خدا تعالیٰ نے اپنے پیار سے نوازا اور مہد سے لحد تک یہ ہی بابرکت سلسلہ چلا۔ آپ کی ذات، مصداق ہے اس ارشاد کی جو حضرت مصلح موعودؓ نے چند رفقا کے انتقال پر فرمایا تھا۔

''وہ لوگ جنہوں نے حضرت مسیح موعود کی، ابتدائی زمانہ میں خدمت بجا لانے کی سعادت پائی ایسی ہستیاں ہیں جو دنیا کیلئے ایک تعویذ اور حفاظت کا ذریعہ ہیں----

خداتعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ پاس کی چیز بھی، کچھ حصہ، ان برکات کا، لے لیتی ہے جو حصہ برکات کا اصل چیز کو حاصل ہوتا ہے---- اسی طرح خدا کا نبی ہی، اس کا نبی ہوتا ہے مگر اس سے تعلق رکھنے والے اس کی بیویاں، اس کے بچے اس کی لڑکیاں اس کے دوست اور اس کے رشتہ دار سب انسان برکات سے حصہ لیتے ہیں جو نبی کے ساتھ اپنے آپ کو پیوست کر دیتے ہیں- یہ لوگ خدا کی طرف سے ایک حصن حصین ہوتے ہیں دنیا ان کی وجہ سے بہت سی بلاؤں اور آفات سے محفوظ رہتی ہے-''

(بحوالہ اصحاب احمد جلد دوم صفحہ۱۳،۱۴)

حقیقت یہ ہے کہ بیگم صاحبہ کا وجود خدا تعالی کے فضل سے حضرت مسیح موعود کی برکات اور قوت قدسیہ سے وہی وجود تھا جو دنیا کیلئے حصن حصین ثابت ہوتے ہیں- بلاؤں اور آفات سے بچانے کیلئے ایک تعویذ کا کام ان کی دعائیں کرتی ہیں اے خدا! بیگم صاحبہ کی دعاؤں کی برکتوں کو ہمیشہ جاری رکھنا جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز حضرت سیدہ نواب امتہ الحفیظ بیگم صاحبہؓ کی وفات پر ۸ مئی ۱۹۸۷ء کے خطبے میں فرماتے ہیں ''اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض وجودوں کے ساتھ بعض برکتیں ایسی ہوتی ہیں جو ان کے جانے کے بعد اس طرح دکھائی نہیں دیتیں اور ان کا خلا محسوس ہوتا ہے لیکن یہ کہہ دینا کہ ہر وجود گویا کہ اپنی ساری برکتیں ساتھ لے کر چلا جاتا ہے- یہ بالکل غلط خیال ہے---- (دخت کرام صفحہ۱۸۵) ----آگے حضور فرماتے ہیں ''صاحب برکت وجودوں کی برکتوں کو زندہ رکھنا ان لوگوں کا کام ہے جو ان برکتوں کو ایک دفعہ اس کی زندگی میں حاصل کر چکے ہیں---- (صفحہ ۱۸۸ دخت کرام) ----آپ وفادار ہیں تو ان کے جانے کے بعد اپنی وفا کو اس طرح ثابت کریں کہ ان کی نیکوں سے چمٹ جائیں اور کسی قیمت پر ان سے جدا نہ ہوں- --- پس صاحب برکت وجود سب سے بڑی برکت یعنی اللہ کو پیچھے چھوڑ جایا کرتے ہیں اور کبھی بھی ان کی برکتیں بے وفائی نہیں کرتیں---- گو آپ تو جدا ہو گئیں- لیکن آپ کی اولاد اور

جماعت آپ کی برکتوں سے بے وفائی نہ کرے-تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے یہ برکتیں،ہمارے اندر، زندہ اور پائیندہ رہیں-''

(دخت کرام صفحہ ۱۹۱)

اے سمیع و مجیب خدا ہمیں آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دینا- (آمین)